تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السنۃ

جلد دوم

دورِ حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنے والی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباعِ سنت کیلئے متحرک کرتا ہے... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
و دیگر اکابرین

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مرتبین

مولانا عبدالاحد بلال   مولانا حبیب الرحمٰن
(از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

کلماتِ مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اما بعد! اسلام کے تمام علوم واحکام کی اساس چار چیزیں ہیں۔

قرآن کریم۔ احادیث نبویہ۔ اجماع امت اور قیاس۔

عہد نبوت سے تا قیامت امت مسلمہ نے انہی چاروں اصول کی روشنی میں صراط مستقیم کا سفر طے کرتا ہے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات کو مذکورہ اصول کی رہنمائی ہی میں طے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقاصد نبوت کا ذکر کرتے ہوئے چار امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

تلاوت۔ تعلیم کتاب۔ تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس۔

خیر القرون میں جو محیر العقول اسلامی انقلاب رونما ہوا اور اس نے روئے زمین پر ایک نئے معاشرہ اور نئی امت تشکیل دی اس کے عناصر تین چیزیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔ قرآن مجید۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

زیر نظر جدید مجموعہ بنام "معارف السنۃ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل مفید عام مجموعہ ہے جسے برصغیر پاک وہند کے مشائخ حدیث اور اکابر علماء کی تالیفات اور تشریحات سے مرتب کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں خدمت حدیث اور اس کی نشر واشاعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ کا فارسی ترجمہ وتشریح بنام "اشعۃ اللمعات" کیا۔ فارسی کا دور ختم ہوجانے کے بعد مولانا خرم علی بلہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ وتشریح کا کام کیا جو "تحفۃ الاخیار" کے نام سے ہے۔ اس کے بعد خاندان ولی اللٰہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح یعنی "مظاہر حق" کے نام سے کیا جو ظاہری ومعنوی محاسن پر مشتمل ہونے کی بنا پر عوام وخواص میں تاحال مقبول ہے۔

ماضی قریب میں دار العلوم دیوبند سہارنپور وغیرہ کے اجل فضلائے کرام نے مختلف اعتبار سے حدیث کی خدمات کو سرانجام

دنیا میں ہمارے بزرگ استاذ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ کرام میں سے فخر المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ خدمت حدیث میں آپ کی شاہکار تصنیف "ترجمان السنۃ" چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو تمام اعتقادی ونظریات احکام ومسائل پر احادیث اور ترجمہ و تشریح کی ایک مستند ومبسوط کتاب ہے۔ حضرت علامہ عبیداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (جمعہ پور شریف) فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پر اس صدی کی بہترین کتاب "ترجمان السنۃ" ہے۔ استاذ مکرم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ "ترجمان السنۃ" کو ذوق حاضر کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر مسلمان بآسانی اس سے مستفید ہو سکے۔

آج تقریباً 25 برس کے بعد ادارہ کو خدمت حدیث کا یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ اس نے احادیث مبارکہ کی مشاہیر و متداول کتب سے ایک مستند مجموعہ مرتب کر لیا ہے جو عوام وخواص کیلئے دور جدید کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

معارف السنۃ کیا ہے؟ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ امام المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب احادیث وتشریحات اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے جدید مسائل اور دیگر اکابرین کی تصنیفات و تالیفات سے مزین ایک مستند مجموعہ ہے جو زندگی کے تمام امور کے بارہ میں براہ راست فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عام فہم تشریحات کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے۔

اس جدید مجموعہ کو ایک عام مسلمان کی ضرورت کے مطابق فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایمان توحید رسالت ختم نبوت اور معجزات جیسے اعتقادی ونظریاتی ابواب کے مباحث بھی مفصل ذکر کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کی شرط ہے جس کا اہم و اولین تقاضا اطاعت ہے یہ مجموعہ جن مخلص اہل علم اکابر کی تالیفات سے منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے ان کے اخلاص کا عکس پڑھنے والے کی زندگی میں یوں رونما ہوتا ہے کہ قاری صرف اپنے علم میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ عملی زندگی میں اتباع سنت کی مبارک دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے شب و روز اسوہ حسنہ میں ڈھل جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے مرتبین ناشر
اور جملہ قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

دعاگو مرتبین

عبدالواحد جلال　　حبیب الرحمن

(فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق نومبر 2010ء

تقریظ

از شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

امت مسلمہ کیلئے بالخصوص اور انسانیت کیلئے بالعموم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اسوہ حسنہ ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا انتخاب مختلف ادوار میں مختلف محدثین حضرات نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا۔

ہمارے اردو داں طبقہ کیلئے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی محدث کبیر اور مولانا محمد منظور نعمانی نامور محقق نے "ترجمان السنۃ" اور "معارف الحدیث" کے نام پر کئی کئی جلدوں پر مشتمل مجموعے تیار فرمائے۔

تربیت اولاد کیلئے ایک مستقل کتاب احادیث کے انتخاب پر عرب عالم نے مرتب کی جس کا مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "ختم نبوت فی الاحادیث" پر مشتمل مستقل کتاب تالیف کی۔

غرض امت مسلمہ کی ہر امر میں رہنمائی کیلئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتی رہیں اور قیامت تک دیتی رہیں گی۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان اور اس کے بانی حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ جتنی امت مسلمہ کی رہنمائی کیلئے احادیث مبارکہ سے فائدہ اٹھانے کی آج ضرورت ہے اس کی شاید ہی کوئی صاحب بصیرت انکار نہ فرما سکے۔ اسی جذبے سے انہوں نے جامعہ خیر المدارس ملتان کے فضلائے کرام سے مہد سے لحد تک ہر لمحہ امت کی رہنمائی کیلئے "معارف السنۃ" کا مجموعہ مرتب کر کے احسان عظیم فرمایا۔

ذخیرہ احادیث کے اس انسائیکلوپیڈیا سے فائدہ اٹھانا ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ عام فہم ترجمہ آسان اور سادہ مگر دل نشین تشریح سے دل کی دنیا کو آباد کرنے کیلئے یہ شاہکار مجموعہ لائق صد شکر ہے۔

فقیر اللہ وسایا

فہرست عنوانات

کِتَابُ الْمُعَاشَرَہ

کتاب الذکر

دعا کی عظمت اور اس کے احکام

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

کِتَابُ الْمُعَاشَرَة

معاشرتی احکام وآداب

سلام کی فضیلت واہمیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے۔ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہل ایمان کی باہمی محبت و مودت بھی اس کی لازمی شرط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت و مودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بناء پر صحیح جذبے سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبت و مودت کا رس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم عَشْرٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ. (رواہ الترمذی وابو داؤد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ". آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ." آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیس (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ــــ اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری امت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا." اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا تھا فرمایا کہ: اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ "وَرَحْمَةُ اللهِ" کا بھی اضافہ کیا، اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ بیس نیکیاں ثابت ہو گئیں اور تیسرے شخص کے لئے جس نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ". کے ساتھ تیسرے کلمہ "وَبَرَكَاتُهُ" کا بھی اضافہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر وثواب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں ان کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے ابی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ مجھیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دکاندار اور جس کباڑیے اور جس فقیر ومسکین کے پاس سے گزرتے اس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید وفروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جاکے کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھئے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں! حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اس کو سلام کریں اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگان خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں۔)

عند الملاقاۃ سلام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے۔ اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو تو پھر سلام کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سیکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے۔ اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور شریعت اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

سلام کے متعلق ایک حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْكَبِیْرِ وَالْمَارُّ عَلَی الْقَاعِدِ، وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْكَثِیْرِ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔ (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیش قدمی کر کے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیش قدمی کرے اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً آدمی کم ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرے اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیش قدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت کھلی ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وآله وسلم وَهُوَ یَبُوْلُ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صلی الله علیه وآله وسلم السَّلَامَ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کے لئے بیٹھے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ فَیَجِیْءُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مِنَ اللَّیْلِ فَیُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا لَا یُوْقِظُ النَّائِمَ وَیُسْمِعُ الْیَقْظَانَ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحۃً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ. (الترمذی وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

مصافحہ کا اَجر و ثواب اور اس کی برکتیں

عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ. (رواه مالك، مرسلا)

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطا امام مالک)

یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے، یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہنچی۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے، اور اس طریقے سے روایت کرنے کو ارسال۔

تشریح ـــــ یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو اور جو دانہ بے جان ہو چکا اس سے پودا نہیں اُگتا۔

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو تو، کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں، اسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشابہ تھیں) جب وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (جوش محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے، اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بٹھاتیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ روایت اس کی واضح دلیل ہے کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم ان مواقع کے لئے جب سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کھڑے ہو جانے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔ لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرامؓ بھی کھڑے ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

اخوت واتحاد کے اصول

(۱) وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا.

(۲) وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ.

(۱) تم لوگ ایک دوسرے سے بغض وکینہ اور دشمنی نہ رکھا کرو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کیا کرو، ایک دوسرے کے پیچھے اسے ہلاک کرنے کی سازشیں نہ کیا کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کیا کرو، اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی کی طرح رہا کرو۔ (بخاری شریف)

(۲) کسی مسلمان کیلئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کئے رہے۔ (بخاری مسلم)

تشریح: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوستی باہم اور میل محبت کی تلقین فرمائی ہے

اور وہ اسی طرح فرمائی ہے کہ جو باتیں محبت و دوستی کے خلاف ہیں ان سے لوگوں کو منع فرمایا ہے کہ چونکہ تم سب اہل اسلام بھائی بھائی ہو، تمہیں آپس میں محبت و دوستی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ جیسے حقیقی بھائی بھائی رہتے ہیں، لہذا تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے سے بغض و کینہ رکھو نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، (حسد کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے پاس کوئی نعمت یا مال و دولت دیکھے تو اسے برا لگے اور جلن پیدا ہو کہ کسی طرح سے اس کی یہ نعمت و دولت اس کے پاس سے چلی جائے۔ اسے حسد کہتے ہیں اور یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے) اسی طرح تم لوگ ایک دوسرے سے ایسی نفرت بھی نہ کرو کہ اس کا منہ دیکھنا گوارا نہ ہو۔ اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے اسے ہلاک کرنے کی سازش نہ کیا کرو۔ اور ایک دوسرے سے قطع تعلق بھی نہ کیا کرو اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی کی طرح رہا کرو۔

"دوسری حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کبھی کسی وجہ سے باہم کچھ بگاڑ ہوجائے جس کی وجہ سے بول چال بند ہوگئی ہو تو ترک کلام کا یہ سلسلہ تین دن رات سے زیادہ نہ بڑھنا چاہئے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ تعلقات استوار کر لئے جائیں۔ جو غلطی ہو اس کی معافی تلافی ہوجائے۔ اگر تین دن کے بعد بھی بول چال بند رکھے تو گناہ گار ہوگا۔

راستہ کا حق

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ فِی الطُّرُقَاتِ قَالُوْا مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْھَا فَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ

لوگو راستہ میں بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ راستہ میں نہ بیٹھا کرو۔ (یہ سن کر) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہمیں تو (بعض اوقات) راستہ میں ہی بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ جہاں ہم (اپنی ضرورت کی) بات کرتے ہیں۔ تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم راستہ ہی میں بیٹھنا چاہتے ہو، تو راستہ کا حق ادا کیا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، راستہ کا حق یہ ہے کہ (۱) اپنی آنکھیں نیچی رکھو (کہ نامحرم عورتوں پر یا بری چیزوں پر نگاہ نہ پڑے) (۲) راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہو تو راستہ سے ہٹادو (کانچ کا ٹکڑا کانٹا، کیلے کا چھلکا، کوئی اینٹ یا پتھر اور روڑا وغیرہ) (۳) سلام کا جواب دینا۔ (۴) جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہو وہاں اچھائی کی تبلیغ کرو، برائی سے روکو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو راستے میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ راستہ عام ہے کہ وہ بڑی سڑک ہو۔ محلہ کی گلیاں ہوں یا اور کوئی عام گزرگاہ ہو جہاں سے لوگ برابر گزرتے ہوں۔ ایسی جگہوں میں بیٹھنے سے آنے جانے والوں کو تکلیف اور رکاوٹ ہوتی ہے۔ اس لئے ان جگہوں میں بیٹھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کا ارشاد سن کر اپنی معذرت بیان کی کہ ہم لوگوں کو بعض اوقات ضرورتاً اور مجبوراً راستوں میں بیٹھ کر ہی اپنی باتیں طے کرنی ہوتی ہیں اور ہم بدرجہ

مجبوری راستوں میں بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ اس دور میں گھروں میں عام طور پر نشست گاہیں نہ ہوتی تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر سن کر انہیں راستوں میں بیٹھنے کی اجازت اس شرط پر دیدی کہ وہ جب راستوں میں بیٹھیں تو راستے کا حق ادا کریں۔ اور راستہ کا حق پانچ باتیں ہیں۔

(۱) نگاہیں نیچی رکھنا (کہ نامحرم عورت پر نظر نہ پڑے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ نامحرم عورت راستہ سے گزرے یا اس کے گھر کا دروازہ یا کھڑکی کھلی ہو جس کی وجہ سے اس پر نگاہ پڑ سکتی ہو۔) (۲) راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا یا راستہ میں خود ہی اس طرح نہ بیٹھنا کہ دوسروں کو تکلیف ہو۔ (۳) گزرنے والوں کے سلام کا جواب دینا (۴) جہاں ضرورت ہو وہاں اچھے کاموں کی تبلیغ کرنا (۵) برائی دیکھنے میں آئے تو اس سے روک دینا۔

حقوق معاشرت

عن انس یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یعود المریض ویتبع الجنازۃ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ مریض کی بیمار پرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی شخص سے معانقہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا، اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے) ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہو یعنی آپ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ (ترمذی)

شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان سے بعض جملے نقل کرتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ عزوجل (کی عبادت) کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے (حقوق ادا کرنے کے) لیے اور ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لیے۔ پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اسطرح پر تقسیم فرماتے کہ اس حصہ (کے برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچاتے (یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصہ امت میں آپ کی عادت تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم و عمل) کو (حاضری کی) اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے کیونکہ کسی کو ایک ضرورت ہوئی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں آپ (اسی نسبت سے) اُن کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں ان کی اور امت کی مصلحت ہو۔ جیسے مسئلہ

پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے اور (علاوہ علمی فوائد کے) کچھ کھا پی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے۔ (یہ رنگ تھا مجلس خاص کا) پھر میں نے اپنے باپ سے آپ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا۔ (انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں انہی کی دوسری حدیث میں نقل کرتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے۔ آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ کے روبرو کوئی بات کرتا اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا تب اس کو کاٹ دیتے خواہ منع فرما کر، یا اٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا اور مخالفین کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی موقع پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ مشرکین پر بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

فائدہ: اس لیے آپ کی عادت دشمنوں کے لیے بھی دعائے خیر ہی کرنے کی تھی اور کبھی کبھار اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ ان کی شرارت سے آپ کی حفاظت فرما دے یہ اور بات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کو کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگ احد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتے سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد! میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کو شریک نہ کریں۔

فائدہ: دیکھئے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا خصوص جب آپ کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جاویں گے مگر آپ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔ یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ کے مد مقابل تھے بعضے مخالفین آپ کی رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی۔ ان کے ساتھ بھی برتاؤ سنئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینہ میں آباد تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمے کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا۔ لوگوں کے دھمکانے پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی قصہ میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور یہ بھی کہا کہ میں نے تو یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو توراۃ میں ہے کہ محمد عبداللہ کے بیٹے ہیں آپ کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں نہ درشت مزاج ہیں، نہ بازاروں

میں شور و غل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام۔ نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے۔ مجھ کو اس کا دیکھنا تھا (کہ دیکھوں آپ وہی ہیں یا نہیں سو دیکھ لیا آپ وہی ہیں) اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ الخ (بیہقی)

مشورہ اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روزمرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو یا سن لیا کرو۔ تو پھر دیکھو گے تم کیسی جلدی کیسے اچھے ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کے حقوق ادا کرنا

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المؤمن فسوق وقتالہ کفر۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کو (بلا وجہ) بُرا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور اس سے بلا وجہ لڑنا قریب کفر کے ہے۔ (بخاری و مسلم)

آیت: فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایمان والے (سب آپس میں ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے۔ (آگے ارشاد ہے) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے۔ یعنی جس سے دوسرے کی تحقیر ہو آگے فرماتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔ (الحجرات۔ آیت ۱۱) (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ (الحجرات۔ آیت ۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بَری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے)۔ (مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ چغل خور (قانوناً بدوں سزا) جنت میں نہ جاوے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دورویہ ہو یعنی جو ایسا ہو کہ ان کے منہ پر ان جیسا، اُن کے منہ پر اُن جیسا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو تو) اس کو ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ بتلایئے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچی بُرائی کرتا ہوں) آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تب تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ

بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو کوئی ایسی بات کہے وہ تجھ کو اس میں سچا سمجھ رہا ہے اور تو اس میں جھوٹ کہہ رہا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلاوے اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا۔ (یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اگر کسی خاص وجہ سے مجبور نہ ہو اور بات ہے اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں)۔ (ترمذی)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی) دنیوی یا دینی بُری حالت پر خوشی مت ظاہر کر کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرما دے اور تجھ کو مبتلا کر دے۔ (ترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندگان خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔ (احمد و بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خواہ مخواہ) بحث کیا کرو اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو پورا نہ کرے۔ (ترمذی)

فائدہ: البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت پورا کرنے کی نیت تھی مگر پورا نہیں کر سکا اور (اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آ سکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہو گیا) تو اس پر گناہ نہ ہوگا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو۔ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمہ رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے۔ (بخاری)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تکمیل ایمان کی شرائط

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اتاہ السائل وصاحب الحاجۃ قال اشفعوا فلتؤجروا ویقضی اللہ علی لسان رسولہ ماشاء۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحب حاجت آتا تو آپ (صحابہ سے) فرماتے کہ تم سفارش کردیا کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو جیسا یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا)۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظلوم ہونے کی صورت میں تو مدد کروں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں)۔ مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز ہے نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا مثلاً اس کا عیب کھولنا اس کی غیبت کرنا وغیرہ)۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے)۔ (مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے اور بُرے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے مگر نرمی اور تہذیب سے)۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان

بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی حمایت فرمادے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ وہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمادے گا۔ (شرح سنہ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپانے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے) تو وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچائی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔ (احمد ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ یعنی اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ، دھبہ چہرہ کا اس طرح صاف کر دیتا ہے کہ عیب والے پر ظاہر کر دیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کو چاہیے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت نہ کرے)۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو۔ (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو)۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن الفت (اور لگاؤ) کا محل (اور خانہ) ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے، یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے، کسی سے میل جول نہ ہو۔ باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلق نہ رکھنا یا کم رکھنا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (احمد بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کا مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔ (بیہقی)

نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر (۷۳) مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے (کافی) ہے اور بہتر (۷۲) مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات ہو جاویں گے۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے تو نے جنت میں بڑا مقام بنا لیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے

لیے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرلے۔ (بخاری مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی خفی حالت کی تحقیق مت کرو نہ اچھی حالت کی نہ بری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہو کر رہو اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں۔ (اس وقت انہی چھ کے ذکر کا موقع تھا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ ۱۔ جب اس سے ملاقات ہو اس کو سلام کرو اور ۲۔ جب وہ تجھ کو بلاوے تو قبول کرو اور ۳۔ جب تجھ سے خیرخواہی چاہے اس کی خیرخواہی کرو اور ۴۔ جب چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہو اور ۵۔ جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کرو اور ۶۔ جب مر جاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ (مسلم)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے یا اس کے ساتھ فریب کرے۔ (ترمذی)

یہ تو عام مسلمانوں کے کثیر الوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں جن کو میں نے بقدر ضرورت رسالہ حقوق الاسلام میں لکھ دیا ہے سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

اپنی جان کے حقوق ادا کرنا

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن لجسدك عليك حقا وإن لعينك عليك حقا.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت دوسری بے فکری۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے صحت اور بے فکری کا نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دین میں مدد ملتی ہے اور بے فکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص

سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان کو دین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے۔ (ترمذی)

فائدہ: معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت و قوت ہوتی ہے وہ اور بے فکری زندگی اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لیے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی۔ (ترمذی)

فائدہ: اس سے بھی صحت اور امن و عافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لیے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل و عیال کے (ادائے حقوق کے) لیے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا۔ (بیہقی و ابو نعیم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ کسب مال کے بقدر ضرورت دین بچانے کے لیے اور ادائے حقوق کے لیے بڑی فضیلت ہے۔ اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا کہ حکم ہے) یہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے الخ۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

فائدہ: اس میں صاف برائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی۔ سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابو داؤد)

فائدہ: اس میں صاف حکم ہے تحصیل صحت کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں۔ سو اگر معدہ درست ہوا تو رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان بیہقی)

فائدہ: اس میں معدہ کی خوب رعایت کا ارشاد ہے۔

حضرت ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ۔ تم کو نقاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا آپ نے فرمایا اے علی اس میں سے لو یہ تمہارے موافق ہے۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث سے بدپرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضر صحت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، وہ بھوک بڑا ہم خواب ہے۔ الخ (ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ)

فائدہ: مرقاۃ میں بھی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور دماغ پریشان ہو جاتا ہے اس سے صحت و قوت و جمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہو جاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی فضیلت آئی ہے۔ اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ تیر اندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ الخ (ترمذی، ابن ماجہ و ابوداؤد و دارمی)

فائدہ: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

ایمانی صفات

عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من علم الرمي ثم تركه فليس منا.

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے فوت ہونے کا بیان آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت کے دے رکھی ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان گھٹ جاتا ہے۔ اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء، آیت ۸۰) فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان دشمنوں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال، آیت ۶۰)

فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔ مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی

مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں آویں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۲ کے ذیل میں آوے گا۔

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مال کو بے موقع مت اُڑانا۔ (بنی اسرائیل، آیت ۲۶)

فائدہ: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ آگے حدیثیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مؤمن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہو گیا، ان سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حد شرع و حد قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ راستے کو دشمن کا خطرہ تھا اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو)۔ سو اس کے بعد جس منزل پر اترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا۔ الی آخر الحدیث۔ (مسلم)

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور ابو

لبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک سواری تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

فائدہ: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے فرمایا نفس کو ذلیل کرتا ہے کہ جس بلا کو سہہ نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (جمع و ترمذی)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تمام وہ کلام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خود وہ خود انتظار کر دیں۔ خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔

جو افعال مقاصد مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

اگر بدون بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آویں جن سے یہ مقاصد صحت و قوت و طمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مددِ غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لیے ان پر صبر کرے اور خوش رہے جیسا انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے فوت ہونے کا بیان آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے اور وہاں دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت کے دے رکھی ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز

کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء آیت ۸۰)

فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان دشمنوں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال آیت ۶۰)

فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔ مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا بھی پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۲ کے ذیل میں آوے گا۔

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مال کو بے موقع مت اڑاؤ۔ (بنی اسرائیل آیت ۲۶)

فائدہ: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ آگے حدیثیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کو بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جاوے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہو گیا۔ ان سے بچنا چاہیے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحوں کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حد شرع و حد قانون سے باہر نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ اکیلے دُکیلے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو)۔ سو اس کے بعد جس منزل پر اترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے جاؤ مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا، دو نیم حدیث ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جو ہتھیار پاس رکھے اس کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک سواری تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے تا کہ زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سختی سے گزر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد کبیر ۱۰۱)

فائدہ: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی اور جفا کشی و آزادی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ ایسی بلا کو سہارنے لگے اس کا سامنا کرے۔ (ترمذی)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تو سو کام آ گئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں جیسا اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کر دو خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آ وے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو، پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔

جو افعال مقاصد مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل قوی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

اگر بدوں بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آویں جن سے یہ مقاصد صحت و قوت و اطمینان وغیرہ برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور دلجمعی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان پر صبر کرے اور خوش رہے انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

مجلس کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے اس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

عَنْ كَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَجِدَايَةٍ وَضَغَابِيسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بِاَعْلَى الْوَادِي قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَقُلِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ؟ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن امیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق) "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ" کہہ کر اجازت مانگو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہ صفوان بن امیہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام وادی مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو معلیٰ کہتے ہیں۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہیے، اسی لئے یونہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ادب کی تعلیم کے لئے ان سے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ اور کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ" (السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے ان سے عمل بھی کرا دیا۔ ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے اس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے السلام علیکم کہے، اس کے بعد کہے کیا میں آ سکتا ہوں، اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اس کو اجازت نہ دو۔ بلکہ اس کو بتا دو کہ پہلے السلام علیکم کا دعائیہ

کلمہ کہے کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اخوت اور ملی رشتہ کا اظہار کرے، اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

عن قيس بن سعد قال زارنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في منزلنا فقال السلام عليكم ورحمة الله، فرد ابي ردا خفيا، فقلت الا تأذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ذره حتى يكثر علينا السلام فقال صلى الله عليه وسلم "السلام عليكم ورحمة الله" فرد سعد ردا خفيا ثم قال صلى الله عليه وسلم "السلام عليكم ورحمة الله" ثم رجع، فاتبعه سعد فقال يا رسول الله اني كنت اسمع تسليمك وارد عليك ردا خفيا لتكثر علينا من السلام، فانصرف معه النبي صلى الله عليه وسلم وامر له سعد بغسل فاغتسل ثم ناوله ملحفة مصبوغة بزعفران او ورس، فاشتمل بها، ثم رفع يديه وهو يقول "اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على آل سعد، ثم اصاب صلى الله عليه وسلم من الطعام، فلما اراد الانصراف قرب له سعد حمارا قد وطا عليه بقطيفة فقال لي سعد اصحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فصحبته فقال لي اركب معي فابيت فقال اما ان تركب واما ان تنصرف فانصرفت. (رواه ابوداؤد)

حضرت سعد بن عبادہؓ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ایک دن) ہمارے گھر پر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (قاعدے کے مطابق باہر سے) فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"۔ تو میرے والد (سعد بن عبادہؓ) نے (بجائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا آواز سے جواب دیتے اور اندر تشریف لے آنے کے لئے عرض کرتے) بہت ہلکی آواز سے (کہ حضور سن نہ سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر تشریف لانے کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے؟ میرے والد نے فرمایا کہ ہو لو مت، ایسے ہی رہنے دو تا کہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"۔ حضرت سعدؓ نے پھر۔ اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا تو پھر (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"۔ (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ کی طرف سے کوئی جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے۔ تو حضرت سعدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعدؓ کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک چادر دی (جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی) جسے آپ نے "اشتمال" کے

طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی: "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی اٰلِ سَعْدٍ." (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں نازل فرما سعد کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا۔ جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو) واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو میں واپس لوٹ آیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے پاس ملاقات کے لئے جائے تو پہلے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے۔ اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا) جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کرنا پڑا (بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج شناسی کی بناء پر انہیں یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی گرانی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی۔ حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھوری گئی تھی اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. (رواه ابوداؤد)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ۔۔ یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے: "لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا " (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دے)

سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواہ الترمذی وابو داؤد)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ۔۔ ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اس سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اور یہ تکبر کی نشانی ہے، اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے، جس کے حق میں فرمایا گیا ہے۔ "بِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ." (وہ دوزخ متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے جذبے میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَجْلِسُ مَعَنَا فِى الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ ہم یہ نہ دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہو گئے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ۔ صحابہ کرام کو اس طریقہ عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند فرماتے تھے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہل مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہل مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لئے کھڑے ہونے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

نشست و برخاست کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی امت کو ہدایات دی ہیں اور اپنے طرز عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ (رواه الترمذي)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا، جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔ (رواه ابوداؤد)

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:... یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، الآية) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔ اور اگر خدانخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔ (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا۔ لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ

فَقَالَ اِنَّ ھٰذِہٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّھَا اللّٰہُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَیْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَیْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَہٗ وَوَضَعَ رَأْسَہٗ عَلٰی کَفِّہٖ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے، اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر آرام لے لیتے۔ (شرح السنۃ للبغوی)

تشریح ..... اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے، پھر اگر سفر سویرے سرِ شام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ابوقتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ایسے وقت اترتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ معمول تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے بالکل آخری حصہ میں اترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اور اس طرح گویا نماز فجر کا انتظار فرماتے تھے۔ اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر امت کو پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری امت کی طرف سے عطا فرمائے اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کُنَّا اِذَا اَتَیْنَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جَلَسَ اَحَدُنَا حَیْثُ یَنْتَھِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ اصول حدیث میں یہ بات مسلم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے صحابہ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے مطابق اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس بناء پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہاں بیٹھ جائے۔ ہاں صاحب مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیش نظر اس کو آگے بلا لے۔

عَنْ حُذَیْفَةَ مَلْعُوْنٌ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک نے اس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: شارحین نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک متکبر یا بے تمیز اور ادب سے ناآشنا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقے کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنا سامنا ہے، ایک آدمی آکر اس طرح حلقے کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بے ہودہ حرکت ہے۔ تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں ان کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ، فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ عِزِیْنَ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ (ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح:...... کسی چیز پر اظہار ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے: "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں" یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے اور نظر نہ آنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ جب اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب ل کر قریب سے بیٹھو۔ بعض دوسری حدیثوں میں نشاندہی فرمایا گیا ہے کہ اس سے ظاہری تفرق اور تشتت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

مجلس کے دیگر احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا خیال رکھا جائے، اور ظرافت و مزاح اور کسی بات پر ہنسنے پر چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو، اس کے احکام اور اپنے عمل اور رویے کے اخروی انجام کو پیش نظر رکھے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِيْ قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ اَوْ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ: اگر یہ شخص مختصر بات کرتا تو اس کے لئے بہت زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے" بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے مخاطب اکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر یا وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا اثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ.

(رواه فی شرح السنة وروى مالك والترمذی وابن ماجه نحوه)

بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے۔ اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ (شرح السنۃ للبغوی)

اور ایسی ہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

تشریح: ... حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پرواہ ہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا دے، اور (خدا نخواستہ) ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اس کی رضا و رحمت الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچا دے۔

کسی کی تعریف کرنا دراصل اس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اس آدمی میں اعجاب نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زمانہ ہمارے دینی حلقوں میں بھی

بڑی بے پروائی برتی جا رہی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ. (رواہ مسلم)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم "مداحین" (بہت زیادہ تعریف کرنے والوں) کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...اس حدیث میں "مداحین" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ ورانہ طور پر ان کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور ان کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منہ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہار ناراضگی کے طور پر ان کے منہ پر حقیقۃً خاک ڈال دو۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کسی قسم کا انعام و اکرام کچھ نہ دو گویا "منہ پر خاک ڈالنے" کا مطلب انہیں کچھ نہ دینا اور محروم و نامراد واپس کر دینا ہے اور بلاشبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منہ میں خاک! گویا یہ کہنا ہی ان کے منہ میں خاک ڈالنا ہے۔ حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری۔ زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندۂ خدا کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ عجب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ ان شاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض دوسرے صحابیوں کی جو مدح و تعریف بھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر و سخن

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر و شاعری عام تھی اور شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔ سورۂ یٰسین شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ. (یٰس۔ ۳۶:۶۹)

ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔

علاوہ ازیں جس قسم کی شعر و شاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت و کردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (الشعراء ۲۶ ۲۲۴-۲۲۶)

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بدچلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

بعض صحابہ نے شعر و شاعری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابل مذمت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر برا ہے تو وہ برا ہے۔ اور بعض موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ "أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ". (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: "الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل" (آگاہ ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ... یہ لبید زمانہ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مصرعہ "أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" کو شعری دنیا کا سب سے سچا کلمہ اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"۔ اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے۔ "وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ"۔ (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہونے والی ہے۔)

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انہوں نے اپنے دور جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ "يَكْفِيْنِي الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی (فتح الباری ص ۲۴۹ ج ۱۵) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ظرافت و مزاح

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش گن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا ناگوار اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثار خادموں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پوری طرح (کھل کھلاتے) ہنستا ہوا نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح:... بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کو "ضحک" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی یعنی مسکرانا، البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے "ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ" (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَأْخُذُوْنَ فِيْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے، پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اسی اثناء میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ زمانہ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں خوب ہنستے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس مسکراتے رہتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بھی زمانہ جاہلیت کی ایسی لغویات و خرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ" (یعنی اس سلسلہ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ وَالْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ أَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ.

ہاں۔ بے شک! وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔ (یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مردہ کر دیتا ہے) اور بلال بن سعد کا بیان ہے:

أَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا.

میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

چھینکنے اور جمائی کے احکام

چھینکنا اور جمائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْیَقُلْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَلْیَقُلْ یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہئے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے۔ اور اس کا جو بھائی (یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے "یَرْحَمُکَ اللّٰهُ" (تم پر اللہ کی رحمت) اور جب یہ بھائی "یَرْحَمُکَ اللّٰهُ" (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہئے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ) کہے "یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)۔ (بخاری)

تشریح۔۔۔ چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے بخارات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لئے صحت واعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ اسی لئے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جس کو چھینک آئے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے "یَرْحَمُکَ اللّٰهُ" (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا اس دعا دینے والے بھائی کو کہے "یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ"۔

ذرا غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم وہدایت نے ایک چھینک کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنا دیا۔

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَیْسَ هٰکَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ. (رواہ الترمذی)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انہوں نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا تعلیم فرمایا ہے، اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد

سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص موقعوں کے لئے ذکر یا دعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرنا چاہئے اگرچہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِکْ بِیَدِہٖ عَلٰی فِیْہِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کرلے، کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بدنما انداز میں کھل جاتا ہے اور ہا ہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر ایک بدنما ہیئت ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کر لینا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور چہرہ کی ہیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی۔ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہو سکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۲۰۰ ج۲ آداب الصحبۃ)

کھانے پینے کے احکام و آداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و روایات دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ ایک وہ جن میں ماکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے، دوسرے وہ جن میں خورد و نوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے، یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں، اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے، نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" (سورۂ اعراف رکوع ۱۹) (یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی اور پاکیزہ چیزوں (الطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (الْخَبَائِث) کو حرام قرار دیتے ہیں)

قرآن و حدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے ان میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں، اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

میتہ یعنی وہ جانور جو اپنی موت مر چکا ہو، خون یعنی وہ بہتا خون جو رگوں سے نکلا ہو، خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو (وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ) یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے، حالانکہ پچھلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اور بار بار ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

میتہ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اس سے گھن کرتی ہے، اور طبی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے کیونکہ جیسا کہ اطباء نے کہا ہے حرارت غریزیہ کے ختم ہو جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں سمیت کا اثر آ جاتا ہے۔

خون کا بھی یہی حال ہے کہ فطرت سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی اور شریعت میں اس کو قطعاً ناپاک و نجس بھی قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب و جلال نے بعض سخت مجرم و بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث و ملعون ہیں اور خدا کی لعنت و غضب کا مظہر ہیں، اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ البتہ چونکہ بندر کو عاماً

دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے اسلئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے کہ بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنا لیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت تاکید سے اعلان فرمایا گیا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (ویقتل الخنزیر) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ ان کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں "فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اس لئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکملہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے پرندے کے کھانے سے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ نکیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں "ناب" اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بے چارے شکار کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو ذی مخلب یعنی پنجے سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا ہے یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهِرَّةِ وَأَكْلِ ثَمَنِهَا. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد و ترمذی)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز

اس حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے علماء اور شارحین کے نزدیک اس کی ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها. (رواه الترمذي)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: . . کبھی کبھی بعض جانور اونٹ، گائے، بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے، اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ کھانے پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ ان کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہوگا۔ اب وہ گوشت اور دودھ "جلالہ" کا نہیں رہا۔

عن ابن عباس وأبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نهى عن شريطة الشيطان زاد ابن عيسى وهي الذبيحة يقطع منها الجلد ولا تفرى الأوداج ثم تترك حتى تموت. (رواه أبو داود)

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا "شریطہ شیطان" کے کھانے سے حدیث کے راوی ابن عیسیٰ نے (لفظ "شریطہ شیطان" کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کے اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو "شریطہ شیطان" کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں شیطان کا عمل کیا ہوا گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

عن عبد الرحمن بن شبل أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم نهى عن أكل لحم الضب. (رواه أبو داود)

عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: . اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانا ناجائز نہیں ہے اسی بناء پر دوسرے اکثر آئمہ نے اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

عن ابن أبي أوفى قال غزونا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سبع غزوات كنا نأكل معه الجراد. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سات

غزوے کئے ہیں (یعنی سات غزوں میں ہمیں آپ کی معیت اور رفاقت نصیب ہوئی ہے) ہم ان غزوں میں آپ کے ساتھ رہ کر ٹڈیاں بھی کھاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ... سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَكْثَرُ جُنُودِ اللهِ لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ." (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں ان کو خود تو نہیں کھاتا لیکن ان کو حرام نہیں کرتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں، لوگ ان کو کھا سکتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ٹڈی نہیں کھاتے تھے۔ اسی کی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں ٹڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے۔ اس مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایت میں "معہ" کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں "كُنَّا نَأْكُلُ الْجَرَادَ"۔ واللہ اعلم۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُو عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوعًا شَدِيدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللهُ إِلَيْكُمْ وَأَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْهُ فَأَكَلَهُ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں "جَيْشُ الْخَبَطِ" کے جہاد میں شریک تھا اور ابوعبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہو گئے، تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی جو مری ہوئی تھی ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا، ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینہ تک کھایا، پھر ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (یعنی پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا، پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، اللہ تعالیٰ کا عطیہ (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ (جابر کہتے ہیں کہ) ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ... اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک جہادی مہم کا واقعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ کو بنایا گیا تھا، پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابوعبیدہ کو دی تھیں، اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا، ابوداؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس بورے میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے، اور یہ اللہ کے

سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے، خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منہ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے، بس یہی دن بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھاڑ کے اور انہیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے، اس سے ہمارے منہ زخمی ہو گئے اور سوج گئے، اس لشکر کو "جیش الخبط" کے نام سے اسی لئے یاد کیا جاتا ہے۔ خبط کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابرؓ ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارے سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی سی نظر پڑی، قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے، حضرت ابوعبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا، بعد میں انہوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کے لئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں، اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے، پھر اس بارے میں انہیں شرح صدر ہو گیا تو انہوں نے لشکر کو اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا۔ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینے کے قریب اسی علاقہ میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراوانی سے کھائی جاتی رہی، اس کے بعد واپسی ہوئی اور تقریباً آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے، ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا، تو جن روایات میں آدھے مہینے تک کھائے جانے کا ذکر ہے ان میں صرف سفر واپسی سے پہلے دنوں کا ذکر کیا گیا ہے، جبکہ پورا لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا، اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا ان میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے، کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے تھوڑا بہت کچھ استعمال کیا جاتا رہا۔ واللہ اعلم۔

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابوعبیدہ کے شک وشبہ کا ذکر آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر کہ "كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ" اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے نکلوایا تھا، ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہئے۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے اور اس عطیہ ربانی کی قدر دانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا: "وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ." (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی، جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب وغریب مخلوق معلوم ہوتی ہو گی حلال طیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اسی مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِىْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ. (رواہ الترمذی)

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارے میں سوال کیا (کہ جائز ہے یا ناجائز؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے۔ تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہو گئے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... یہ ہلب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ہاں کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بارے میں تمہارے دل میں کوئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہئے یعنی ہماری شریعت میں ان کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔ قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ "وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ" (سورۃ مائدہ ۵:۵) (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے۔ اگر تم وہی طریقہ اپناتے ہو تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو۔ ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کھانا کھانے کے آداب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

اے بچے! بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ عمرو بن ابی سلمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ ربیب ہیں جو اپنی والدہ حضرت ام سلمہ (ام المومنین) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور پھر آپ ہی کی پرورش و تربیت میں رہے تھے (ایسے بچے کو جو ماں کے ساتھ آ کر دوسرے باپ کی پرورش میں رہے عربی زبان میں "ربیب" کہتے ہیں) ان کے والد محترم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تو ان کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لئے ان سے نکاح کر کے ازواج مطہرات میں شامل اور حرم میں داخل فرما لیا تھا۔ اس وقت سے یہ بھی منجملہ ازواج مطہرات وامہات المومنین ہو گئیں اور ان کے صاحبزادے عمرو بن ابی سلمہ آپ کے پروردہ ربیب ہو گئے۔

کسی دن کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ یہ صاحبزادے عمرو بن ابی سلمہ بھی دسترخوان پر تھے۔ انہوں نے بچوں کی عادت کے مطابق فوراً ہی کھانے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ تو آپ نے انہیں مخاطب فرما کر کھانے کے یہ تین آداب تعلیم فرمائے اور ارشاد فرمایا: اے بچے! کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ یعنی "بسم اللہ" کر کے کھانا کھاؤ۔ کیونکہ کھانے پینے کا مسنون طریقہ یہی ہے۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ کیونکہ بایاں ہاتھ تو نجاست و گندگی کی صفائی میں کام آتا ہے۔ اسی سے استنجا کیا جاتا ہے اور ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ شیطان اور کافروں کی مشابہت اور ان کا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ تم میں سے کوئی جب کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پانی پئے (یا کوئی اور پینے کی چیز شربت، دودھ، چائے وغیرہ پئے) تو داہنے ہاتھ سے پئے،

کیونکہ بائیں ہاتھ سے تو شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم شریف)۔ (احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ بہت سے مسلمان سنت کو نظر انداز کر کے فیشن پر عمل کرتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے پانی یا چائے وغیرہ پیتے ہیں جو قابل ترک ہے۔)

حدیث زیر درس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ سے یہ فرمانا کہ اپنے سامنے اور قریب سے کھاؤ تو اس رعایت و مصلحت پر مبنی ہے کہ دستر خوان پر شریک دوسرے کھانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اگر تم ان کے سامنے سے کھانے لگو گے تو انہیں اس سے ناگواری ہوگی (چاہے وہ زبان سے نہ بھی کہیں مگر دل میں ضرور ناگواری و تکلیف محسوس کریں گے۔)

اس ارشاد گرامی میں معاشرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کی جائے جس سے اخوت باہم اور دوستی و محبت کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اور نفرت و عداوت پیدا ہوتی ہو۔

مشروبات کے احکام

کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شریعت کا بنیادی اصول وہی ہے جسے قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ." (اس بناء پر مشروبات میں بھی جو طیبات ہیں یعنی پاکیزہ اور مرغوب و خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ، پھلوں کا رس، اچھے سے اچھے شربت، نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے برعکس جو مشروبات "خبیث" اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض ان چیزوں کی حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض حلقے کھاتے تھے جیسے کہ مردار جانور اور خنزیر وغیرہ، اسی طرح مشروبات میں خصوصیت شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسکے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

شراب کے حرام قرار دیئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے جوہر عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفت الٰہی کا وسیلہ ہے، ان حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے جن کو ان کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے، علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے بڑے دنگے اور خطرناک فسادات برپا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست مصلحوں اور روحانیت پسندوں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے سے عربوں میں خاص کر اہل مدینہ میں شراب کا بے حد رواج تھا، گھر گھر شراب بنتی تھی اور پی جاتی تھی، اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں، اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی

حاصل تھا وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جوئے کا بھی تھا وہاں جوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ مند اور دریا دل لوگ ہی وہ جوا کھیلتے تھے اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غربا اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے۔ اس لئے جوا بھی امیروں کا ایک معزز کھیل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ بہرحال شراب کا چونکہ وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارے میں ابتداء تو نرم تدریجی رویہ اختیار کیا گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکلخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے، چنانچہ جب یہ بات پیدا ہو گئی تو وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَشْرَبُوْنَهَا وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ فَسَاَلُوْهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ الْاٰیَة" فَقَالَ النَّاسُ مَا حُرِّمَ عَلَیْنَا وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ صَلّٰی رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِیْنَ بِاَصْحَابِهٖ وَخَلَطَ فِیْ قِرَاءَتِهٖ فَنَزَلَتْ اٰیَةٌ اَغْلَظُ مِنْهَا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی۔ الاٰیة" وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی نَزَلَتْ اَغْلَظُ مِنْهَا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ۔ الاٰیة۔" قَالُوْا انْتَهَیْنَا رَبَّنَا فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللہِ نَاسٌ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَوْ مَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ کَانُوْا یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللہُ رِجْسًا مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَنَزَلَ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا۔ الاٰیة۔" (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت (تدریجاً) تین دفعہ میں کی گئی ہے (جس کی تفصیل یہ ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے تو ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا (کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اسلام کی عام تعلیمات اور اس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ بہرحال) (ان کے اس سوال کے جواب میں (سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔)

شراب کی حرمت

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا

اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ بہت اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انہوں نے قرأت میں گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

اے ایمان والو! ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو تاوقتیکہ (تمہیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے اس کا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو خداوند کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ.

اے ایمان والو! بلاشبہ یہ شراب اور جوا اور بت پانسے (جو ایک خاص قسم کے جوئے میں مستعمل ہوتے تھے، یہ سب چیزیں) گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں لہٰذا ان سے بالکل پرہیز کرو پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (جو تم کو تباہ کر دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز جیسی نعمت سے (جو بارگاہ خداوندی کی حضوری ہے) تم کو روک دے تو کیا تم (شراب اور جوئے وغیرہ سے) باز آؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا "انتہینا ربنا" (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) پھر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو راہ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (مر مرا کر) انتقال کر چکے ہیں، اور وہ شراب پیا کرتے اور جوا کھیلا کرتے تھے۔ یہ مال کیا ہو مال کھایا کرتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہ خدا میں شہید ہو گئے تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟) تو اس کے جواب میں بعد والی آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الاٰية

ان صاحب ایمان اور نیکوکار بندوں پر کوئی گناہ (اور مواخذہ) نہیں ہے ان کے کھانے پینے پر، جبکہ ان کا حال یہ ہو کہ وہ خدا سے ڈر کر پرہیز گاری کی زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مانتے ہوں اور اعمال صالحہ کرتے ہوں۔ الخ (مترجم)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم عَنْهُ وَقُلْتُ اِنَّهٗ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورۂ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جس میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھا لیا جائے۔ اور حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لئے جو ان کی سرپرستی میں تھے ان ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی، انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اهرق الخمر واكسر الدنان" یعنی شراب کو بہا دو، پھینک دو اور جن مٹکوں میں وہ ہے ان کو بھی توڑ دو۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه و آله وسلم عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهٗ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و آله وسلم اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ..... اِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جس کو "مزر" کہا جاتا تھا اور وہ چینا سے بنتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے، (مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طِيْنَةُ الْخَبَال" ضرور پلائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "طِيْنَةُ الْخَبَال" کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ یا فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... یعنی راوی کو شک ہے کہ "طِيْنَةُ الْخَبَال" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

"غُرْفَةُ اَھْلِ النَّارِ" فرمایا تھا یا "عُصَارَۃُ اَھْلِ النَّارِ" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" بہرحال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں "طینۃ الخبال" ضرور پلائے گا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ وَحَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِیْ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِیْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَهَا وَلَا یَتْرُکُهَا مِنْ مَخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنْ حِیَاضِ الْقُدُسِ. (رواہ احمد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا، اور میرے رب عزوجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو و پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کے شراب طہور سے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں۔ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانہ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا، اور معازف و مزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا ... معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک طبلہ ستار سارنگی وغیرہ، اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو و لعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی کامیابی ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان میں دوسری خرافات کے علاوہ معازف و مزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق و فجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا۔ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان کے بزرگان دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور ان شراب پینے والوں کے بارے میں اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ان بندوں

میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے قدسی حوضوں کی شراب طہور سے انہیں سیراب فرمائے۔

عَنْ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح بعض قرائن کی بناء پر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) شراب کے بارے میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا، اور اس سلسلہ میں بعض ان چیزوں کو بھی منع فرما دیا تھا جن کی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اس بناء پر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو معتمد اور حاذق طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدر ضرورت استعمال کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دس آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور خود پینے کے واسطے نچوڑنے والے پر، اور اس کے پینے والے پر اور ساقی یعنی پلانے والے پر اور اس پر جو شراب کو لے کر جائے اور اس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ ور تحفہ میں شراب دے اور اس پر جو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محرومی کی بددعا۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے، خواہ اس کا بنانے والا یا بنوانے والا ہو، یا پینے والا یا پلانے والا ہو، یا خریدنے والا ہو یا بیچنے والا ہو۔ کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہنچانے والا ہو، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات نے صحابہ کرام کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنا دیا تھا

اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے، ایک دفعہ ان میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اس محافظ نے جو ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے ان کی طرف سے مقرر تھا (اور ان کا معتمد ملازم تھا) ان کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کر لوں؟ حضرت نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

اِذَا جَاءَكَ كِتَابِيْ فَاعْتَزِلْ ضَيْعَتِيْ فَوَاللهِ لَا اٰتَمِنُكَ عَلٰى شَيْءٍ بَعْدَهٗ اَبَدًا (رواہ النسائی صاحب جمع الفوائد عن ے ے ے د ح)

(جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمین اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔)

بہر حال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بناء پر الگ اور ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جا سکتی ہے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعت اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سخت رویہ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پئیں گے اور اپنے بچاؤ کے لئے بطور حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں گے اور نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے۔ حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا۔ اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جرم ہوگا۔

عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِيَ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (از راہ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

ماقبل میں آیات کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پرانی عادت بھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُنْبَذَ فِيْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دُبا یا حنتم یا

مزفت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے اور حکم دیا کہ اب چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... کھجور یا منقی یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آ جائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ عربوں میں بھی اس کا رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ دباء کدو کی تونبی ہوتی تھی، حنتم اور مزفت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا۔ بہر حال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے، جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرما دیا۔ غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر دل میں اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں۔ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اندیشہ باقی نہ رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر اس کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهٰی عَنْ خَلِیْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ اِنْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدَةٍ عَلٰحِدَةٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) پکی خشک کھجوروں اور آدھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے اور پکی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالباً یہ حکم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کی تربیت کے لئے اس بارے میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیئے گئے تھے۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی میں ساتھ ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوش فرماتے تھے۔

نبیذ حلال ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُنْبَذُ لَهٗ زَبِيْبٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ

تَمْرٌ اَوْ تَمْرٌ فَیُلْقِیْ فِیْهِ زَبِیْبٌ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خشک انگوروں سے نبیذ تیار کی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں، یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرما لیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت نوش فرما لیتے تھے۔

کھانے پینے کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لئے اشیاء خورد و نوش کے بارے میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر نفس، مادی عمل ہے اور نفس حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، روحانی اور نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعث برکت ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھونا باعث برکت ہے۔ (جامع ترمذی، ابو داؤد)

تشریح۔۔ قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آئی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آداب طعام کے سلسلے میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھو لینے (یعنی کلی کر لینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ یہ بھی باعث برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش

ہو اور جمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر و اطاعت کی توفیق ملے۔ دراصل یہ اس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دافع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔" اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اصول صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے۔

(ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے، مگر بالفرض ہاتھ نہ لگے مثلاً چمچہ ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا)

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے "وضو" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے، بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے۔ بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَلَمْ نَزِدْ عَلَى أَنْ مَسَحْنَا أَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لا کر پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح۔ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اصحاب کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات ظاہر کرنے کے لئے (کہ کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھونا کوئی فرض و واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے) یہ عمل کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کیلئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا۔ صحابہ کرام بھی نماز کیلئے مسجد میں آچکے تھے اس وقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب

بھی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھا لیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرما لیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے پیٹ بھر کر تو کھایا نہ ہوگا تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا، اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جاسکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللهَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے "بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ." (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح..... ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعث برکت ہے، اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے، اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کرلے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت و فائدہ حاصل کرسکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربانی اور نورانی عمل بن جاتا ہے۔ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آجائے اسی وقت بندہ کہہ لے "بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ" (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، شروع میں بھی اور آخر میں بھی)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کر لیتا ہے (یعنی اس کیلئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے

کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، اگرچہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چل دو یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے۔ اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آکر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آ جاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ بھی ہے اور راشن کھانا بھی۔

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور ان کے افعال وصفات ان امور غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ خود خدا کی ذات وصفات کا حال بھی یہی ہے مومن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان پر اعتماد کرے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِىْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَكَانَتْ يَدِىْ تَطِيْشُ فِى الصَّحْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... ابو سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور سابقین اولین میں سے تھے، ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مومنہ تھیں، حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے ۳ ھ یا ۴ ھ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوہ ام سلمہ سے ان کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا، ان کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں آ گئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپنے میں اس زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتلایا اور سکھلایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا

مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّيَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ. (رواہ الدارمی)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب ثرید پکا کر ان کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرز عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کر کے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح ...... ثرید ایک معروف و مرغوب کھانا ہے، جس کا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ رواج تھا، ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔ اس روایت میں اگرچہ خاص ثرید کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجب برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اصول طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے اس میں برکت ہے۔ (کنز العمال ص ۱۰۳، ج ۸)

عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت وحشی (۱) ابن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں، الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ کر کے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو، پھر تمہارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی۔) (سنن ابی داؤد)

(۱)۔ (یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنہوں نے غزوہ احد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب و محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتل سیدنا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے اور یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرا دے۔ ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسیلمہ انہی کے نیزہ کا

نشانہ بنا، ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔)

عن جابر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعة وطعام الاربعة یکفی الثمانیه (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو، جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے۔ یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھا لیں اور اچھی طرح کھا لیں، اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وآله وسلم اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّهِ الْبَرَكَةُ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کر لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جزء میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی خاصیت رکھی ہے، اس لئے کھانے کے جو اجزاء انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر صاف کر لیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کر لیا جائے۔ اس میں اللہ کے رزق کی قدر دانی بھی ہے اور رب کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ پروردگار! تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وآله وسلم یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَاْنِهٖ حَتّٰی یَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْیُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًی ثُمَّ لِیَاْكُلْهَا وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْیَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ فِیْ اَیِّ طَعَامِهٖ یَكُوْنُ الْبَرَكَةُ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ "تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی" شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو صاف کر کے کھا لے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے۔ پھر

جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے، بلکہ ضرورت مند اور قدر دان بندہ کی طرح اس کو اٹھا لے اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھا لے۔ اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کبھی ان کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا، جس طرح ہم اس دنیا کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں آئے، ان کے لئے کھانا لایا گیا، وہ کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا، انہوں نے اس کو اٹھا لینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دور ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انہیں اس پر تعجب ہوا، اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جدوجہد کر کے (آخر کار) اس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنا لیا۔ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنی شیطان مسلط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا، میں اس کے پاس پہنچا، مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا۔ تو میں نے اس کے ہاتھ سے اچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے۔ ایک گاجر ان میں سے گر گئی، ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اٹھا کر اس کو کھا لیا، تھوڑی ہی دیر بعد اس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اٹھا، پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجر اٹھا کر کھا لی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور ان کے افعال و تصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیلے سے نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ

فَاِنَّ فِيْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهٗ يَتَّقِيْ بِجَنَاحِهِ الَّذِيْ فِيْهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهٗ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو، کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو (دفع کر کے) شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے، (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح…… یہ ان حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں، حالانکہ اگر فطرت کے اسرار و حکمت کے اصولوں اور تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف قیاس یا مستبعد ہو، بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی بات ہے۔

یہ ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضاء کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتاً کمزور اور کم کام دینے والا ہو (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ)

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اعلیٰ و اشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادے سے محفوظ اور نسبتاً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے۔ انہوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ ہو تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفاء کا مادہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعلیم بالکل اصول حکمت کے مطابق ہے۔ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے، اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو، بلکہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ماخوذ حجۃ اللہ البالغہ)

عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا. (رواہ البخاری)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح…… ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے، حدیث پاک کا مطلب

یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا، میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔

کنز العمال میں مسند ابو یعلیٰ اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ.

میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون دیگر صحابہ کرامؓ کی روایت کا بھی ہے۔ ان سب احادیث و روایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تھی، اور جو بندہ کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور (اس کا عطیہ ہے اور وہ رب کریم حاضر و ناظر ہے اور میں اس کے سامنے اس کی نگاہ میں ہوں تو وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ ...... قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَأْكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ. (رواہ بخاری)

حضرت قتادہ نے رسول اللہ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی طشتریوں پیالیوں میں کھایا اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ سے پوچھا گیا تو پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ دستر خوان پر۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... خوان (جس کا ترجمہ خوان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (مترفین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دستر خوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح امیر لوگوں کے دستر خوان پر سکرجہ یعنی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ خود صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہو گئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب و مدعا بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں نہایت سادگی اور بندگی کی شان ہوتی تھی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی طشتریوں اور پیالیوں میں کھایا، نہ کبھی خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے گھر میں چپاتیاں پکائی گئیں۔

پینے کے آداب

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا. (رواہ البخاری ومسلم) (وزاد مسلم ويقول إنه أروى وأبرأ وأمرأ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ (بخاری)

(اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوشگوار ہے۔)

تشریح اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بنا پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ نامناسب اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله و سلم اَنَّهُ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (رواه مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم)

تشریح بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہوگا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان جواز کے لئے کیا ہوگا۔ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و اولیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس وقت یہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

لباس کے احکام و آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح ہدایات دیں۔

اس باب میں آپ کی تعلیمات و ہدایات کی اساس و بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ. (الاعراف، ع ۳)

اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے کپڑے عطا کئے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو اور جو آرائش کا سامان اور تقوے والا لباس تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے: "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر و نعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سلسلے کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ اور بے تکا ہو کہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و توحش پیدا ہو۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذا شان و شوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو۔ جو مقامِ عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے، اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں۔ بلاشبہ ان احکام و ہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ اَنْ يَّمْشِىَ فِىْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَّاَنْ يَّشْتَمِلَ "الصَّمَّاءَ" اَوْ يَحْتَبِىَ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے، یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے، مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس کو "اِشْتِمَالِ صَمَّاء" کہا جاتا تھا، اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سرین زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی کیونکہ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو "احتباء" کہتے تھے، اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے وہ معذور ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِىْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ اَنْ يُرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح . اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستر اور حجاب شریعت کے دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہیں آ سکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے موطا میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں تو حضرت صدیقہ نے اس کو اتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی اوڑھنی اڑھادی۔ ظاہر ہے حضرت صدیقہؓ کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه واله وسلم مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح . حدیث میں "ثوب شہرت" سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہنچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کیلئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہوگا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض صورتوں میں موجب اجر و ثواب ہوگا۔ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہ ہوگا کہ کسی کے لباس کو نمود و نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر

اعتراض کریں بس اپنے دل، اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے۔ گویا اپنے دل کے تکبر اور احساس برتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اسی وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ اِزْرَۃُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ لَا جُنَاحَ عَلَیْہِ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَفِی النَّارِ قَالَ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ مومن بندے کے لئے ازار یعنی تہبند کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: ان حدیثوں میں فخر و غرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے اس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہ رحم و کرم کا محتاج اور آرزومند ہوگا وہ اس کی نگاہ رحمت سے محروم رہیں گے، اللہ تعالیٰ اس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا، ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ اللّٰھم احفظنا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو، اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر و غرور کا جذبہ ہو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے) ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں اور

سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عتاب تھا اسی حدیث کی بنا پر مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض نے مکروہ۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت ناراضی و ناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ۔

اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اس پر اس کا اثر نظر آئے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یا نمائش کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا صرف طبیعت کے گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کو اس طرح رہنا چاہئے کہ دیکھنے والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ بھی شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَّلَا مَخِيْلَةٌ۔ (رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اجازت ہے خوب کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و اختیار نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح ... کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال چیزوں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے اور دل میں تفاخر اور اختیار نہ ہو۔ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ

"كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَّمَخِيْلَةٌ

جو کچھ چاہے کھاؤ اور جو کچھ چاہے پہنو (جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں ایک اسراف اور دوسرے اختیار و تفاخر۔

اس باب میں یہی بنیادی اصول اور ضابطہ ہے۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے اجتناب

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال رأى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی

ثوبین معصفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھما۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔ (مسلم)

فائدہ: ایسا کپڑا مرد کے لئے خود بھی حرام ہے مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی معلوم ہوا کہ اس وجہ میں بھی اثر ہے پس یہ وجہ جہاں بھی پائی جاوے گی یہی حکم ہوگا۔

رکانہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق ہے عماموں کا ٹوپیوں پر۔ (ترمذی)

فائدہ: مرقاۃ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ہم عمامہ ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔ اھ

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی شباہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔ (احمد و ابوداؤد) فائدہ: یعنی اگر کفار و فساق کی وضع بناوے گا وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا۔

ابی ریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے یعنی) اور اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر لگاوے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے۔ (ابوداؤد و نسائی)

فائدہ: اس میں بھی وہی تقریر ہے جو (نمبر ۲) میں گذری۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں۔ (بخاری)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کی وضع کا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی جو مرد کی وضع کا لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

ابن ابی ملیکہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ ایک عورت (مردانہ) جوتا پہنتی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: آج کل عورتوں میں اس کا بہت رواج ہوگیا اور بعضی تو انگریزی جوتہ پہنتی ہیں جس سے دو گناہ ہوتے ہیں۔ ایک مردوں کی وضع کا دوسرا غیر قوم کی وضع کا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کرے اللہ تعالیٰ بال میں بال ملانے والی کو اور ملوانے والی کو (جس سے غرض دھوکہ دینا ہو کہ دیکھنے والوں کو لانبے معلوم ہوں) اور گودنے والی کو اور گدوانے والی کو۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔

حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے (حجاج اس وقت بچے تھے کہتے ہیں کہ) میری بہن مغیرہ نے مجھ سے قصہ بیان کیا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو کیونکہ یہ وضع یہود کی ہے۔ (ابوداؤد)

عامر بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے

کے سبیلوں کو اور یہود کے مشابہت ہو (وہ سبیلے کھینچے ہوتے تھے)۔ (ترمذی)

فائدہ: جب گھر سے باہر کے سبیلوں کو صاف رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب نا جائز ہے تو خود اپنے بدن کے نفس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں اور (یہ) دیہاتی اس کو عشاء کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشاء مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں کیونکہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے) اس لئے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلا ضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ چاہئے جو دین سے واقف نہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارسی کمان تھی آپ نے فرمایا اس کو پھینک دو اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس کو لو جو اس کے مشابہ ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: فارسی کمان کا بدل عربی کمان تھی جسے اس کے استعمال سے منع فرمایا معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہئے جیسے کانٹی چمچ کے برتن بعض جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں پڑھو (یعنی صحیح اور بلا تکلف اور اپنے کو اہل عشق کے لہجے سے اور دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے لہجے سے بچاؤ۔ (بیہقی و رزین)

فائدہ: معلوم ہوا کہ پڑھنے میں بھی غیر قوموں اور بے شرع لوگوں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔

ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ام سعد دختر ابو جہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی اور مردوں کی چال سے چل رہی تھی۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ کون ہے میں نے کہا کہ یہ ام سعد دختر ابو جہل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے۔ (جمع ترغیب از احمد و طبرانی واسناد ہما)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھاوے وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ کی ذمہ داری ہے اور اس کے رسول کی سو تم لوگ اللہ کی ذمہ داری میں خیانت مت کرو (یعنی اس کے اسلامی حقوق ضائع مت کرو)۔ (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی جن چیزوں کو مسلمانوں کے ساتھ خاص تعلق ہے ان کا کھانا بھی نماز وغیرہ کی طرح علامت ہے اسلام کی ہو جیسے آدمی جو گائے کا گوشت بلا عذر کسی کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں اس کا ناپسند ہونا اس سے معلوم ہوا (ویزیدہ شان نزول قولہ تعالیٰ یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (البقرہ آیت ۲۰۸) غرض ہر بات میں اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہئے دین کی باتوں میں بھی اور دنیا کی باتوں میں بھی۔ چنانچہ

عبداللہ بن عمرؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب فرقے دوزخ میں جاویں گے بجز ایک ملت کے۔ لوگوں نے عرض کیا اور وہ فرقہ کونسا ہے (جو دوزخ سے

نجات پاوے گا؟ آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (ترمذی)

فائدہ: طریقہ سے مراد واجب طریقہ ہے جس کے خلاف دوزخ کا ڈر ہے اور آپ نے اس طریقہ میں کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں دین کی باتیں بھی آ گئیں اور دنیا کی بھی۔ البتہ کسی چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ ہونا اور اس کا واجب ہونا کبھی قول سے معلوم ہوتا ہے کبھی فعل سے کبھی نص یعنی (صاف عبارت) سے کبھی (اجتہاد اور) اشارہ سے جس کو صرف عالم لوگ سمجھ سکتے ہیں عام لوگوں کو ان کے اتباع سے چارہ نہیں اور بدوں ان کے اتباع کے غیر عالم لوگوں کا دین نہیں بچ سکتا۔

ختم کلام: جس قسم کے اعمال کی فہرست کو دیباچہ میں ذکر ہے ان میں اس وقت جن عمل کو سوچتا ہوں وہ ان ساتوں حصوں میں پاتا ہوں اجمالاً یا تفصیلاً۔ اس لئے رسالہ کو ختم کرتا ہوں البتہ اگر زیادہ کسی کے ذہن میں اور کوئی عمل آوے یا ان میں سے کسی حصہ کی تفصیل معلوم ہو وہ اس کا ضمیمہ بن سکتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے پہنچاتے رہو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ (بخاری)

ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کے احکام میں چالیس حدیثیں محفوظ کر کے میری امت پر پیش کر دے اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ کر کے اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ (بیہقی)

الحمد للہ کہ ان حصوں میں نوے سے زائد آیتوں کی اور غیر مکرر مرفوع تین سو چالیس سے زائد حدیثوں کی تبلیغ ہو گئی۔ اگر کوئی ان حصوں کو چھپوا کر تقسیم کرے یہ ثواب اس کو بھی ملے گا۔

امتیاز قومی

(یعنی اپنا لباس اپنی وضع اپنی بول چال اپنا برتاؤ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع و عادات بلا ضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے پھر ان میں بعضی چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیات نہ بھی رہے تب بھی ممنوع رہیں گی جیسے ڈاڑھی منڈانا یا حد سے باہر کترانا یا ٹخنوں سے نیچا پائجامہ یا تہبند پہننا کہ ہر حال میں ناجائز ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے یا اس کی برائی کرے تو پھر گناہ سے گذر کر کفر ہو جاوے گا۔ اور بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے جیسے انگرکھا یا اچکن پہننا۔ مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جاوے گا جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا یا انگریزی ٹوپی پہننا یا دھوتی باندھنا یا عورتوں کو لہنگا پہننا۔ پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا۔ اس کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا کہیں کم کہیں زیادہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا یا جنیو باندھ لینا یا ماتھے پر قشقہ لگا لینا یا بے پکارنا وغیرہ۔ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں نہ مذہبی وضع ہیں مگر ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا کوئی علاج دوا یا مختلف سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلیگراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزش جن کا

بدن ہماری قوم میں نہ ہو ان کا برتنا جائز ہے نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ۔ مگر ان جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔ گو کافروں کی وضع سے کم سہی بلکہ مرد کو عورت کی وضع اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے۔ پھر ان سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہوگا اگر ذرا تھوڑی بنائی اس سے کم ہوگا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے اسی طرح عقلی بھی ہے کیونکہ مرد کے لئے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی برا سمجھتا ہے حالانکہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو یا صالح و فاسق کا فرق ہو وہاں کافر و فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے۔ اب چند آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں۔ اور بعضی تبدیلی صورت کا متوارث ہے اور واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا ناخن ترشوانا بغل اور زیر ناف کے بال لینا اور بعضی تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈوا دینا یا کتروا دینا یا داڑھی کا جو حصہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو کتروا دینا اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے نہ کہ رواج سے کیونکہ اول تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف پھر وہ ہر زمانے میں بدلتا بھی رہتا ہے۔

۶۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال و احوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے۔ (ھود آیت ۱۱۳)

فائدہ: یقینی بات ہے کہ اپنی وضع و طریقہ چھوڑ کر دوسرے کی وضع اور طریقہ خوشی سے تب ہی اختیار کرتا ہے جب کہ طرف دل جھکے اور نافرمانوں کی طرف جھکنے پر دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ ایسی وضع اور طریقہ اختیار کرنا گناہ ہے۔

داڑھی اور سر کے بال

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم بِيَدِهِ كَاَنَّهُ يَاْمُرُهُ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهِ وَلِحْيَتِهِ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ كَاَنَّهُ شَيْطَانٌ. (رواہ مالک)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی مسجد میں آیا، اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکے) تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرائے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔ (موطا امام مالک)

تشریح ۔۔ اس حدیث سے ان اہل تقشف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن و تنوع سے بے پرواہ ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہئے اور صفائی، ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی ان کے نزدیک گویا دنیاداری کی بات ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ ہاں صورت و لباس وغیرہ کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول دبے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاج شریعت کے خلاف ہیں جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیث مذکور ہوئی جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل و صورت کی اصلاح اور سر اور داڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جیسا کہ ان کے مضمون سے ظاہر ہے ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنہوں نے اپنے حلیے بگاڑ رکھے تھے۔ آج بھی جن کا یہ حال ہو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنی چاہئے۔ ان کے برعکس جو لوگ اس بارے میں افراط میں مبتلا ہیں اور لباس اور ظاہری شکل و صورت کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھتے ہیں ان کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ ان حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

لباس میں خاکساری اور تواضع

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا. (رواه الترمذى)

معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اچھے لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہ تواضع و انکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے اس کو زیب تن کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ۔۔ یہ بشارت ان بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب نادار بندے کا دل ٹوٹے۔ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل محشر کے سامنے انہیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہل ایمان جنتیوں کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہوں گے فرمایا جائے گا کہ ان میں سے جو جوڑا چاہو لو اور استعمال کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے بارے میں ان حدود و احکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاقے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم میں رواج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے، اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بوجھل کپڑے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات و ہدایات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے، اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی و قومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے ان اصحاب صلاح و تقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباع سنت کا بدرجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔ در اصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو، یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے۔ اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بسہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کا تذکرہ ہے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهِ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا. (رواہ مسلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبہ نکال کر دکھایا اس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنوایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان اور جبہ کے آگے پیچھے جو کھلا ہوا ہوتا ہے اس پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماءؓ نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ مبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (ام المومنینؓ) کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح رومی جبہ استعمال فرمایا اسی طرح آپ

نے کسروانی جبہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہ فارس کسریٰ کی طرف کی جاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیباج کا حاشیہ بھی تھا، جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تصریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار انگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبہ کا حاشیہ اس حد کے اندر ہی ہوگا۔ دوسری خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرامؓ ہی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ ان کا غسالہ (دھوون کا پانی) شفا یابی کی امید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا ان پر چھڑکا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاِسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کرتا یا چادر تو اس کا نام لے کر اللہ تعالےٰ کے حضور میں کہتے کہ "اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کرتا یا چادر) خداوندا! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کی خیر اور جو اس کا مقصد ہے اس کی خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعث خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً یہ کہ پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اس سے میری حفاظت فرما۔)" (جامع ترمذی)

تشریح: کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور مختصر دعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ۔" (۱)

"اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا۔"

تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

انگشتری اور مُہر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَاتَمًا حَلْقَةً فِضَّةً نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

(وفی روایۃ للبخاری كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلٰثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ شاہ فارس کسریٰ اور شاہ روم قیصر اور شاہ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھائیں (اور ان کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمران

لوگ مہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی، اس میں نقش تھا:

"مُحَمَّد رَسُوْلُ اللّٰه" .... (صحیح مسلم)

(اور اسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مہر میں تین سطریں تھیں: ایک سطر میں "محمد" اور دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ")

تشریح... صحیح روایت سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٦ھ کے آخر میں سفر حدیبیہ سے واپسی کے بعد اس وقت کی دنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے۔ اسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر ہونا ضروری ہے، یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرما لیا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے۔ اس طرح نقشہ کی اللہ محمد رسول ۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی تھی۔

روایت میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی۔ گویا کبھی آپ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

داڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مونچھوں کو خوب باریک کرو اور داڑھیاں چھوڑو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح... دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ داڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے۔

(جیسا کہ ظاہر ہے داڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے۔ خود مغربی اقوام میں بھی جہاں داڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے) داڑھی کو قابل احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کاش ہم مسلمان محسوس کریں کہ داڑھی رکھنا ہمارے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے نبیوں رسولوں کی سنت اور ان کے طریقے سے وابستگی کی علامت ہے اور داڑھی منڈانا ان کے منکروں کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں صرف داڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ داڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کترایا جائے۔ لیکن امام ترمذی کی روایت سے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ریش

مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے۔ اور مذکورہ بالا حدیث "انھکوا الشوارب واعفوا اللحی" کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایات میں ہے کہ ان کی داڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ ان کو ترشوا دیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرز عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیر تشریح حدیث: "انھکوا الشوارب واعفوا اللحی" کا مطلب زور دار یہ ہوگا کہ داڑھی رکھی جائے، نہ منڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے۔

ہمارے فقہا نے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے۔ ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابہ کرام سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے، اس سے کم کرانا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِي فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے بیعت کر لیجئے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تم کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلو گی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ معلوم ہوتے ہیں۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح　یہ ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، اور اسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ انہوں نے بھی بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہند کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انہوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے، اور اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔

دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت و تعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطہ نظر معلوم ہو گیا ہے کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں، ظاہر ہے یہ چیز ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان محبت و قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

❀ ❀ ❀

چند متفرق احکام وآداب

گھر میں داخل ہونے کے آداب

عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت جب میری ماں وہاں ہو تب بھی اجازت طلب کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تو اس شخص نے عرض کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو اپنی ماں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں.... یہ نہیں کہ وہ علیحدہ گھر میں رہتی ہوں اور میں علیحدہ رہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر بھی تم اجازت مانگو پھر اس شخص نے عرض کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدمت کے لیے میرا بار بار گھر آنا جانا رہتا ہے اس پر بھی؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم اجازت لے کر اندر جاؤ! کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم کسی موقع پر اپنی ماں کو ننگی حالت میں دیکھو؟ سائل نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اجازت لو۔ (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذن چاہنا تین بار ہوتا ہے اس لیے اگر اجازت مل جائے تو اچھا ہے ورنہ لوٹ جاؤ.... (زاد المعاد)

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیے اور اپنا نام ظاہر کرے یہ نہ کہے کہ میں ہوں۔ ...(زاد المعاد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا ضامن ہے.... زندگی میں اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہے مرنے کے بعد جنت ان کا مقام ہے.... (۱) جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہوا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے ... (۲) جو مسجد کی طرف گیا (نماز کے لیے) وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے.... (۳) جو اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے.... (ادب مفرد)

سوتے ہوئے کو سلام کرنا

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت گھر تشریف لاتے تو اس طرح سلام فرماتے کہ سونے والے کی نیند نہ اچٹے اور جو جاگتا ہو وہ سن لے.... (ادب مفرد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تو عادت طیبہ تھی کہ تین مرتبہ سلام کر کے اجازت داخلہ طلب فرماتے.... اگر جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے.... (زاد المعاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت محمودہ تھی کہ کبھی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت داخلہ طلب نہیں فرماتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر سلام کرتے اور پھر اندر آنے کی اجازت چاہتے تاکہ اجازت سے قبل مکان کے اندر نظر نہ پہنچے (زاد المعاد)

سلام کے آداب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے (ابو داؤد)

سلام کی ابتداء کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام کرتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ (زاد المعاد)

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا اس شخص کو تیس (۳۰) نیکیاں ملیں (نسائی.... ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ یا سر یا انگلی کے اشارے سے سلام کا جواب نہ دیتے تھے (زاد المعاد)

ابو عبداللہ (یعنی امام بخاری) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرد نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ (الادب المفرد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کچھ دیکھتے ہیں میں نہیں دیکھ پاتی۔ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا.... (بخاری.... الادب المفرد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سلام کے جواب کی طرح خط کا جواب دینا بھی فرض ہے (ادب مفرد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے اور مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ میں تمہیں وہ تدبیر کیوں نہ بتادوں جس کو اختیار کر کے تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو آپس میں سلام کو پھیلاؤ (مشکوٰۃ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کر کے رخصت حاصل کرو.... (بیہقی.... مشکوٰۃ)

جب کوئی شخص مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور پھر جب چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے اس لیے کہ پہلی مرتبہ سلام کرنا دوسری مرتبہ سلام کرنے سے بہتر نہیں یعنی دونوں سلام حق اور مسنون ہیں۔ (ترمذی.... مشکوٰۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسلمان کو سلام کرو چاہے تمہاری اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو پہلے گھر والوں کو سلام کیا کرو یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے خیر و برکت کی بات ہے (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے اور اگر درخت، دیوار یا پتھر بیچ میں اوٹ بن جائے اور پھر اس کے سامنے آئے تو اس کو پھر سلام کرے......(ریاض الصالحین ...ابو داؤد)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہم مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں کے ساتھ تشبہ کرے وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قوموں کے ساتھ تشبہ کرنے کی تصریح فرمائی کہ) یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو اور نہ نصاریٰ کی کیونکہ یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلیوں کے اشارے سے کرتے ہیں۔ (ترمذی)

سلام کے حقوق

مسلمان۔ مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کرنا چاہیے۔ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ کم تعداد والے بڑی تعداد والوں کو سلام کریں۔ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ اشارہ سے سلام کرنا جب مخاطب دور ہو۔ زور سے سلام کرنا تاکہ مخاطب سن لے......(الادب المفرد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے قبل کی من جملہ اور علامات کے چند علامات یہ ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص لوگوں میں محدود ہو جائے، تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جائے کہ بیوی اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ [illegible] سب کا قلم چل پڑے۔ جھوٹی شہادت دینے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفا کرنا۔ (ادب المفرد)

مصافحہ.... معانقہ و دست بوسی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو میں نے سنا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر رہا تھا کہ آدمی جب اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کے سامنے جھک جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے ساتھ معانقہ کرے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: کہ کیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور اس کے ساتھ مصافحہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں......(ترمذی)

رزین نے اتنا اور زیادہ ذکر کیا ہے مگر یہ کہ وہ بھائی یا دوست سفر سے آیا ہو تو معانقہ کر سکتا ہے.. (مشکوٰۃ)

اور بطور تکریم ہاتھ کا بوسہ دے سکتا ہے......(الترغیب والترہیب للمنذری)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا ہاتھ پر رکھ کر اس سے اس کا حال پوچھو اور پورا سلام کرنا یہ ہے کہ سلام کے بعد تم مصافحہ بھی کرو۔ (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور ان کو گلے

لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔۔۔(ابوداؤد۔۔۔بیہقی۔۔ مشکوٰۃ)

حضرت زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عبدالقیس کے وفد میں شامل تھے کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔۔۔(ابوداؤد۔۔۔مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ نہایت درجہ فرحت ولذت کے ساتھ بیان فرمایا: کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا۔۔۔میں نے کبھی کسی قسم کی حریر یا ریشم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھی۔۔۔ان کے شاگرد نے جس کے سامنے یہ بیان کیا گیا اسی شوق سے عرض کیا کہ میں ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں جن ہاتھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔۔۔(اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا کہ آج تک جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے)۔۔۔(خصائل نبوی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن مالک) سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب آپس میں ملاقات کیا کرتے تھے تو مصافحہ کیا کرتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تو آپس میں معانقہ کیا کرتے تھے۔۔۔(طبرانی الترغیب والترہیب للمنذری)

حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔۔۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دروازے پر پہنچے۔۔۔ان سے معانقہ کیا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔۔۔(ترمذی)

ہاتھ چومنا

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ نے کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چھوا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو چوم لیا۔۔(ادب المفرد)

ہدیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا: "تهادوا تحابوا" آپس میں ہدایا اور تحائف کا تبادلہ کرتے رہو کہ باہمی محبت بڑھے۔۔۔(بخاری۔۔ الادب المفرد)

حدیث شریف میں ہے کہ ہدیہ ایسے شخص کا قبول کرو جو ہدیہ کا طالب نہ ہو ورنہ باہمی رنج کی نوبت آوے گی لیکن تم اپنی طرف سے کوشش کرو اس کو کچھ بدلہ دیا جائے اور اگر بدلہ دینے کو میسر نہ ہو تو اس کی شکر و صفت ہی بیان کرو اور لوگوں کے روبرو اس کے احسان کو ظاہر کرو اور شکر و صفت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے جزاک اللہ خیرا اور جب محسن کا شکریہ ادا نہ کیا تو خدا تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ ہوگا اور جس طرح ملی ہوئی نعمت کی ناشکری بری ہے اسی طرح نہ ملی ہوئی چیز پر شیخی بگھارنا کہ ہمارے پاس اتنا اتنا آیا یہ بھی برا ہے۔۔۔(مسند احمد)

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی تمہاری خاطر داری کو خوشبو، تیل، دودھ یا تکیہ پیش کرے کہ خوشبو سونگھ لو یا تیل لگا لو۔ دودھ پی لو یا تکیہ کہ سہارا لگا لو تو قبول کر لو۔ انکار و عذر مت کرو کیونکہ ان چیزوں میں کوئی لمبا چوڑا احسان نہیں ہوتا

جس کا بار تم سے نہیں اٹھ سکتا ہو اور دوسرے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ باہم تحفے تحائف دیتے رہا کرو۔ اس سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے محبت بڑھتی ہے اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کے پائے کا کوئی ٹکڑا بھیجے تو حقیر نہ سمجھے وہ یہ خیال نہ کرے کہ تھوڑی چیز ہے کیا بھیجیں؟ جو کچھ ہو بے تکلف دیا کرو۔

چھینک اور جمائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھینک لیتے تو الحمد للہ فرماتے ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز کو پست فرماتے کہ اگر کوئی ہم جلیس جواب میں "یرحمک اللہ" کہتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "یَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" سے اس کا جواب دیتے۔۔ (ترمذی)

غیر مذاہب والوں کو چھینک کا جواب حضور "يهديكم الله ويصلح بالكم" سے دیتے "يرحمك الله" سے ان کو جواب دینا ناپسند فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھینک بہت پست آواز سے لیتے اور اسی کو پسند فرماتے۔۔۔۔ (زاد المعاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ چھینکنے کو دوست رکھتا ہے (کیونکہ چھینکنے سے دماغ میں خفت اور قوائے ادراکیہ میں صفائی آ جاتی ہے جو باعث و معین ہو جاتی ہے طاعت میں نشاط اور حضور قلب کیلئے) (مشکوٰۃ)

اور اللہ تعالیٰ جمائی کو ناپسند کرتا ہے (کیونکہ جمائی امتلاء و ثقل نفس سے پیدا ہوتی ہے اور جو کدورت حواس و غفلت و سستی و بدنی کا باعث ہو جاتی ہے اور طاعت میں نشاط نہیں ہونے دیتی۔ پس اللہ تعالیٰ تو ناخوش ہوتا ہے لیکن شیطان خوش ہوتا ہے) پس اسی نتیجہ کے اعتبار سے فرمایا کہ جمائی شیطان کی جانب سے ہے پس جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو حتی الوسع اس کو دفع کرے۔ پس تحقیق کہ جس وقت تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے یعنی منہ کھولتا ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے۔ (مشکوٰۃ۔۔۔ ادب المفرد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ تم میں سے جس کسی شخص کو جمائی آئے تو اس کو چاہیے کہ امکان بھر اس کو روکے ورنہ بایاں ہاتھ منہ پر رکھ لے (ادب مفرد)

سرنامہ پر بسم اللہ لکھنا

حضرت ابو مسعود جریری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا یہ تو ہر تحریر کا سرنامہ ہے۔ (ادب المفرد)

لکھنے کے آداب

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مراسلہ لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔۔۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں زید بن ثابت کی طرف سے سلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ میں آپ کے سامنے اس معبود کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد (مضمون خط) (آخر کے الفاظ یہ ہیں) اور ہم اللہ ہی سے سوال کرتے ہیں ہدایت و حفاظت کا (آخر خط) اور اپنے کاموں میں سمجھداری کا اور سلام ہو آپ پر اے امیر المومنین اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت اور اس کی مغفرت (آخر خط) وہیب نے جمعرات کے دن کہ رمضان ۴۲ھ کے ۱۲ دن باقی تھے لکھا۔ فقط (ادب المفرد)

قلم کی عظمت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کاتب سے فرمایا کہ قلم کی تعظیم کرو اور اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو اپنے کان پر رکھ لیا کرو کیونکہ قلم انجام کار کو خوب یاد دلاتا ہے....(ترمذی)

ہر تحریر کی ابتداء میں درود شریف

ابتدائے کتب ورسائل میں بسم اللہ اور حمد کے بعد درود وسلام کا لکھنا ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ رسم اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جاری ہوئی... خود انہوں نے اپنے خطوط میں اس طرح لکھا... مثلاً

"بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم" (زواجر)

امتیاز قومی اور لباس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور شیطان نے یوں کہا کہ میں ان کو (اور بھی) تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی صورت کو بگاڑ کریں گے.." (جیسے داڑھی منڈانا بدن گودنا وغیرہ) (نسائی)

فائدہ: بعض تبدیلی تو صورت بگاڑنا ہے اور حرام ہے جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں اور بعض تبدیلیاں صورت کو سنوارنا ہے اور یہ واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا، ناخن ترشوانا، بغل اور زیر ناف کے بال بنانا اور بعض تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈا دینا یا کٹا دینا یا مٹھی سے زیادہ داڑھی کٹوا دینا اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے نہ کہ رواج سے کیونکہ اول تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں۔ دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف ہے پھر وہ ہر زمانے میں بدلتا بھی رہتا ہے....(حیاۃ المسلمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہے....(مسند احمد، ابوداؤد)

فائدہ: یعنی جو کفار وفساق کی وضع بنائے گا وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا.... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں....(بخاری)

حضرت سوید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے جو شخص زینت کے لباس کو ترک کردے اس حالت میں کہ وہ اس کے پہننے کی استطاعت وقوت رکھتا ہو اور کسی دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص زیب وزینت کے لباس کو کسر نفسی یا تواضع کے طور پر چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو عظمت بزرگی کا لباس پہنائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھے گا....(ابوداؤد، مشکوٰۃ)

متکبرانہ لباس

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لٹکانا پاجامہ تہبند

کرتے اور صافے میں بھی ہوسکتا ہے جو آدمی تکبر کے خیال سے پاجامہ تہبند کرتہ یا صافہ کا شملہ زیادہ نیچا لٹکائے گا اس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ فائدہ بلا تکبر کے لٹکانا بھی جائز نہیں ہے۔۔۔۔(ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

لباس کے آداب

پاجامہ، شلوار پہنیں تو اول دائیں پاؤں میں پہنے پھر بائیں پاؤں میں پہنے کرتہ پہنے تو پہلے داہنی آستین۔۔۔۔ دائیں ہاتھ میں پہنے پھر بائیں ہاتھ میں بائیں آستین پہنے۔ اسی طرح صدری اچکن شیروانی وغیرہ دائیں طرف سے پہننا شروع کرے۔ ایسے ہی جوتا دائیں قدم میں پھر بائیں قدم میں پہننا چاہیے اور جب اتارے تو پہلے بائیں طرف کا اتارے پھر دائیں طرف سے اتارے۔۔۔(ترمذی)

میزبانی و مہمانی کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب معزز مہمان آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس ان کی خاطر داری فرماتے (ادب المفرد)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلاتے تو بار بار فرماتے اور کھائیے اور کھائیے جب مہمان خوب آسودہ ہو جاتا اور انکار کرتا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصرار سے باز آتے۔ (ترمذی، ...)

حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور ان دونوں کانوں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دے رہے تھے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے ہمسایہ کی عزت و اکرام کرنا چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے ہمسایہ کی عزت و اکرام کرنا چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کا جائزہ دے (حق ادا کرے) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جائزہ دینا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا دن ایک رات اس کی خدمت کرنا، ویسے مہمانداری تین دن رات کی ہے اس کے بعد جو ہو وہ مہمان کے لیے صدقہ ہے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ منہ سے اچھی بات نکالے ورنہ چپ رہے۔۔۔(بخاری، مسلم، الادب المفرد)

اور مہمان کے لیے یہ حلال (درست) نہیں کہ وہ کسی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ میزبان کو تنگ کر دے۔۔۔(ادب المفرد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے مہمان کا استقبال دروازے سے باہر نکل کر کرے اور رخصت کے وقت گھر کے دروازے تک پہنچائے۔۔۔(ابن ماجہ، بیہقی، مشکوۃ، بخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دسترخوان بچھایا جائے تو اس پر سے کوئی شخص نہ اٹھے یہاں تک کہ دسترخوان اٹھا لیا جائے اور اپنا ہاتھ نہ کھینچے اگرچہ وہ سیر ہو چکا ہو یہاں تک کہ لوگ بھی فارغ ہو جائیں (اور اگر مجبوراً اٹھنا پڑے تو چاہیے کہ عذر کرے) اس لیے کہ اس کے اس طرح کرنے سے (یعنی اٹھ جانے سے) اس کا ساتھی شرمندہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی اپنا ہاتھ روک لے گا اور شاید اس کو ابھی کھانے کی خواہش ہو (ابن ماجہ، بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کو صلہ دو.... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کیا صلہ دیں یا رسول اللہ؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے پیے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا کرے۔ یہ اس کا صلہ ہے.... (ابوداؤد)

حضرت ابوکریمہ شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آنے والے مہمان کی مہمانی ہر مسلمان پر (جس کے پاس مہمان آئے) واجب ہے۔

دعوتِ طعام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ولیمہ کی دعوت کرے اس کو قبول کر لینا چاہیے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ولیمہ کی دعوت کو قبول کرے یا اسی قسم کی کسی اور دعوت کو قبول کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کھانے پر (خواہ وہ شادی کا ہو یا غیر شادی کا) بلایا جائے اس کو چاہیے کہ دعوت کو قبول کرے، خواہ وہاں جا کر پھر چاہے نہ کھائے.... (مسلم۔ مشکوٰۃ)

فاسق کی دعوت

عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن حصین) فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ)

کھانے میں تکلف

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا پھر ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہم نے عرض کیا کہ ہم کو خواہش نہیں ہے.... (حالانکہ بھوکے تھے لیکن یہ الفاظ تکلفاً کہہ دیئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو.... (ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

ساتھ مل کر کھانا

حضرت وحشی بن الحرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کھانا کھاتے ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاتے ہو یا علیحدہ علیحدہ؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم سب الگ الگ کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دسترخوان پر مل کر کھایا کرو اور کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو، تمہارے کھانے میں برکت ہوگی.... (ابوداؤد)

ممنوعاتِ شرعیہ

حرمتِ شراب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس

پہلے اسلام میں جس چیز کو الٹا جائے گا جس طرح بھرے برتن کو الٹ دیا جاتا ہے وہ شراب ہوگی۔ یعنی اسلام میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے جس حکم کی خلاف ورزی کی جائے گی اور اس کے حکم کو الٹ دیا جائے گا وہ شراب کی ممانعت کا حکم ہوگا اور پوچھا گیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکر ہوگا؟ حالانکہ شراب کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام بیان ہوچکے ہیں اور سب پر ظاہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح ہوگا کہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے اور اس کو حلال قرار دیں گے.... (دارمی... مشکوٰۃ)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ایسی چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لائیں (یعنی عقل میں فتور لائیں یا جو جواس میں فتور لائیں) اس میں افیون بھی آ گئی اور بعضے جے بھی آ گئے جس سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بیکار ہوجائیں (ابوداؤد... حیات المسلمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اس کے پینے والے پر اس کے نچوڑنے والے پر اس کے نچڑوانے والے پر اس کے خریدنے والے پر اس کے پلانے والے پر اس کے اٹھانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے اٹھا کر لے جائی گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چیز زیادہ مقدار میں استعمال کرنے سے نشہ لائے اس کا تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد... مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ چار شخصوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ بھیجے گا اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے گا.... (۱) شراب کا عادی (۲) سود خور (۳) یتیم کا مال کھانے والا اور (۴) ماں باپ کا نافرمان.... (حاکم)

شراب.... سود اور عیاشی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اُمت کے بعض افراد رات شراب پینے اور لہو ولعب میں گزار دیں گے تو ایک دن صبح کو یہ لوگ بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کردیے جائیں گے ان میں خسف بھی ہوگا (یعنی زمین میں دھنسا دیے جائیں گے) اور ان پر آسمان سے پتھر بھی برسیں گے لوگ کہیں گے کہ آج کی رات فلاں محلہ دھنس گیا ان پر قوم لوط کی طرح پتھر برسیں گے اور قوم عاد کی طرح آندھیوں سے تباہ کیے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ لوگ شراب پئیں گے اور سود کھائیں گے ریشمی لباس استعمال کریں گے۔ گانے والیاں ان کے پاس جمع ہوں گی اور یہ لوگ قطع رحم کریں گے۔ (مسند احمد... بیہقی)

لغو کھیل.... شطرنج وغیرہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے جوا کھیلنے سے منع فرمایا ہے اور نرد اور شطرنج اور ... سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے (ابوداؤد... مشکوٰۃ)

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ شطرنج وہی شخص کھیلتا ہے جو خطا کار اور گنہگار ہے (بیہقی... مشکوٰۃ)

شطرنج لغو اور باطل کھیل ہے اور اللہ تعالیٰ لغو اور باطل کو پسند نہیں فرماتا.... (بیہقی، مشکوٰۃ)

تصاویر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے میں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے) ایک منقش چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی.... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں (متفق علیہ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ ان سے تصویروں کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا جو شخص دنیا میں تصویریں بنائے گا اسے قیامت کے دن ان میں روح ڈالنے کیلئے زور دیا جائے گا مگر وہ ان میں روح نہیں ڈال سکے گا.... (بخاری شریف)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے سخت ترین عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جنہوں نے خدا کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قتال کیا ہو یا ان سے خدا کے نبی نے قتال کیا ہو یا وہ لڑکا جس نے اپنے والدین کو قتل کیا ہو.... اسی طرح مصور اور وہ عالم جن کے علم سے لوگوں نے نفع نہ حاصل کیا ہو.... یعنی علماء جو اپنے علم سے لوگوں کو نفع نہ پہنچائیں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے.... (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے کہہ رہے تھے کہ رات حاضر ہوا تھا لیکن گھر کے دروازے پر کسی جاندار کا مجسمہ سا تھا گھر کے ایک طاق کے پردے پر تصویریں تھیں اور گھر میں کتا بھی تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجسمہ کا سر کٹوا دیں۔ پردے کے تکیے بنوا لیں (تاکہ تصویریں چھپ جائیں) اور کتے کو نکلوا دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ (ترمذی.... ابوداؤد.... مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں یا کتا ہوں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان تین غرضوں کے علاوہ اگر کسی اور غرض سے کوئی کتا پالے تو اس کے ثواب میں ہر روز ایک قیراط گھٹتا رہے گا.... (یعنی صرف مندرجہ ذیل اغراض کیلئے کتا پالا جا سکتا ہے) (۱) مواشی کی حفاظت کے لیے (۲) کھیت کی حفاظت کے لیے (۳) شکار کیلئے.... (مشکوٰۃ شریف)

راگ راگنی

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھنے لگیں گے.... مسند امام احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے ساز اور باجوں کو مٹا دوں.... (ترمذی)

سنن ابی داؤد میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساز سنا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی ایک موقع پر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزامیر کی آواز سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی انگشت مبارک اپنے کانوں میں دے لی۔ (ابوداؤد.....ابن ماجہ.....مسند احمد)

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بعضے لوگ شراب کا نام بدل کر اس کو پئیں گے اور ان کے سروں پر معازف (باجہ ستار وغیرہ) اور گانے والیوں سے باجہ بجوایا اور گوایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اُمت میں خسف (زمین میں دھنسنا) اور مسخ (آدمی سے جانور بنا دینا) واقع ہوگا..... جب علی الاعلان ہو جاویں گے گانے والیاں اور معازف (باجہ و ستار) وغیرہ۔ مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم اس اُمت سے آخر زمانہ میں بندر اور خنزیر بن جائے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وہ لوگ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے قائل نہ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ ہوں گے؟ بلکہ صوم و صلوٰۃ و حج سب کچھ کرتے ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا: پھر اس سزا کی کیا وجہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے معازف (باجہ و ستار وغیرہ) اور گانے والیوں کا مشغلہ اختیار کر لیا ہوگا۔ ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا لعنت کرے! گانے والیوں پر اور اس پر جس کی خاطر گایا جائے۔

قرآن مجید کی برکت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانو! اپنے گھروں میں اکثر قرآن مجید پڑھتے رہا کرو کیونکہ جس گھر میں قرآن مجید نہیں پڑھا جاتا اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی (دار قطنی فی الافراد)

صحبت نیکاں

مسلمانو! اپنے سے بڑوں کے پاس بیٹھا کرو..... عالموں سے سوال کیا کرو اور دانشمندوں سے ملا کرو .. (طبرانی)

ہر انسان اپنے دوست کے مشرب پر ہوتا ہے پس پہلے ہی سے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بناتا ہے..... (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کے نیک اعمال کے باعث محبت کرتا ہے مگر وہ خود نیک اعمال اتنے نہیں کرتا جیسے اس نیک آدمی کے اعمال ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں۔ آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ (یعنی اس نیک کی محبت کا اسے صلہ ملے گا) (بخاری)

عہد شکنی کا وبال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں عہد شکنی کی عادت پھیل جاتی ہے اس میں خونریزی بڑھ جاتی ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اس میں موتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے (ابوداؤد ... حاکم ... نسائی)

ہم نشین کا اثر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ برے ہم نشین کے پاس بیٹھنے سے تنہائی بہتر ہے اور اچھے ہم نشین کے پاس بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے اور نیک بات زبان سے نکالنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بری بات زبان سے نکالنے سے بہتر ہے (حاکم ... بیہقی فی شعب الایمان)

کسی کی زمین غصب کرنے کا وبال

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی اپنی اور دوسرے آدمی کی زمین کی حد بدل ڈالے اس پر قیامت تک خدا کی لعنت ہے ... (طبرانی)

ہمسایہ کا انتخاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! گھر بنانے یا لینے سے پہلے اچھے ہمسایہ کو تلاش کیا کرو اور راستہ چلنے سے پہلے اچھے ساتھی کو ڈھونڈ لیا کرو (طبرانی)

پریشان حال کی مدد

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی پریشان حال کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کیلئے تہتر مغفرت لکھے گا جس میں سے ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے کافی ہے اور (۷۲) مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات بن جائیں گی۔ (بیہقی ... حیات المسلمین)

اہل وعیال کا فتنہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بی بی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی کہ یہ لوگ اس شخص کو ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جن کو یہ اٹھا نہ سکے گا سو یہ ایسے کاموں میں گھس جاوے گا جن سے اس کا دین جاتا رہے گا پھر یہ برباد ہو جائے گا۔ (بیہقی ... حیات المسلمین)

مسلمان بھائی سے بحث و دل لگی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی

(مسلمان) سے (خواہ مخواہ) بحث نہ کیا کرو اور نہ اس سے ایسی دل لگی کرو (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔ (ترمذی... حیاۃ المسلمین)

غیبت پر حمایت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہے اور وہ اس کی حمایت پر قدرت رکھتا ہو اور وہ اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ وہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔ (شرح السنہ۔ حیاۃ المسلمین)

پاکی و صفائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اپنے گھروں کے صحنوں کو صاف رکھا کرو کیونکہ وہ یہودیوں کے مشابہ ہیں جو اپنے گھروں کے صحنوں کو عموماً گندہ رکھتے ہیں (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد پاکیزگی اور صفائی پر رکھی ہے اور جنت میں وہی آدمی داخل ہوگا جو پاک و صاف رہنے والا ہے۔ (ابو نعیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانو اپنے جسموں کو پاک و صاف رکھا کرو (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بندو! علاج کرایا کرو کیونکہ خدا تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ برکت کھانے کے بیچ میں نازل کی جاتی ہے اس لیے تم برتن کے کنارے سے کھاؤ۔ بیچ میں سے مت کھاؤ کیونکہ بیچ میں سے کھانا بے برکتی کا موجب ہوگا اور تہذیب کے بھی خلاف ہے۔ (ترمذی)

جسمانی آرائش

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس آدمی کے پاس کوئی کنگھا نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر لیتا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جس نے میلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس آدمی کے پاس وہ چیز (صابن وغیرہ) نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا.... (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کے سر پر بال اور داڑھی کے بال ہوں اس کو چاہیے کہ ان کو اچھی طرح رکھے۔ (ابو داؤد۔ مشکوٰۃ)

مدح میں مبالغہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے شخص کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا تم نے تو اس

کو برباد کر دیا۔ ایک اور موقع پر کسی سے فرمایا: تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن ماردی۔ اگر تم کو تعریف کرنا ہی ہو تو یوں کہو کہ میں یہ گمان کرتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کے علم میں وہ واقعی ایسا ہو اور قطعیت کے ساتھ غیب پر حکم نہ لگانا چاہیے۔ (صحیح بخاری۔۔۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قناعت

فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کو قانع بنا دیا ہے۔ (ترمذی، ابن حبان۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بہتان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اپنے غلام (نوکر) پر تہمت لگائے گا حالانکہ وہ بے گناہ ہو یعنی اس نے وہ گناہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے لگائے گا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں جو برائی نہیں اس کی نسبت اس کی طرف کرنا بہتان ہے اس سے بچنا چاہیے۔ (مسلم، ابوداؤد۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بوڑھے کی تعظیم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اسکے بڑھاپے کے سبب تعظیم و تکریم کی اللہ تعالیٰ اسکے بڑھاپے کیلئے ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اسکی تعظیم و تکریم کریگا۔۔۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

ظالم و مظلوم کی اعانت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مظلوم کی فریاد رسی کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے جن میں سے ایک بخشش وہ ہے جو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کی ضامن ہے اور بہتر بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات بلند کرنے کا سبب ہوں گی۔۔۔ (بیہقی۔ مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو! ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم کی اعانت تو میں کرتا ہوں ظالم کی مدد کیوں کر کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم سے روک۔ تیرا اس کو ظلم سے باز رکھنا ہی مدد کرنا ہے۔ (بخاری، مسلم۔ مشکوٰۃ)

مصیبت زدہ کا مذاق

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر ورنہ اللہ اس پر رحم فرمائے گا اور تجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ (ترمذی)

نصیحت
چند نصیحتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کے کرنے کا ہم کو حکم دیا ہے اور چند چیزوں سے ہم کو منع کیا ہے۔ ہم کو حکم دیا ہے۔ مریض کی عیادت کا۔ جنازے کے ساتھ جانے کا۔ چھینکنے والے کے لیے یرحمک اللہ کہنے کا۔ قسم کے پورا کرنے کا۔ مظلوم کی مدد کرنے کا۔ سلام کو رواج دینے کا۔ دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے کا اور ہم کو منع فرمایا ہے۔ سونے کی انگوٹھی رکھنے سے۔ چاندی کے برتنوں کے استعمال سے۔ سرخ کپڑے پہننے اور زین پوش بنانے سے اور قسی اور تافتہ اور دیبا اور حریر پہننے سے.....(متفق علیہ)

دوست سے ملاقات

حضرت ابی رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں تجھ کو اس امر (دین) کی جڑ بتادوں؟ کہ تو اس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کر سکے۔ تو اہل ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کر (یعنی ان لوگوں کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں) اور جب تنہا ہو تو جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اپنی زبان کو حرکت میں رکھ۔ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے محبت کر اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے بغض رکھ۔ اے ابورزین یا تو جانتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت و ملاقات کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے دعا و استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار! اس شخص نے محض تیری رضا کے لیے ملاقات کی تو اس کو اپنی رحمت اور شفقت سے ملادے.....پس اگر تجھ سے یہ ممکن ہو یعنی اپنے بھائی مسلمان کی ملاقات کے لیے جانا تو ایسا کر (یعنی اپنے بھائی مسلمان سے ملاقات کر) (بیہقی۔ مشکوٰۃ)

مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے آئینہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے جب کوئی اس میں عیب دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ (بخاری.....الادب المفرد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی کے دل میں اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے خلوص و محبت کے جذبات ہوں تو اسے چاہیے کہ اپنے دوست کو بھی ان جذبات سے آگاہ کرے اور اسے بتادے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے۔ (الادب المفرد۔ مشکوٰۃ)

سوال کی مذمت

حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ لینا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) و آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے حلال نہیں ہے۔ (الحدیث)

جو آدمی بغیر ضرورت سوال کرتا ہے وہ گویا آگ کی چنگاریوں میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس پروردگار کی جس

کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی رسی لے کر جنگل کو چلا جائے اور لکڑیوں کا گٹھا باندھ لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر سوال کرے اور وہ دے یا نہ دے۔ (مالک)

حدیث شریف میں ہے لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو اور اگر تمہارا کوڑا گر پڑے تو اس کو بھی خود گھوڑے سے اتر کر اٹھاؤ۔ (مسند احمد)

حدیث میں ہے مسلمانو! سوال بالکل نہ کرو اور اگر ضرورت مجبور کرے تو ایسے لوگوں سے سوال کرو جو نیک دل ہوں (مسند احمد)

مسلمان کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے

حدیث شریف میں ہے کہ اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے.... (ترمذی)

عذر قبول کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کے عذر کو قبول نہ کیا اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول وصول کرنے والے پر اس کی ظلم و زیادتی کا گناہ ہوتا ہے.....

ایمان کے ساتھ عمل

ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان کے ساتھ کوئی عمل بتائیے؟ فرمایا: جو روزی اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس میں سے دوسروں کو دے۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر وہ خود مفلس ہو؟ فرمایا: اپنی زبان سے نیک کام کرے۔ عرض کیا: اگر اس کی زبان معذور ہو؟ فرمایا: مغلوب کی مدد کرے۔ عرض کیا: اگر وہ ضعیف ہو مدد کی قوت نہ رکھتا ہو؟ فرمایا: جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کر دے۔ عرض کیا: اگر وہ خود بھی ایسا ہی ناکارہ ہو؟ فرمایا: اپنی ایذا رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے۔ (مستدرک حاکم۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

احسان کا شکریہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا.... حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ احسان کیا جائے اور وہ اپنے محسن کے حق میں یہ الفاظ کہے "جزاک اللہ خیرا" (اللہ تجھ کو جزائے خیر دے) تو اس نے اپنے محسن کی پوری تعریف کر دی.... (مسند احمد.... ترمذی۔ مشکوٰۃ)

سفارش

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: کہ جب کوئی حاجت مند سائل سوال کرے تو اس کی سفارش کرو کہ تم کو سفارش کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے جو حکم چاہتا ہے جاری فرماتا ہے.... (بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ)

سرگوشی

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں کانا پھوسی نہ کریں۔۔۔۔(ادب المفرد)

سونے چاندی کے برتن کا استعمال

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ حریر و دیبا (ریشمی کپڑوں) کو نہ پہنو! چاندی اور سونے کے برتنوں میں نہ پیو! اور سونے چاندی کی رکابیوں اور پیالوں میں نہ کھاؤ! اس لیے کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ۔۔۔(بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ)

فحش کلامی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی نظر میں بدترین قیامت کے روز وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور فحش کلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔۔۔۔(بخاری و مسلم)

بے جا مدح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تعریف کرنے والے کو (بے جا تعریف کرتے ہوئے) دیکھو تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دو (یعنی اس پر ناگواری کا اظہار کرو)۔۔۔(مشکوٰۃ)

فاسق کی مدح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے اور اس کی تعریف کی وجہ سے عرش ہل اٹھتا ہے۔۔۔۔(مشکوٰۃ)

صحت اور خوشبو

مسند بزار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ طیب ہے۔ طیب کو محبوب رکھتا ہے۔ پاک ہے اور پاک کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے اس لیے اپنے مکان اور صحن کو صاف شفاف رکھو۔ (زادالمعاد)

صحیح روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر سات دن میں کم از کم ایک بار غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائے اور خوشبو میں یہ خاصیت ہے کہ ملائکہ اس آدمی سے جو معطر ہوتا ہے محبت کرتے ہیں اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں اور شیاطین کے لیے سب سے زیادہ دل پسند

کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان کی ہتھیلیوں کو چہرے کے مقابل کرتے تھے اور ختم دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا بھی آداب دعا ہے جبکہ نماز کی حالت کے علاوہ ہو...(مدارج العلم)

آرام طلبی کی عادت اچھی نہیں

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں (ابوداؤد)

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنگی سے گزر کرو اور موٹا جھوٹا پہن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو...(مجمع الزوائد۔ طبرانی۔ معجم اوسط)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سوار تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)...(شرح السنہ)

کسب حلال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض عبادات کی بجا آوری کے بعد حلال طریقہ سے رزق حاصل کرنا سب سے اہم فرض ہے...(مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کی حرام مال کی کمائی میں سے صدقہ قبول کیا جاتا ہے نہ اس کے خرچ میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرام مال چھوڑ کر مرتا ہے وہ مال اس کے جہنم کا زاد راہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعے مٹاتا ہے کیونکہ خبیث خبیث کو نہیں مٹا سکتا ہے(بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں روایت ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مال خوشنما... خوش مزہ چیز ہے جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے (بخاری۔ مسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا عہد یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر کے اس سے دستبردار ہو جاؤں گا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ مال تھام لینا چاہیے یہ تمہارے لیے بہتر (اور مصلحت) ہے (وہ مصلحت یہی ہے کہ گزر کا سامان

اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہوتی) میں نے عرض کیا: تو میں اپنا وہ حصہ اٹھائے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔۔۔۔(ترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے (ترمذی)

سادگی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سادہ زندگی گزارنا ایمان سے ہے (ابو داؤد۔۔۔۔حیات المسلمین)

بدعت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خدا کی حمد کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے بہتر حدیث (بات) خدا کی کتاب ہے اور بہترین راہ (سنت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ ہے اور بدترین چیزوں میں وہ چیز ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (نئی نکالی ہوئی چیز) گمراہی ہے۔۔۔۔(مسلم)

بدعت کی ممانعت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے کام (یعنی دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔۔۔۔(بخاری، مسلم۔ حیات المسلمین)

کِتَابُ الحِجَاب

ستر اور پردے کے احکام

انسان کی معاشی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ ان خصائص میں سے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ خالق کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اس لئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصے کو اور اپنے کسی فعل کو چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

بہر حال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے تمام اقوام و ملل اپنے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معلومات میں سے ہے کہ اس بارے میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز و تفوق حاصل ہے اسی طرح اس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے کیونکہ اس کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مردوں سے کہیں زیادہ ہے اسی لئے ان کے پیدا کرنے والے نے ان میں حیاء کا جذبہ بھی مردوں سے زیادہ رکھا ہے۔ بہر حال اولاد آدم کیلئے ستر اور پردہ بنیادی طور پر ان کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دنیا کے مسلمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیں وہ گویا اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب ہدایت قرآن مجید ہی میں دیئے گئے ہیں۔ سورہ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ "نسل آدم کو ستر چھپانے کی ہدایت اسی ابتدائی دور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

پھر سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں خاص کر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ ان کی اصل جگہ اپنا گھر ہے، لہٰذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں۔ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جس کی

اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں۔ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں، آنے جانے والے عزیزوں قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ اور مردوں کو چاہئے کہ اپنے اہل قرابت یا دیگر اہل تعلق کے گھروں میں اچانک بے اطلاع و بے اجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ سامنا ہو جائے تو نگاہیں نیچی کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل سلیم دی ہے اور ان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے وہ اگر غور کریں تو ان شاء اللہ انہیں اس میں شبہ نہ ہوگا کہ یہ احکام انسان کے جذبہ حیاء کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے ان شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں، اور کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھناؤنے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔

عَنْ جَرْهَدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ. (رواه الترمذى وابو داؤد)

حضرت جرہد بن خویلد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) ستر میں شامل ہے۔ (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... انسانی جسم کے جو حصے عرف میں شرمگاہ کہلاتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہر آدمی حتی کہ خدا کے اور کسی دین و مذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا ستر یعنی چھپانا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرمگاہ اور اس کے قریب حصے ہی نہیں بلکہ ران تک ستر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ گویا ستر کے بارے میں تکمیلی تعلیم و ہدایت ہے۔ اس حدیث میں فخذ (ران) کو عورۃ فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لفظی معنی ہیں، چھپانے کی چیز، جس کا کھلنا شرم و حیاء کے خلاف ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلا ضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے، اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا ..... قَالَ فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْهُ. (رواه الترمذى وابو داؤد وابن ماجه)

بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انہوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی شرمگاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا فرماتے ہیں اس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟ (کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سزاوار ہے اور اس کا زیادہ حق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا

خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے، اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔ عربی زبان میں "عورت" اس چیز یا اس حصہ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ" یعنی صنف خواتین کی نوعیت یہی ہے، ان کو پردے میں رہنا چاہئے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ: جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تاکہ شیطانوں اور ان کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے، اور اگر ضرورت سے نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیت: "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى." میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح ارشاد ہے: "اِنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ." یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے، ایسی صورت میں اس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ. (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (خاص کر) ان خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں، کیونکہ شیطان (یعنی اس کے اثرات و وساوس) سب میں اس طرح (غیر مرئی طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا: اور کیا آپ میں بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اور مجھ میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں) خاص مدد فرمائی ہے، اس لئے میں محفوظ رہتا ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔۔ شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں ان سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، اور اس کے وساوس و اثرات آدمی میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

اس موقع پر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت! اس بارے میں (یعنی شیطانی وساوس و تصرفات کے بارے میں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اس کے وساوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں، مجھ پر اس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی یا فتنہ میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ یہ دراصل منصب عصمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَتَبَاعِہٖ

عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِنَّھَا اِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَیْتِھَا اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطٰنُ وَاِنَّھَا لَا تَکُوْنُ اَقْرَبَ اِلَی اللّٰہِ مِنْھَا فِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔" (الترغیب والترہیب للمنذری ص ١٣٢ جلد ١ از طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں اول تو عورت کا مقام بتایا ہے، یعنی یہ کہ وہ چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، عورت کو بحیثیت عورت کے اندر رہنا لازم ہے، جو عورت پردہ سے باہر پھرنے لگے وہ حدود نسوانیت سے باہر ہو گئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر تاکنا شروع کر دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب عورت باہر نکلے گی تو شیطان کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگ اس کے خدوخال اور حسن و جمال اور لباس و پوشاک پر نظریں ڈال کر لطف اندوز ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے، جن عورتوں کو اللہ کی نزدیکی کی طلب اور رغبت ہے وہ گھر کے اندر رہنے کو پسند کرتی ہیں اور حتی الامکان گھر سے باہر نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو ہدایت دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر ہی رہیں، کسی مجبوری سے باہر نکلنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس میں متعدد پابندیاں لگائی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اور یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ عورت راستہ کے درمیان نہ چلے، اگر اسے باہر جانا ہی پڑے تو پورے بدن پر موٹی چادر لپیٹ کر نکلے (راستہ نظر آنے کے لئے ایک آنکھ کا کھلا رہنا کافی ہے)

نیز فرمایا کہ مرد کی نظر کسی نامحرم عورت پر یا عورت کی نظر کسی نامحرم مرد پر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹا لے، اگر عورت کو کسی نامحرم مرد سے بوجہ مجبوری بات کرنی پڑے تو نرم گفتاری سے بات نہ کرے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، محرم بھی وہ ہو جس پر بھروسہ ہو، فاسق محرم جس پر اطمینان نہ ہو، اس کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح شوہر یا محرم کے

علاوہ کسی نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے یا رات گذارنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، اور محرم بھی وہ ہو جس پر اطمینان ہو، یہ سب احکام درحقیقت عفت وعصمت محفوظ رکھنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔

مخلوط تعلیم کا زہر۔ آج کل لڑکیوں کو اسکولوں کالجوں میں پڑھانے کے لئے بھیجتے ہیں، ان کو اونچی ڈگریاں دلانے کی کوشش کرتے ہیں، اول تو اس میں اس حکم کی خلاف ورزی ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہے، اگر باہر نکلنا ہو تو بوجہ مجبوری پابندیوں کے ساتھ نکل سکتی ہے، مگر وہ تو پردہ کے اہتمام کے بغیر نکلتی ہیں اور خوب بن ٹھن کر خوشبو لگا کر جاتی ہیں پھر رہی سہی کسر مخلوط تعلیم نے پوری کردی، ایک ہی کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں اور بالغ مرد اور عورت بے پردہ ہو کر بیٹھتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے والے عین تعلیم کے وقت اسلامی احکام کو پامال کرتے ہوتے ہیں اور جو لوگ ان باتوں پر نکیر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ ہے، وہ کیسی ہی آیات واحادیث پیش کریں، ان کی بات کو دقیانوسی کہہ کر ٹال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور دین کے صحیح تقاضے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام عفت وعصمت والا دین ہے۔ اسلام حیاء اور شرم، عفت وعصمت، غیرت وحمیت والا دین ہے، اس نے انسانیت کو اونچا مقام دیا ہے، انسان اور حیوان میں جو امتیازی فرق ہے وہ اسلام کے احکام پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے، اسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ انسانوں میں حیوانیت آ جائے اور چوپایوں کی طرح زندگی گذاریں، مردوں اور عورتوں کے اندر جو ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کا فطری تقاضہ ہے شریعت اسلامیہ نے ان کی حدود مقرر فرمائی ہیں، حقوق نفس اور حظوظ نفس سب کا خیال رکھا ہے، لیکن انسان کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا کہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پہنے، اور جہاں چاہے نظر ڈالے، اور جس سے چاہے لذت حاصل کرے، بہت سے لوگ جو نام نہاد مسلمان ہیں (اگرچہ علوم عصریہ میں ماہر ہیں اور دنیاوی معاملات سے اچھی طرح واقف ہیں) یورپ وامریکہ کے یہود ونصاریٰ اور بے دین ملحدوں اور زندیقوں کی دیکھا دیکھی بلکہ ان کی ترغیب اور تحریک سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو بھی بہیمیت کے سیلاب میں بہا دینا چاہتے ہیں، جب ان لوگوں کے سامنے پردہ کے احکام ومسائل پیش کئے جاتے ہیں تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں مولویوں نے نکالی ہیں۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانے بلکہ کلبوں میں نچانے کو یہ لوگ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔

کون سی ترقی محمود ہے؟۔ عورت صنف نازک تو ہے ہی، کم سمجھ بھی ہے، جب ان کو بہکایا جاتا ہے کہ پردہ ترقی کے لئے آڑ ہے اور ملا کی ایجاد ہے تو بیچاری نادانی سے اس بات کو باور کر لیتی ہیں اور میلوں اور جلسوں اور پارکوں بازاروں اور تفریح گاہوں میں بے پردہ بن ٹھن کر بے محابا مردوں کے سامنے گھومتی پھرتی ہیں اور بے حیائی اور عفت وعصمت کے داغدار کرنے والے عمل کو ترقی سمجھتی ہیں، دشمنان اسلام نے بس ترقی کا لفظ یاد کر لیا ہے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کس چیز کی ترقی محمود ہے اور کون سی ترقی مذموم ہے؟ اگر قوم کی بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر گھروں سے نکلیں اور بازاروں پارکوں میں مردوں کے ساتھ گھل مل کر گھومتی پھریں تو اس میں کس چیز کی ترقی ہے؟ کیا اس میں انسانیت بام ترقی تک پہنچ گئی؟ یا غیرت اور شرافت میں کچھ اضافہ ہو گیا؟ نہیں نہیں، اس سے تو عصمت وعفت کے لٹ جانے کی راہیں ہموار ہو گئیں، انسان کی شرافت اور کرامت برباد ہونے کے انتظامات ہو گئے،

برائی کی ترقی بھی کیا کوئی ترقی ہے، ایسی ترقی تو شیطان اور اس کے دوستوں کو پسند ہوتی ہے، برائی کی ترقی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور مخلصین ومومنین ومومنات کو پسند نہیں ہوتی۔

حفاظت نظر کا حکم۔ سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرنے والی ہے وہ نظر ہے۔ قرآن مجید میں دونوں فریق کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں۔ سورۂ نور رکوع ۴ میں اول مردوں کو حکم فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔" اس کے بعد عورتوں کو خطاب فرمایا۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

"اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں کھلا رہتا ہے۔"

ان آیتوں میں مردوں اور عورتوں دونوں فریق کو نظریں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کے محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا، پردہ کے مخالفین وغیرہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ان آیات کے مفہوم کے جاننے سے گریز کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ نظریں نیچی رکھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ درخت اور پتھر اور دیواروں اور گھر کے سامانوں کی طرف دیکھنا ہے، بلکہ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ نظر کو بے جا استعمال کرنے سے شرمگاہوں کی حفاظت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اسی لئے تو اس کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا، جسم اور نظر کی لذت کے لئے شوہر کو بیوی کے لئے بیوی کو شوہر کے لئے مخصوص کر دیا گیا، محرم مرد اور عورت کو ایک دوسرے کو حدود کے اندر سے دیکھ سکتے ہیں، لیکن ان کو بھی ایک دوسرے پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، محرموں کو بھی بدن کا ہر حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے اس میں بھی تفصیل ہے (جو آگے آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے عرض کیا یا رسول خدا! اگر اچانک (نامحرم پر) نظر پڑ جائے تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسی وقت نظر پھیر لو۔ (مسلم شریف)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالے رکھو، کیوں کہ پہلی نظر پر تجھے گناہ نہ ہوگا (اس لئے کہ وہ بلا اختیار تھی) اور دوسری نظر تیرے لئے حلال نہیں ہے (اس پر پکڑ ہوگی کیونکہ وہ اختیار سے ہے) (مشکوٰۃ شریف)

مطلب یہ ہے کہ اگر بلا اختیار کسی نامحرم پر نظر پڑ گئی تو فوراً ہٹالو، اگر نظر نہ ہٹائی اور دیکھتے رہے تو یہ دو نظریں شمار ہوں گی اور دوسری نظر اختیاری والی نظر ہوگی جس پر گرفت اور مواخذہ ہونا ظاہر ہے، بے پردگی میں بدنظری کے بہت سے مظاہر ہوتے ہیں، مرد اور عورت سب اس کا ارتکاب کرتے ہیں، نظریں محفوظ ہوں گی تو شرمگاہیں بھی محفوظ ہوں گی، اور خود نبی نظر کو بھی تو زنا قرار دیا ہے جو آ گے مذکور آ رہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ میں جو اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ہے اس میں چہرہ اور ہاتھوں کا استثناء ہے، یعنی عورتیں ان کو کھول سکتی ہیں، ان لوگوں کو پتہ نہیں آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کیا کیا اقوال ہیں۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے ثیاب اور جلباب یعنی اوپر کے وہ کپڑے مراد ہیں جو پردہ کے اہتمام کے لئے جسم سے لگے ہوئے کپڑوں کے اوپر ہوتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری بیضاوی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ استثناء حالت نماز کے متعلق ہے، یعنی حالت نماز میں چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹوں تک اگر کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی، اور نماز میں ان دونوں اعضاء کے کھلا رہنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور غیر محرم کے سامنے مواقع زینت میں سے کوئی حصہ کھولنے کا ذکر مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں نہیں ہے، پھر صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ اگر مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مواقع زینت مراد ہوں تو ضرورۃً مجبوری کے ئے اظہار زینت کے ارادہ کے بغیر جو حصہ ظاہر ہو جائے اس کا استثناء کیا گیا ہے، پھر لکھتے ہیں کہ آزاد عورت کے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے پوشیدہ رکھنے کا استثناء صرف نماز کے لئے ہے، کیونکہ فرمان خداوندی یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ سے صاف ظاہر ہے کہ عورت اپنا چہرہ نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ الوجہ والکفان یعنی عورت اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کھولے رہ سکتی ہے، اگر اسی تفسیر کو مانا جائے تب بھی غیر محرم کے سامنے کھولنے کا کوئی ذکر نہیں، جو لوگ اس استثناء سے عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے ہوئے پھرنے کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت غلطی پر ہیں، کیونکہ ان الفاظ میں عورتوں کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کے چھپانے کے اہتمام سے زحمت اور تکلیف نہ ہو، اس میں نامحرموں کے سامنے کھولنے کے جواز وعدم جواز کا کوئی ذکر نہیں ہے، آیت میں اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا فرمایا ہے، مَا ظَهَرَ مِنْهَا نہیں فرمایا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو قصداً اور ارادۃً نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

نفس لازم کا صیغہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی عورت نماز کی مشغولیت میں یا کام کاج کی مصروفیت یا اور کسی مجبوری کے باعث اپنا چہرہ کھولے تو غیر محرم کو جائز نہیں کہ وہ اس کے چہرہ کو تکتا رہے، کیونکہ اس سے پہلی ہی آیت میں مردوں کو نظریں پست کرنے کی تاکید فرمادی گئی ہے، بعد میں عورتوں کے متعلق احکام ذکر کئے ہیں، مردوں کو نظریں پست رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے جہاں بازاروں اور راستوں میں عورتوں پر نظریں ڈالنے کی ممانعت ثابت ہوئی وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتیں اگر منہ کھولے ہوئے کام کاج میں مشغول ہوں یا پردہ کرنے سے گریز کرتی ہوں تو جو مرد ان کے محرم نہ ہوں ان کو قصداً و ارادۃً نظر ڈالنا منع ہے۔

سورۂ نور کی آیت بالا کی ہم نے مزید تشریح و توضیح اس لئے کی ہے کہ قرآن سے پردہ اور احکام پردہ کا ثبوت مانگنے والوں کو اپنی کج روی کا علم ہو جائے، آیت بالا میں اول غض بصر (آنکھیں نیچی کرنے) کا حکم دیا ہے، پھر عورتوں کو مامور فرمایا ہے کہ زینت اور مواقع زینت کے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کریں۔ یہ بات کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہیں اور نامحرم ان کو دیکھا کریں، آیت سے ثابت کرنا سخت نادانی ہے۔

عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم

سورۂ احزاب میں امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے ارشاد ہے:۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا الخ

"اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو، پس تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ ضرورۃً بولنا پڑے) نزاکت مت کرو، کیونکہ اس سے ایسے شخص کو میلان قلبی ہو جائے گا جس کے دل میں روگ ہو، (بلکہ) تم قاعدہ کے موافق بات کرو (جیسے پاک باز عورتیں اختیار کرتی ہیں) اور تم اپنے گھروں میں رہو، اور زمانہ قدیم کی جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔"

ان آیات میں اول تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر محرم سے ضرورۃً اگر بات کرنی پڑے تو گفتگو کے انداز میں نزاکت اور لہجہ میں جاذبیت کے طریقہ پر بات نہ کریں، جس طرح چال ڈھال اور رفتار کے انداز سے دل کھنچتے ہیں، اسی طرح گفتار کے نزاکت والے انداز کی طرف بھی کشش ہوتی ہے، عورت کی آواز میں طبعی اور فطری طور پر نرمی اور لہجہ میں دلکشی ہوتی ہے، پاک نفس عورتوں کی یہ شان ہے کہ غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں خشونت اور روکھا پن ہو، تاکہ کسی بد باطن کا قلبی میلان نہ ہونے پائے۔

دوسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں رہو، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے شب و روز گذارنے کی اصل جگہ ان کے اپنے گھر ہی ہیں، شرعاً جن ضرورتوں کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے پردہ کے خوب اہتمام کے ساتھ بقدر ضرورت نکل سکتی ہیں، آیت کے سیاق سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بلا ضرورت پردہ کے ساتھ بھی باہر نکلنا اچھا نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے نامحرم کی نظروں سے لباس بھی پوشیدہ رکھنا چاہئے۔

جاہلیت اولیٰ کے دستور کے مطابق پھرنے کی ممانعت

تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ زمانہ قدیم کی جہالت کے مطابق پھرا مت کرو، زمانہ قدیم کی جہالت سے عرب کی وہ جاہلیت مراد ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے رواج اور سماج میں جگہ پکڑے ہوئے تھی، اس زمانہ کی عورتیں بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ بلا جھجک بازاروں میں اور میلوں میں اور گلی کوچوں میں بے پردہ ہو کر پھرا کرتی تھیں اور بن ٹھن کے

نکلی تھیں، سر پر یا گلے میں فیشن کے لئے دوپٹہ ڈال دیا، نہ اس سے سینہ ڈھکا نہ کان اور چہرہ چھپایا، جدھر کو جاتا ہوا اٹھ پڑیں، مردوں کی بھیڑ میں گھس گئیں نہ اپنے پرائے کا امتیاز، نہ غیر محرموں سے بچنے کا فکر، یہ تھا جاہلیت اولیٰ کا رواج اور سماج، جو آج بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والی عورتوں میں جگہ لے چکا ہے، اور نئے مجتہدین پردہ شکنی کی دعوت دے کر اسی جاہلیت اولیٰ کو ترقی دینا چاہتے ہیں، جس کے مٹانے کے لئے قرآن کریم کا نزول ہوا، سورۂ احزاب ہی میں ارشاد ہے:۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَآ أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا. إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمًا

"اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔"

یہاں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آیات بالا میں اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب ہے، پھر آپ دوسری مسلمان عورتوں پر اس قانون کو کیوں لاگو کرتے ہیں؟ یہ لچر سوال شریعت کا بھرپور علم نہ ہونے کے باعث اٹھایا جاتا ہے، اگر قرآن کے مزاج سے یہ لوگ واقف ہوتے اور اس کو جان لیتے کہ قرآن کا خطاب خاص اور مورد عام ہوا کرتا ہے تو ایسا سوال نہ کرتے، حضرات صحابہ کرامؓ، خلفاء راشدینؓ، ائمہ مجتہدینؒ، سلف صالحینؒ ہمیشہ یہی سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ان آیات میں گو ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہ احکام تمام عورتوں کے لئے عام ہیں، اجماع امت اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان آیات کا حکم امت کی تمام ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے عام ہے۔

ایک موٹی سمجھ والا انسان بھی (جسے خدا کا خوف ہو) ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا کہ جب ازواج مطہراتؓ کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے گھروں ہی میں رہا کریں، اور جاہلیت اولیٰ کے دستور کے مطابق باہر نہ نکلیں حالانکہ ان کو تمام مومنین کی مائیں فرمایا گیا ہے۔ (وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ) تو امت کی دوسری عورتوں کے لئے بے پردہ ہو کر باہر نکلنا کیونکر درست ہوگا؟ شرف اور احترام کے باعث امت کی نظریں جن مقدس خواتین پر نہیں پڑ سکتی تھیں، جب ان کو بھی قرار فی البیوت (یعنی گھروں میں رہنے) کا حکم دیا گیا ہے، تو جن عورتوں کی طرف قصداً نظریں اٹھائی جاتی ہوں اور خود یہ عورتیں بھی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں ان کو جاہلیت اولیٰ کے طریقہ پر باہر نکلنے کی کیسے اجازت ہوگی؟ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ خاندان نبوت کی چند خواتین کو مستثنیٰ کر کے امت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت کی طرح باہر پھرنے کی اجازت قرآن شریف کی طرف سے دی گئی ہو؟ آیات مذکورہ میں جو احکام مذکور ہیں ذرائع فساد کو روکنے کے لئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں ان ذرائع سے روکنے کی زیادہ محتاج ہیں، پھر عام عورتوں کو ان احکام سے مستثنیٰ کرنا جہالت نہیں تو کیا ہے؟

قرآن میں تمام عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے

سورۂ احزاب میں یہ بھی ارشاد ہے۔ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ

"اے نبیؐ! آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے (کہ جب مجبوری کی بناء پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کے) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا لیا کریں۔"

اس آیت سے چند امور ثابت ہوئے اول۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور صاحبزادیوں کے ساتھ دیگر مسلمانوں کی عورتوں کو بھی پردہ اور چہرہ ڈھانک کر نکلنے کے حکم میں شریک فرمایا گیا ہے اس سے بھی ان لوگوں کی خام خیالی کی واضح طور پر تردید ہوگئی جو یہ باطل دعویٰ کرتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے مخصوص تھا۔

دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہو رہی ہے وہ پردہ کے لئے چہرہ پر چادر لٹکانے کا حکم ہے۔ اس سے ان جاہل اور گمراہ تجدد پسندوں کے دعووں کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرہ چھپا کر نکلنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔

أَمَرَ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ فِيْ حَاجَةٍ أَنْ يُّغَطِّيْنَ وُجُوْهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِنَّ بِالْجَلَابِيْبِ وَيُبْدِيْنَ عَيْنًا وَّاحِدَةً

"یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو ان چادروں سے چہروں کو ڈھانک لیں جو سروں کے اوپر بڑی چادریں اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کے لئے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔"

تیسری چیز جو اس آیت سے واضح ہو رہی ہے وہ پردہ کے لئے "جلباب" استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عربی زبان میں جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی تھیں، قرآن شریف نے آیت بالا میں حکم دیا ہے کہ عورتیں جس طرح جلباب یعنی جسم پر اور پہنے ہوئے کپڑوں پر لپیٹتی ہیں اسی طرح چہروں پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں، اس طرح چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقوں کی عورتوں میں اب تک ہے، اور برقعہ اسی جلباب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے برقعہ کی نسبت یہ کہنا کہ شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے سراسر جہالت ہے، برقعہ کا ثبوت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے ہو رہا ہے۔

اور بعض جاہل یہ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم ہنگامی حالت کے لئے تھا، اس وقت منافقین شرارت کرتے تھے، لیکن جب کہ منافقین کی سرکوبی ہوگئی اور ان سے خطرہ نہ رہا تو یہ حکم بھی منسوخ ہو جانا چاہئے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا اور اس دور میں جبکہ فتنہ و فساد بہت زیادہ ہے، عصمت و عفت کے دشمن بڑھ گئے ہیں، جو بد نظر اور بد نفس ہیں، جو بد باطنی کے باعث عورتوں کو تاکتے جھانکتے اور پریشان کرتے ہیں تو اس حکم کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی، آیت کا سبب نزول جو بھی ہو حکم عام ہوا کرتا ہے إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔

ایک غلط فہمی کی تردید

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم تو اسلام میں ہے لیکن چہرہ کا پردہ نہیں ہے۔ ان نادانوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ اگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے تو مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا کیوں حکم ہے؟ (جو سورۂ نور میں واضح طور پر موجود ہے) چہرہ ہی میں تو کشش ہے، اور وہی مجمع المحاسن ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے چہرہ ڈھانکنے کا واضح حکم معلوم ہو رہا ہے، اور بعض لوگوں کو نماز کے مسئلہ سے دھوکہ ہوا ہے، عورت کا ستر نماز کے لئے اتنا ہے کہ چہرہ اور گٹوں تک دونوں ہاتھ

اور ٹخنوں تک دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ایسے کپڑے سے ڈھانکا ہوا ہے کہ بال اور کھال اچھی طرح چھپ جائے نماز میں اگر چہرہ کھلا رہے تو نماز ہو جائے گی۔ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ شرائط نماز کے بیان میں لکھا ہے پردہ کے بیان میں نہیں لکھا۔ منہ کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے کا ثبوت دینا بڑی بددیانتی ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں، ان پاک طینت بزرگوں کے دل پہلے ہی کھٹک گئے تھے کہ فاسد الخیال لوگ مسائل نماز کی تصریحات سے نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے پر استدلال کریں گے۔ درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ اور کفین "ہتھیلیاں" اور قدمین (پاؤں) ڈھانکنا صحت نماز کے لئے ضروری نہیں ہے وہیں یہ بھی درج ہے۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة الخ (درمختار ص ۲۸۴ ج ۱)

"اور جوان عورت کو (نامحرم) مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا (اور یہ روکنا) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس لئے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔" (درمختار ص ۲۸۴ ج ۱)

شیخ ابن نجیم الحنفی شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وفي الفتاوى الصحيح ان المعتبر في فساد الصلوة انكشاف ما فوق الاذنين وفي حرمة النظر بسوى بينهما اى ما فوق الاذنين وتحتهما

"فتاویٰ کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں سے اوپر (یعنی بال اور سر) کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی، اور غیر مردوں کے دیکھنے کانوں کے اوپر کا حصہ اور کانوں کے نیچے کا حصہ یعنی چہرہ وغیرہ سب دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔"

بہت سے لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں اور پردہ کو بھی مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کے تحت احکام مولویوں نے ایجاد کئے ہیں یہ لوگ ملحدین بددین لوگوں کی باتوں سے متاثر ہیں، جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑا بہت اسلام سے تعلق باقی ہے ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے شیطان نے یہ بڑی چال چلی ہے کہ ہر ایسے حکم کو جس کے ماننے سے نفس گریز کرتا ہو مولوی کا تراشیدہ بتا دیتا ہے اور اس کی بات کو باور کرنے والے اس دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم نے نہ تو اسلام کو جھٹلایا نہ قرآن کے ماننے سے پہلو تہی کی، بلکہ مولوی کے غلط مسئلہ کا انکار کیا ہے، کاش یہ لوگ اپنی مومنانہ ذمہ داری کا احساس کرتے اور علماء حق سے مکمل طور پر ان سے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے، اور ان کے بیان کردہ مسائل کے دلائل معلوم کر کے اپنے نفوس کو مطمئن کرتے۔ علماء حق اپنی طرف سے کسی بھی کوئی حکم کو تجویز کر کے امت کے سر نہیں منڈھتے، اور نہ وہ ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ چونکہ علماء کرام کو قرآن و حدیث کی تشریحات اور احکام شرعیہ کی پوری پوری تفصیلات معلوم ہیں، نیز دین کی وسعتیں اور حکمتیں بھی جانتے ہیں، وہ شرعی پابندیوں اور عزیمتوں سے بھی واقف ہیں، اس لئے تحریر یا تقریر احکام شرعیہ کی حدود و قیود اور ضوابط و شرائط سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے نیم ملا چونکہ شریعت کا پورا علم نہیں رکھتے، اس لئے حقائق شرعیہ اور بالکل متفق علیہ مسائل دینیہ کو مولوی کی ایجاد کہہ کر ٹال دیتے ہیں،

اور یہ عجیب تماشہ ہے کہ جس مسئلہ پر عمل نہ کرنا ہو اس سے بچنے کے لئے "ایجادِ مولوی" کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں، حالانکہ نماز، روزہ وغیرہ کے جن مسائل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی تو مولویوں نے ہی بتائے ہیں، لیکن چونکہ ان سے گریز کرنے کی نیت نہیں ہے اس لئے ان کو صحیح مانتے ہیں، میدان قیامت میں جب پیشی ہوگی تو کیا ایسی کج روی اور حیلہ سازی جان بچا سکے گی؟

عہد رسالت میں پردہ کا خاص اہتمام تھا

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ خَیْبَرَ وَالْمَدِیْنَۃِ ثَلٰثًا یُبْنٰی عَلَیْہِ بِصَفِیَّۃَ بِنْتِ حُیَیٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی وَلِیْمَتِہٖ فَمَا کَانَ فِیْہَا مِنْ خُبْزٍ وَّلَا لَحْمٍ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَاُلْقِیَ فِیْہَا مِنَ التَّمْرِ وَالْاَقِطِ وَالسَّمْنِ فَکَانَتْ وَلِیْمَتَہٗ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِحْدٰی اُمَّہَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ مِمَّا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَقَالُوْا اِنْ حَجَبَہَا فَہِیَ مِنْ اُمَّہَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ یَحْجُبْہَا فَہِیَ مِمَّا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّاَ لَہَا خَلْفَہٗ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَیْنَہَا وَبَیْنَ النَّاسِ (رواہ البخاری)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین روز خیبر اور مدینہ کے درمیان قیام فرمایا، تینوں دن حضرت صفیہؓ نے آپؐ کے ساتھ شب باشی کی (اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا) ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی نہیں تھی (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چمڑے کے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا، جس پر کھجوریں اور پنیر اور گھی لاکر رکھ دیا گیا، میں لوگوں کو بلا لایا، اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی، (پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ) لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہؓ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا ہے یا باندی بنالیا ہے پھر ان لوگوں نے خود ہی اس کا فیصلہ کرلیا کہ آپؐ نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی ہیں اور امہات المومنین میں سے ہیں ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپؐ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے جب کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کے لئے پیچھے جگہ بنائی اور ان کو سوار کرکے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ (اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ ام المومنین ہیں)۔" ([illegible])

تشریح: ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے گئے خیبر میں یہودی رہتے تھے (ان میں حضرت صفیہ کا باپ حیی بن اخطب بھی تھا) اس جنگ میں حضرت صفیہؓ کا شوہر قتل ہوگیا تھا، جنگ کے ختم پر جب قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ بھی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کرکے نکاح فرمالیا۔

حضرات صحابہؓ میں یہ بات بہت مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی تھی کہ حرہ یعنی آزاد عورت کو پردہ میں رہنا لازم ہے، اسی لئے انہوں نے خود ہی فیصلہ کرلیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی ہیں، ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپؐ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے، پھر جب روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا تو سب نے سمجھ لیا کہ لونڈی نہیں بلکہ بیوی ہیں، اگر اس زمانہ میں پردہ کا رواج نہ ہوتا تو حضرات صحابہؓ کے دلوں میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

اوپر کے مسئلہ میں لونڈی سے مراد شرعی لونڈی ہے، جو کافر عورتیں میدان جہاد سے قید ہو کر آتی تھیں اور امیر المؤمنین ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیتا تھا، وہ شرعی لونڈیاں بن جاتی تھیں، مسلمانوں نے جب سے شرعی جہاد چھوڑا ہے اس وقت سے غلام اور باندیاں بھی موجود نہیں رہیں، جو عورتیں ملازمت اور مزدوری پر گھروں میں کام کرتی ہیں یہ لونڈیاں اور باندیاں نہیں ہیں، ان کو پردہ کا ویسا ہی اہتمام کرنا لازم ہے جو ہر آزاد عورت کے لئے ضروری ہے، اسی طرح جو لڑکے امیر گھر والوں میں ملازم ہوتے ہیں، جب بالغ ہو جائیں یا بلوغ کے قریب پہنچ جائیں تو ان سے پردہ کرنا لازم ہے، کیسی بے شرمی کی بات ہے کہ نوکروں کے سامنے بہو بیٹیاں آتی ہیں اور ذرا بھی گناہ اور عیب نہیں سمجھتیں۔

سفر میں شادی اور ولیمہ۔ حدیث بالا میں جو واقعہ مذکور ہے ہم لوگوں کے لئے ایک اور اعتبار سے بھی قابل عبرت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر ہی میں نکاح فرما لیا اور سفر ہی میں شب زفاف ہوگئی، اور ولیمہ بھی وہیں ہو گیا، لوگوں نے شادی بیاہ کے لئے بڑے بکھیڑے تجویز کر رکھے ہیں، ان بکھیڑوں کی وجہ سے شادیوں میں دیر ہو جاتی ہے، اور بھاری قرضوں سے زیر بار ہو جاتے ہیں، دنیا بھر کے عزیز و قریب جمع ہوں، جو سفر کے اخراجات کر کے آئیں، اور عورتوں کی تراشی ہوئی رسموں کی پابندی ہو، مکان لیپ پوت کر مزین کئے جائیں، دولہا دلہن کے لئے بہت جوڑے بیش بہا زیورات تیار ہوں، اور اسی طرح کی بہت سی قیدیں اور شرطیں پیچھے لگا رکھی ہیں جو خاندانوں کے لئے عذاب بنی ہوئی ہیں، ان رسوم کو بہت سے لوگ مصیبت سمجھتے تو ہیں مگر عورتوں کے پھندے میں اور رواج کے شکنجہ میں اپنے کو ایسا پھنسا رکھا ہے کہ سنت کے موافق سادہ طریقہ پر بیاہ شادی کرنے کو عیب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

ایک بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اس موقع پر ولیمہ کیا اس میں گوشت روٹی نہیں تھی، بلکہ کچھ پنیر تھا، اور کچھ دوسری چیزیں تھیں، حاضرین کے سامنے وہی رکھ دی گئیں، معلوم ہوا کہ ولیمہ بغیر بکرے کاٹے اور قیمتی کھانے پکوائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور غریب آدمی ولیمہ کی سنت پر عمل کر سکتا ہے، اس طرح کے ولیمہ سے کوتاہ شرم ہوگا جس سے آج کے مسلمان حریص ہیں، مگر سنت ادا ہو جائیگی۔

مصیبت کے وقت بھی پردہ لازم ہے

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا أُمُّ خَلَّادٍ وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ تَسْأَلُ عَنْ ابْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ فَقَالَ لَهَا بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنْ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُتَنَقِّبَةٌ فَقَالَتْ إِنْ أُرْزَأْ ابْنِيْ فَلَنْ أُرْزَأْ حَيَائِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُكِ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدَيْنِ قَالَتْ وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِأَنَّهُ قَتَلَهُ أَهْلُ الْكِتَابِ۔ (رواہ ابو داؤد کتاب الجہاد)

"حضرت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی عورت جن کو ام خلاد کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں، ان کا بیٹا (کسی غزوہ میں) شہید ہو گیا تھا، جب وہ آئیں تو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلادؓ نے جواب دیا کہ اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہوگئی ہوں تو اپنی شرم و

حیاء کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا) حضرت ام خلادؓ کے پوچھنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔" (سنن ابوداؤد ص ۳۳۶ ج ۱ کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم)

تشریح: اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے، رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے، بہت سے مرد اور عورت ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک شریعت کا کوئی قانون مصیبت کے وقت لاگو نہیں ہے، جب گھر میں کوئی موت ہو جائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں، جنازہ جب گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازے کے باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں، اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو، غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

علاج کرانے میں پردہ کا اہتمام واجب ہے

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اِسْتَأْذَنَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَأَمَرَ أَبَا طَيْبَةَ أَنْ يَحْجِمَهَا قَالَ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ أَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ أَوْ غُلَامًا لَمْ يَحْتَلِمْ. (رواہ مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پچھنے لگوانے کی اجازت طلب کی لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو پچھنے لگا دیں۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ابوطیبہ سے جو پچھنے لگوائے تو میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ام سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔" (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ بحوالہ مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے سلسلہ میں بھی پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر معالج کے سامنے بے پردہ ہو کر آ جانے میں کچھ حرج نہ ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کیوں بتانا پڑتا کہ ابوطیبہ حضرت ام سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی یا نابالغ لڑکے تھے، ہمارے زمانہ کے لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جن خاندانوں اور گھروں میں پردہ کا اہتمام ہے علاج کے مسئلہ میں ان کے یہاں بھی پردہ کا خیال چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مسئلہ: حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کیلئے محرم کو تلاش کریں اگر کوئی محرم معالج نہ ملے تو غیر محرم سے بھی علاج کرا سکتے ہیں۔

علاج کیلئے ستر کھولنے کے احکام

لیکن اس میں شریعت کے ایک اہم اصول الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ کا خیال رکھنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہے معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے، مثلاً علاج کے لئے نبض دیکھنے والی کہنے سے کام چل سکتا

ہے تو اس سے زیادہ دیکھنے یا ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح اگر بازو میں یا پنڈلی میں زخم ہے تو جتنی جگہ بوجہ مجبوری دیکھنے کی ضرورت ہو بس اسی قدر معالج دیکھ سکتا ہے، اگر علاج کی مجبوری کے لئے آنکھ، ناک، دانت دیکھنا ہے تو اس صورت میں پورا چہرہ کھولنا جائز نہیں، جس قدر دیکھنے سے کام چل سکتا ہو بس اسی قدر دیکھ سکتے ہیں، بلکہ ایسے معالج کے لئے بھی یہی تفصیل ہے، جو عورت کا محرم ہو، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محرم کے لئے بھی اپنی محرم عورت کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کو اپنے محرم کے سامنے پیٹ اور پیٹھ اور ران کھولنا منع ہے، پس اگر پیٹ یا پیٹھ میں زخم ہو تو حکیم، ڈاکٹر خواہ محرم ہو یا نامحرم صرف زخمی جگہ دیکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ دکھانا گناہ ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تاکہ پیٹ یا پیٹھ کے بقیہ حصہ پر اس کی نظر نہ پڑے، اور چونکہ عورت کو ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی عورت کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ہے اس لئے اگر لیڈی ڈاکٹر کو مثلاً ران یا سرین کا پھوڑا وغیرہ دکھانا مقصود ہو تو اس صورت میں بھی کپڑا کاٹ کر صرف پھوڑے کی جگہ دکھائی جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ضرورت کے لئے حکیم ڈاکٹر کو جو جگہ دکھائی جائے تو حاضرین میں جو عزیز واقارب موجود ہوں ان کو اس جگہ کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر حاضرین میں سے کوئی شخص ایسا ہے جسے شرعاً اس جگہ کا دیکھنا جائز ہے تو وہ اس پابندی سے خارج ہے، مثلاً اگر پنڈلی میں زخم ہے اور ڈاکٹر یا جراح کو دکھانا ہے اور عورت کا باپ یا حقیقی بھائی بھی وہاں موجود ہے اس نے اگر دیکھ لیا تو گناہ نہ ہوگا، کیونکہ پنڈلی کا کھولنا محرم کے سامنے درست ہے۔

فائدہ:۔ یہ تفصیل جو ابھی ابھی ذکر کی گئی ہے مرد کے علاج کے سلسلہ میں بھی ہے کیونکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے، اگر ران یا سرین کا زخم کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہے، یا کولھے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگوانا ہے تو صرف ڈاکٹر بقدر ضرورت دیکھ سکتا ہے، دوسرے لوگوں کو دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ:۔ زمانہ حمل وغیرہ میں اگر دائی سے پیٹ ملوانا ہو تو ناف سے نیچے کا بدن کھولنا درست نہیں ہے، چادر وغیرہ ڈال لینی چاہئے، بلا ضرورت کوئی جگہ دائی کو بھی دکھانا جائز نہیں۔

ولادت کے موقع پر بے احتیاطی۔ بچہ پیدا ہونے کے وقت دائی اور نرس کو صرف بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے علاوہ ازیں پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہنیں ہی ہوں ان کو بھی دیکھنا منع ہے کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے لہٰذا ان کو نظر ڈالنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتے ہیں اور سب عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے

مسئلہ:۔ اگر غیر مسلم دائی یا نرس بچہ پیدا کرنے کے لئے بلائی جائے تو اس کے سامنے سر کھولنا حرام ہوگا، کیونکہ کافر عورت کے سامنے مسلمان عورت صرف منہ اور پہنچوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے دونوں پیر کھول سکتی ہے، ان کے علاوہ ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں، غیر مسلم عورتیں مثلاً بھنگن، دھوبن، نرس، لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب سے متعلق یہی حکم ہے۔

بعض جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ رواج ہے کہ بجائے دائیوں کے مرد ڈاکٹروں سے بچہ جنواتے ہیں، جبکہ اپنی ہم جنس کو بھی اپنی جنس کے ستر کی طرف بھی بلا ضرورت نظر ڈالنا ممنوع ہے تو غیر جنس کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے اور غیر جنس میں بھی جتنا بعد ہوتا جائے گا اتنا ہی ممانعت اور حرمت میں تشدد بڑھتا جائے گا، مسلمان عورت کی ہم جنس قریب مسلمان عورت ہے،

اول بوقت ضرورت اس کو اختیار کیا جائے، اس کے بعد کا فر عورت ہے، اس کے بعد ڈاکٹر کی اگر ضرورت ہی آ پڑے تو مسلمان ڈاکٹر کو اختیار کیا جائے وہ بھی نہ ہو تو کافر کی طرف رجوع کیا جائے، نہ یہ کہ اولاً ہی کافر مرد کے پاس لے جائیں یا اس کو بلائیں، یہ سخت بے حیائی اور گناہ اور تقلید بے جا ہے، اور بچہ کی پیدائش کرانے کے لئے ڈاکٹر اور نرس کا ضروری ہونا قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ جب تک یہ رواج شروع نہ ہوا تھا تب بھی برابر بچے ہوتے تھے، اور اب بھی جن خاندانوں میں غیرت اور حمیت ہے ان میں برابر بچے ہوتے ہیں، اور دائیاں پردہ کے ساتھ سب کام کرتی ہیں۔

تنبیہ:۔ بعض عورتیں منہیار سے چوڑیاں پہنتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پڑتا ہے، یہ گناہ ہے چونکہ ایسا کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

سسرال والے مردوں سے پردہ کی سخت تاکید

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ اَلْمَوْتُ (رواہ البخاری ومسلم)

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس مت جایا کرو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ عورت کی سسرال کے مردوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سسرال کے رشتہ دار تو موت ہیں۔" (مشکوٰۃ ص ۲۶۸ بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جو سب سے زیادہ قابل توجہ چیز ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سسرال کے مردوں کو موت سے تشبیہ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے جیٹھ اور دیور اور نندوئی وغیرہ سے اور اسی طرح سسرال کے دوسرے مردوں سے گہرا پردہ کرے، یوں تو ہر نامحرم سے پردہ کرنا لازم ہے، لیکن جیٹھ دیور اور ان کے رشتہ داروں کے سامنے آنے سے اس طرح بچنا ضروری ہے جیسے موت سے بچنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنا سمجھ کر اندر بلا لیا جاتا ہے اور بلا تکلف جیٹھ دیور اور شوہر کے عزیز و اقارب اندر چلے جاتے ہیں، اور بہت سے زیادہ خلا ملا کر لیتے ہیں، اور ہنسی دل لگی تک کی نوبتیں آ جاتی ہیں، شوہر یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو اپنے لوگ ہیں ان سے کیا روک ٹوک کی جائے، لیکن جب دونوں طرف سے یگانگت کے جذبات ہوں اور کثرت سے آنا جانا ہو اور شوہر گھر سے غائب ہو تو پھر ان ہونے واقعات تک رونما ہو جاتے ہیں، ایک پڑوسی کسی عورت کو اتنی جلدی اغوا نہیں کر سکتا جتنی جلدی اور با آسانی دیور جیٹھ اور چچا زاد بھائی کو اغوا کرنے یا بے حیائی کے کام پر آمادہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سسرال کے مردوں سے بچنے اور پردہ کرنے کی سخت تاکید فرمادی ہے اور ان لوگوں کو موت بتا کر یہ بتا دیا ہے کہ ان سے ایسا پرہیز کرو جیسے موت سے بچتی ہو، اور مردوں کو بھی حکم ہے کہ اپنی بھاوج اور سالے وغیرہ کی بیوی سے خلا ملا نہ رکھیں، اور نظر نہ ڈالیں۔ قال فی اللمعات والمراد تحذیر المرأۃ منھم کما یحذر من الموت فان الحرف من الاقارب اکثر والفتنۃ منھم لوقع لتمکنھم من الوصول والخلوۃ من غیر نکیر۔

بعض عورتیں اپنے دیور کی چھوٹی عمر میں پرورش کرتی ہیں اور جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس سے پردہ کرنے کو برا سمجھتی ہیں،

اور اگر مسئلہ بتایا جاتا ہے کہ یہ نامحرم ہے تو کہتی ہیں کہ اس کو ہم نے چھوٹا سا پالا ہے، رات دن سامنے رہا ہے اس سے کیا پردہ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے، کہ آدمی گناہ بھی کرے اور شریعت کے مقابلہ میں کٹ حجتی پر اتر آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو دیور کو موت بتائیں اور جہالت کی ماری عورتیں ان کے سامنے آنے کو ضروری سمجھیں، یہ کیا مسلمانی ہے؟

تنبیہ:۔ پردہ حق شرع ہے، شوہر کا حق نہیں ہے، بہت سی عورتیں سمجھتی ہیں کہ شوہر جس سے پردہ کرائے اس سے پردہ کیا جائے اور شوہر جس کے سامنے آنے کو کہے اس کے سامنے آجائیں، یہ سراسر غلط ہے، شوہر ہو یا کوئی دوسرا شخص اس کے کہنے سے گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہو جاتی، خوب سمجھ لو۔

نابینا سے پردہ کرنے کا حکم

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةُ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

"ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک عبد اللہ بن ام مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سامنے سے آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے (چونکہ عبد اللہ نابینا تھے، اس لئے ہم دونوں نے ان سے پردہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں! اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں (بھی) نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟" (مشکوٰۃ ص ۲۶۹ از احمد و ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی جہاں تک ممکن ہو سکے مردوں پر نظر نہ ڈالیں، حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے، با کبار صحابی تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دونوں بیویاں نہایت پاک دامن تھیں، اس کے باوجود بھی آپ نے دونوں بیویوں کو حکم فرمایا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کریں، یعنی ان پر نظر نہ ڈالیں۔

دیکھو! جہاں بد نظری کا ذرا بھی احتمال نہ تھا وہاں اس قدر سختی فرمائی گئی تو آج کل کی عورتوں کے لئے اس امر کی کیوں کر اجازت ہو سکتی ہے کہ مردوں کو جھانکا تاکا کریں، ہاں اگر کوئی عورت کسی مجبوری سے سفر میں نکل اور راستہ چلتے ہوئے بلا اختیار راہ گیروں پر نظر پڑ گئی تو وہ دوسری بات ہے، لیکن قصداً وارادۃً مردوں پر نظر ڈالنا منع ہے۔ سورۂ نور کی آیت پیچھے گذر چکی ہے جس میں مردوں اور عورتوں کو نظریں پست کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اسی سے بیاہ شادی کی اس قبیح رسم کی ممانعت بھی معلوم ہوئی کہ جب دولہا دولہن کو لے کر رخصت ہونے لگتا ہے تو اس کو سلامی کے لئے گھر کے اندر بلایا جاتا ہے، اور جو عورتیں کنبہ کی یا پاس پڑوس کی یا محلہ کی دور دراز سے آنے والی موجود

ہوتی ہیں سب دولہا کو دیکھتی ہیں، اور سالیاں اس سے مذاق کرتی ہیں، کوئی اس کا جوتا چھپاتی ہے، اور کوئی اس کے منہ پر چونا لگاتی ہے اس طرح عورتوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر محرم مرد کا آ جانا جو جوانی سے بھرپور ہے اور بہترین لباس و پوشاک پہنے ہوئے ہے کسی طرح درست نہیں، خصوصاً جبکہ عورتوں کا مقصد بھی دولہا کو دیکھنا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سلامی کی مجلس برخاست ہونے کے بعد عورتیں بڑی بے باکی سے دولہا کی شکل و صورت پر تبصرہ کرتی ہیں۔

بدنظری سبب لعنت ہے

وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

"حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔" (مشکوٰۃ ص ۲۷۰ از بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے، جس میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہر نظر حرام کو مستحق لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی بھی مرد و عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے شریعت کے خلاف نظر ڈالی جا سکے، یا کوئی بھی مرد و عورت کسی مرد و عورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا دیکھنے والے کے لئے حلال نہ ہو تو یہ دکھانے والا بھی مستحق لعنت ہے۔

اپنے اختیار سے بے پردگی کی جگہ کھڑا ہونے کی مذمت

مزید تشریح یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر پردے کے بازار میں یا میلے میں یا پارک میں چلی گئی، جس کی وجہ سے غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد اور عورت اس لعنت کے مستحق ہوئے، اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر کو جھانکتی ہے تو یہ عورت بدنظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے، اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے سے بھی لعنت کی مستحق ہوئی، اسی طرح سے شادی کے موقع پر سلامی کے لئے جب دولہا اندر گھر میں آ گیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں، کسی عورت نے کسی عورت کو ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کا حصہ پورا یا کچھ دکھا دیا تو دیکھنے والی اور دکھانے والی دونوں لعنت کی مستحق ہوئیں، اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کا پورا حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے، کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا بازو یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں نے لعنت کا کام کر لیا، بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک فراک پہنے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پائجامہ کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جانگیا پہنے رہتی ہیں، جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے گھر کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں اس طرح سے گھر کے سب مرد و عورت مستحق لعنت ہوتے ہیں۔

نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے اور رات گذارنے کی ممانعت

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ (رواہ ترمذی)

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد جب کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا فرد شیطان بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔" (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹، از ترمذی)

تشریح: شیطان کا کام معلوم ہی ہے کہ وہ گناہ کراتا ہے، جب بھی کوئی مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو شیطان بھی وہاں موجود ہوگا جو دونوں کے جذبات کو ابھارے گا، اور دونوں کے دلوں میں خراب کام کرنے کے وسوسے ڈالے گا، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ غیر محرم کے پاس تنہائی میں رہنے کی ممانعت فرمائی، اس ممانعت پر بڑی سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے، خواہ استاد ہو، پیر ہو یا ماموں، پھوپھی، چچا اور خالہ کا بیٹا ہو ان کے پاس تنہائی میں رہنے سے عورت کو پرہیز کرنا لازم ہے اور مردوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے اٹھنے سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے، نامحرم سے خلا ملا گناہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ (رواہ مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار کوئی شخص ہرگز کسی بے شوہر والی عورت کے پاس رات نہ گذارے الا یہ کہ ایسا شخص ہو جس نے اس عورت سے نکاح کر لیا ہو یا اس کا محرم ہو۔" (مشکوٰۃ ص ۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث پاک میں بہت سختی کے ساتھ اس چیز کی ممانعت کی گئی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی یا محرم عورت کے علاوہ کسی غیر محرم کے پاس رات گذارے، یہ ممانعت بڑی دور اندیشی پر مبنی ہے، اور اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے، یوں تو ہر وقت ہی نامحرم مرد و عورت کا تنہائی میں رہنا منع ہے، جیسا کہ ابھی ابھی گذشتہ حدیث میں گذرا، لیکن خصوصیت کے ساتھ کسی غیر محرم کے ساتھ رات گذارنے کی ممانعت سختی کے ساتھ اس لئے فرمائی کہ رات کی اندھیری اور یکسوئی میں گناہ کرنے کا موقع مل جانا آسان ہوتا ہے، اس ممانعت میں ہر نامحرم آ گیا، جیٹھ، دیور، نندوئی، چچا زاد بھائی، ماموں اور پھوپھی کا لڑکا، یہ سب غیر محرم ہیں، عورتیں عموماً ان کے پاس بے دریغ تنہائی میں چلی جاتی ہیں، اور رات ہو یا دن ان سے پردہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتی ہیں، شریعت کے نزدیک یہ سخت منع ہے، مرد و عورت دونوں کے لئے حکم برابر ہے، کہ نامحرم کے ساتھ تنہائی میں رات نہ گذاریں، حدیث میں خصوصیت سے مرد کو اس لئے خطاب فرمایا کہ مرد طاقتور ہوتا ہے اگر وہ تنہائی میں کسی نامحرم عورت کے پاس پہنچ جائے تو عورت اس کو ہٹانے سے عاجز ہو گی، لہٰذا خطاب کا رخ مرد کی طرف رکھا گیا، کہ غیر عورت کے پاس رات نہ گذارے، اگر کوئی مرد اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو عورت پر لازم ہے کہ وہاں سے چل دے اور اس مرد کو تنہا چھوڑ دے، حدیث میں لا یبیتن رجل عند امرأۃ ثیب فرمایا ہے "ثیب" بیوہ عورت کو کہتے ہیں، جس کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ثیب کہتے ہیں، اس عموم میں بیوہ بھی آ گئی اور کنواری بھی اور مطلقہ بھی۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں کہتے ہیں کہ ثیب کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ نکاح کی خواہش

رکھنے والے یا خراب خیال والے لوگ بیوہ کو بے ٹھکانہ سمجھ کر اس کے پاس آنا جانا رکھنا چاہتے ہیں، اور کنواری لڑکی کے پاس بے محابا جانے کی جرأت بھی نہیں کرتے، اور خود بھی اپنے کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے، اور گھر والے بھی اس کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں، اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب ثیب کے پاس غیر محرم کو رات گذارنے کی ممانعت ہے، حالانکہ اس کے پاس آنے جانے میں تساہل برتا جاتا ہے تو کنواری عورت کے پاس نامحرم کو رات گذارنا بطریق اولیٰ منع ہوا۔

مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے

وعن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی ثوب واحد (رواہ مسلم)

"حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھے، اور نہ ننگے ہو کر دو مرد ایک کپڑے میں لیٹیں اور نہ دو عورتیں ایک کپڑے میں ننگی ہو کر لیٹیں۔" (مشکوۃ ص ۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے، لیکن پردوں میں تفصیل ہے، ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے، بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلف دکھا دیتے ہیں، یہ سراسر حرام ہے، اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے، اور کافر عورت کے سامنے منہ اور گٹے تک ہاتھ اور ٹخنے تک پیر کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ یا کوئی بال کھولنا بھی درست نہیں، بچہ پیدا ہونے کے چھ روز بعد زچہ کو غسل کرایا جاتا ہے تو گھر کی سب عورتیں اس کو ننگی کر کے نہلاتی ہیں، ماں دائی وغیرہ سب دیکھتی ہیں، یہ بہت بڑی بے غیرتی ہے اور حرام ہے۔

مسئلہ: جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے، چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کہ کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو ہاتھ لگائے اسی طرح کوئی عورت ناف سے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی، اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں ننگے ہو کر لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لئے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں ننگی ہو کر نہ لیٹیں۔

شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کا حال بیان کرنے کی ممانعت

وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتھا لزوجھا کانہ ینظر الیھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک

عورت دوسری عورت کے ساتھ ہم مجلس ہونے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے اس دوسری عورت کا پورا پورا حال (ناک نقشہ اور حسن و جمال وغیرہ کا) اس طرح بیان نہ کرے کہ جیسے وہ اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔" (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ از بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے شوہر کے سامنے کسی بات کے سلسلہ میں یوں ہی اگر کسی عورت کا ذکر آ جائے تو اس حد تک مضائقہ نہیں ہے، لیکن اس کے سامنے کسی عورت کا پورا پورا حال اس طرح بیان نہ کرے کہ جسے سن کر اس عورت کے حسن و جمال اور خد و خال کا نقشہ اس کے ذہن میں آ جائے، کسی عورت کے احوال کا ایسا صاف اور واضح بیان اپنے مرد کے سامنے کرنا بھی ایک طرح کی بے پردگی ہے، جیسے کسی کو آنکھ سے دیکھ کر طبیعت مائل ہو جاتی ہے ایسے ہی بغیر دیکھے حسن و جمال کا حال سن کر دل میں امنگ پیدا ہوتی ہے، اور دیکھنے اور ملاقات کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے لہٰذا اس طرح کے تذکرہ سے منع فرمایا، اور اس میں بیان کرنے والی کے نقصان کا بھی اندیشہ ہے، کیونکہ اپنا شوہر اگر اس عورت کے حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گیا تو پچھتائے گی۔

نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت

وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ نُبَايِعُهُ عَلَى الْاِسْلَامِ فَقُلْنَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُبَايِعُكَ عَلٰى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا وَّلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا وَلَا نَاْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَاَرْجُلِنَا وَلَا نَعْصِيَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قَالَتْ فَقُلْنَ اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنْ اَنْفُسِنَا هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ مِثْلُ قَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ. (رواہ مالک والنسائی وابن ماجہ)

"حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور چند دیگر عورتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوئیں، عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے ان شرطوں پر بیعت ہوتی ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اور کوئی بہتان کی اولاد نہ لا دیں گی، جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ڈالیں (اور اپنے شوہر کی اولاد بتائیں) اور نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں اور کہو کہ ہم اپنی طاقت کے مطابق پورا عمل کریں گی، یہ سن کر ان عورتوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنا ہم اپنے نفسوں پر رحم کرتے ہیں، اس کے بعد ان عورتوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ! زبانی اقرار تو ہم نے کر ہی لیا ہے) لائیے (ہاتھ میں ہاتھ دے کر بھی) آپ سے بیعت کر لیں، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا (جو میں نے زبان سے کہہ دیا سب کے لئے لازم ہو گیا اور الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ) سو عورتوں سے (بھی) میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہنا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۹ از مالک و ترمذی)

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ فَمَنْ اَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ بَایَعْتُکِ کَلَامًا وَلَا وَاللّٰہِ مَا مَسَّتْ یَدُہٗ یَدَ امْرَأَۃٍ قَطُّ فِی الْمُبَایَعَۃِ مَا یُبَایِعُھُنَّ إِلَّا بِقَوْلِہٖ قَدْ بَایَعْتُکِ.

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مومن عورتوں میں سے جس نے ان شرطوں کا اقرار کر لیا (جن کا گذشتہ حدیث میں اور سورۂ ممتحنہ میں ذکر ہے) تو اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبانی فرما دیا کہ میں نے تجھے بیعت کر لیا، (کیونکہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر آپ عورتوں کو بیعت نہ فرماتے تھے) خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بیعت کرتے وقت (بھی) کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا، آپ عورتوں کو صرف زبانی بیعت فرماتے تھے، آپ کا ارشاد تھا قد بایعتک، میں نے تجھے بیعت کر لیا۔" (صحیح بخاری ص ۷۲۶ ج ۲)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ بیعت کے سلسلہ میں نہیں چھوا، جب کسی عورت نے بیعت کے لئے عرض کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا، جب چند عورتوں نے اکٹھے ہو کر بیعت کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ "انی لا اصافح النساء" یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ سو عورتوں سے میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے ہی سے بیعت نہیں ہوتی بلکہ زبانی کہہ دینا بھی کافی ہے، وہیں جبکہ زبانی بیعت سے کام چل سکتا ہے تو غیر محرم عورتوں کا ہاتھ کیوں ہاتھ میں لیا جائے؟

اب ذرا ہم اپنے زمانہ کے نام نہاد پیروں اور جاہل مرشدوں کی بدحالی کا بھی جائزہ لیں، یہ پیری کے جھوٹے مدعی مریدنیوں میں بے حجابانہ پردہ کے اہتمام کے بغیر یوں ہی گھس جاتے ہیں اور مرید کرتے وقت ہاتھ میں ہاتھ بھی لیتے ہیں، جس کی وجہ سے عموماً ایسے واقعات بھی پیش آ جاتے ہیں جن کا پیش آ جانا بے پردگی اور بے شرمی کے بعد ضروری ہو جاتا ہے، بھلا ایسے فاسق لوگ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ کوئی مسلمان ان سے مرید ہو؟ ہرگز نہیں۔

تنبیہ: جو مرد و عورت آپس میں محرم ہوں ایک دوسرے کے ان اعضاء جسم کو چھو بھی سکتے ہیں جن کو شرعاً دیکھنا درست ہو، اور آپس میں مصافحہ بھی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ طرفین میں سے کسی کے متعلق شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اور غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا درست نہیں ہے، اگرچہ بلا شہوت ہو، یورپ و امریکہ کے طریقہ پر حکام کے طبقہ میں یا کسی بھی قسم کے لوگوں میں جو یہ دستور ہے کہ دعوتوں اور پارٹیوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ لے جاتے ہیں اور دوسروں کی عورتوں سے خود مصافحہ کرتے ہیں اور اپنی عورتوں سے نامحرموں کو مصافحہ کراتے ہیں یہ حرام ہے، اسلام کے احکام سب کے لئے ہیں، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا، ملکی ہو یا پردیسی، البتہ بہت بوڑھی سے مصافحہ کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور نفس پر اطمینان ہو۔

(قال فی الدر المختار اما العجوز التی لا تشتہی فلا باس بمصافحتہا ومس یدہا اذا امن) "بہت بوڑھی عورت جو ذرا بھی محل رغبت نہ رہی ہو، اس کو صرف چہرہ اور دونوں پہونچوں تک ہاتھ کھول کر غیر محرم کے سامنے آنے کی

اجازت ہے لیکن اس سے بھی پرہیز کرے تو بہتر ہے۔" سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ، وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

"اور بڑی بوڑھی عورتیں (جو بڑھاپے کے باعث حیض سے اور اولاد کے جننے سے) بیٹھ چکی ہیں، جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے (زائد) کپڑے (غیر محرم کے سامنے) اتار رکھیں، (جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے) بشرطیکہ اظہار زینت کا خیال نہ ہو اور اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

اس آیت میں بوڑھی کھوسٹ عورت کو نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ پرہیز کریں تو بہتر ہے، پھر جو عورت ذرا بھی محل رغبت ہو اس کے لئے چہرہ کھول کر غیر محرم کے سامنے جانے کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ اس کو نامحرموں کے سامنے چہرہ ڈھانکنے کا مستقل حکم بھی ہے۔

حماموں اور تالابوں میں غسل کرنے کے احکام

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُدْخِلْ حَلِیْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسْ عَلٰی مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَیْهَا الْخَمْرُ (رواہ الترمذی والنسائی)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ بغیر تہبند کے حمام میں نہ داخل ہو، اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۳۸۴ از ترمذی ونسائی)

تشریح: جو قومیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے محروم ہیں حیاء وشرم سے خالی ہیں، انسان کا نفس شرم وحیاء کی پابندی سے بچتا ہے، اس لئے جو دین حق کے پابند نہیں ہوتے شرم وحیاء سے بھی آزاد ہوتے ہیں مل جل کر مردوں اور عورتوں کا نہانا اور پردہ کا اہتمام نہ کرنا جاہلیت کی تہذیب قدیمہ میں بھی تھا اور اب تہذیب جدیدہ میں بھی ہے، حجاز سے باہر عہد نبوت میں ایسے حماموں کا رواج تھا جن میں مرد وعورت بغیر کسی پردہ اور شرم کے اکٹھے ہو کر نہایا کرتے تھے، اور یہ ان کے رواج اور سماج میں داخل تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاً تو مردوں اور عورتوں کو ایسے حمام میں غسل کرنے سے منع فرمایا، پھر بعد میں مردوں کو تہبند باندھ کر نہانے کی اجازت دی (لیکن یہ اجازت اس شرط سے ہے کہ کسی دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور کسی عورت پر نظر نہ ڈالے) اور عورتوں کے لئے ان حماموں میں نہانے کی ممانعت علی حالہ باقی رہی، کیونکہ پورے کپڑے پہن کر بھی عورت غسل کرے گی تب بھی مردوں کی نظریں اس کی طرف اٹھیں گی، بھیگا ہوا کپڑا بدن پر اس طرح چپک جاتا ہے کہ اجزاء بدن کو الگ الگ ظاہر کرتا ہے، اس حالت میں اگر مردوں کی نظر کسی عورت پر پڑے گی تو مزید کشش کا باعث بنے گی، ترغیب وترہیب کی ایک روایت میں ہے کہ تہبند اور کرتا اور دوپٹہ پہن کر بھی عورت کو مذکورہ بالا حماموں میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی۔

ہمارے اس زمانہ میں کلب بنانے اور اس کا ممبر بننے کا رواج ہے، انہی کلبوں میں بعض کلب نہانے کے اور بعض تیرنے کے بنائے جاتے ہیں، مرد و عورت لڑکے لڑکیاں اکٹھے مل کر نہاتے اور تیرتے ہیں، اور تیراکی کے مقابلے کرتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے ننگے جسموں کی بے پردگی ہوتی ہے، یہ اختلاط نظر فریبی اور عشق بازی پر آمادہ کرتا ہے، اس طرح کے کلب یورپ کے بے شرموں کی ایجاد ہیں، مگر افسوس ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے بھی اس طرح کے کلبوں کے ممبر بننے کو بڑا کارنامہ سمجھنے لگے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اگر کوئی کلب ایسا ہو جس میں صرف مرد ہی نہاتے ہوں تب بھی اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہ دیکھے، اسی طرح سے کشتیوں کے اکھاڑوں اور فٹ بال وغیرہ کے کھیلوں میں ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کے کسی حصہ کو کسی کے سامنے کھولنا یا کسی کے ستر کا کوئی حصہ دیکھنا سخت ممنوع ہے، افسوس ہے کہ کشتی کے مقابلوں میں کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کے کھیلوں میں بڑے بڑے دینداری کے دعویدار اس مسئلہ کو بھول جاتے ہیں، اور ستر، گھٹنے کھلنے کو عیب نہیں سمجھتے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے، (اس کے بعض اعضاء وغیرہ کھلے ہوئے تھے) اسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آئے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے، اور پردہ کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ میں کیا کرے۔ (ابوداؤد شریف)

جن ملکوں اور علاقوں (مثلاً بنگال و آسام وغیرہ) میں تالابوں میں غسل کرنے کا رواج ہے وہاں تالابوں پر بہت بے پردگی ہوتی ہے اور ان علاقوں میں بہت ہی بدترین رواج ہے کہ مرد و عورت اکٹھے تالاب میں نہاتے ہیں، اور کپڑے دھوتے ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کا سر اور سینہ اور پنڈلیاں اور کمر اور پیٹ مرد دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ دیکھنا اور دکھانا حرام ہے، بعض قوموں اور خاندانوں میں یہ دستور ہے کہ عورت کی جہاں عمر ڈھلی بس اس نے صرف ساڑھی سے کام چلانا شروع کر دیا۔ کرتہ، قمیص یا بلاؤز وغیرہ بالکل نداردو بے تکے طریقہ پر آدھی پنڈلیوں تک ساڑھی لپیٹ لی، اور کچھ حصہ سر پر ڈال لیا، پیٹ، کمر، سینہ، آدھی آدھی پنڈلیاں اور اکثر سر بھی کھلا رہتا ہے، مدراس، بہار، بنگال، آسام وغیرہ میں سفر کیا جائے تو ریلوں میں اس طرح کی عورتیں بہت ملیں گی، ان میں مسلمان عورتیں بھی ہوتی ہیں، ننگا رہنا تو ان لوگوں کا شعار ہے جو فخر عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم سے محروم ہیں، مسلمانوں کو ہر بات میں اپنے دین پر قائم رہنا لازم ہے۔

اسلام تو ہرگز بے غیرتی اور بے پردگی کو روا نہیں رکھتا، پردہ کے احکام بوڑھی عورتوں کے لئے بھی ہیں، بس اتنا سا فرق ہے کہ بوڑھی عورت ہو صرف منہ اور ہتھیلی اور ٹخنے تک پاؤں نامحرم کے سامنے کھول سکتی ہے، سر، کمر، پیٹ اور پنڈلی نامحرم کے سامنے بوڑھی عورت کیلئے بھی کھولنا حرام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حمام میں غسل کرنے کی ممانعت کے بعد دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کسی ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو، ہمارے اس زمانہ میں جس طرح بے پردگی کو لوازم ترقی میں داخل کر لیا ہے اور اس کے لئے مغربیت زدہ مجتہدین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح بے پردگی

عام ہو جائے اسی طرح سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے والے لوگ جو یورپ اور امریکہ کے ماحول میں عمریں گزار چکے ہیں شراب کے پینے اور پلانے کو پارٹیوں اور دعوتوں کا جزو اعظم بنائے ہوئے ہیں، ان لوگوں کو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ترقی نظر نہیں آتی بلکہ یورپ اور امریکہ کے بے حیاء انسانوں کی تقلید میں عروج سمجھتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا کہ جس دستر خوان پر شراب کا دور چل رہا ہو اس پر مت بیٹھو، اور ان مدعیان دین و دانش کا یہ حال ہے کہ اسلامی جمہوریہ اور دینی حکومت کے نام پر جو موقعے کرتے ہیں ان کو بھی شراب کے ذریعہ رنگین کئے بغیر باز نہیں رہتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے والے پر اور جس کے پاس لے جائے اس پر بھی۔ (ابو داؤد شریف، ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شر.

"یعنی شراب مت پی کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔" (مشکوٰۃ شریف)

یہ ہر برائی کی کنجی ان لوگوں میں جو دنیا کے اعتبار سے اونچے طبقے شمار ہوتے ہیں خوب پی اور پلائی جاتی ہے، اور ہر برائی کا ان لوگوں سے ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان پر جو اللہ کی لعنت برستی ہے اس سے بچنے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔

سفر میں عورت کے جان و مال اور عفت کی حفاظت کیلئے شریعت کا ایک تاکیدی حکم

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ (رواه البخاري)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ محرم کے بغیر ایک دن ایک رات کی مسافت کا سفر کرے۔" (بخاری ص ۱۴۸)

تشریح: اس حدیث میں مسلمان عورت کو ایک بہت ہی اہم حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایک رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے بعض روایات میں محرم کے بغیر مطلق سفر کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ عورت کو تین دن تین رات کا سفر بغیر محرم کے ممنوع ہے احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ قریب کا سفر ہو یا دور کا عورت بغیر محرم کے نہ جائے، خصوصاً اس زمانہ میں جو فتنوں کا زمانہ ہے لیکن دیگر احادیث کے پیش نظر ایسے سفر کے لئے بغیر محرم کے چلے جانے کی گنجائش ہے جو تین دن تین رات کی مسافت سے کم ہو۔

واضح رہے کہ ایک دن ایک رات کی مسافت سے سولہ میل اور تین دن اور تین رات کی مسافت ۴۸ میل مراد ہے، عہد نبوت میں چونکہ اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور روزانہ ایک منزل قطع کرتے تھے جو سولہ میل کی ہوتی تھی اس لئے سفر کی مسافت کو ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کی مسافت کہہ دیا کرتے تھے، تیز رفتار کار سے سفر کرے یا ریل سے یا ہوائی جہاز سے ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر عورت کے لئے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے حلال نہیں ہے اور اس سے کم سفر ہو تو گنجائش ہے، مگر بچنا اس سے بھی بہر حال اولیٰ ہے کیونکہ مطلق سفر اور ایک دن ایک رات کے سفر کی بھی ممانعت روایات حدیث میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحج میں البحر الرائق سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو سفر تین دن تین رات کی مسافت سے کم کا ہو کوئی حاجت درپیش ہونے کی صورت میں اس کے لئے بغیر محرم کے چلا جانا جائز ہے، پھر لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن کی مسافت کے لئے بغیر محرم یا شوہر کے سفر میں نکلنے کو مکروہ قرار دیتے تھے، اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وینبغی ان یکون الفتوی علیہ لفساد الزمان (شرح اللباب)

ویؤیدہ حدیث الصحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیہا وفی لفظ لمسلم مسیرۃ لیلۃ وفی لفظ یوم

"اور چاہئے کہ فتوی اسی پر دیا جائے (کہ ایک دن کے سفر کے لئے بھی عورت کو محرم یا شوہر کے بغیر سفر میں نکلنے کی ممانعت ہو) کیونکہ اس زمانے کے لوگ بگڑ گئے ہیں، اور بخاری ومسلم کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ ایک دن ایک رات کا سفر بغیر محرم کے کرے، اور مسلم کی ایک روایت میں بجائے "یوم ولیلۃ" صرف "لیلۃ" بھی آیا ہے، اور ایک روایت میں صرف یوم بھی آیا ہے۔"

چونکہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تھوڑے سے بہت سفر کے لئے بھی عورت بغیر محرم یا شوہر کے نہ جائے اس لئے دنیاوی سفر ہو یا دینی سفر جو فرض نہ ہو اس کے لئے تین دن رات کے سفر سے کم کے لئے بھی عورت کو بغیر محرم کے جانے سے روکنا چاہئے۔

اور سفر حج اگر تین منزل سے کم ہو تو حج فرض کے لئے بغیر محرم کے جانے سے شوہر کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے اور محرم وہ ہے جس کے ساتھ کبھی بھی کسی حال میں نکاح درست نہ ہو، خواہ نسب کے رشتہ سے ہو خواہ دودھ کے رشتہ سے یا مصاہرت کے رشتہ سے، اور شوہر کے ساتھ بھی سفر کرنا درست ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب میں بحوالہ بخاری وغیرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ ایسا کوئی سفر کرے جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو، الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا اس کا بھائی ہو یا شوہر ہو یا بیٹا ہو یا (کوئی دوسرا) محرم ہو۔ (من الحج [illegible])

اور واضح رہے کہ ماموں، پھوپھی، چچا، خالہ ان سب کے بیٹے محرم نہیں ہیں نہ ان کے ساتھ سفر میں جانا درست ہے، نہ ان کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے کی اجازت ہے، اسی طرح جس لڑکے کو بیٹا بنا کر پال لیا ہو وہ بھی محرم نہیں ہے، بڑا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی بے پردہ ہو کر آنا جائز نہیں ہے اور اس کے ساتھ سفر کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بہت سے لوگ اپنے کو سالی کا محرم سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کی بہن ہمارے نکاح میں ہے چونکہ اس وقت تک اس سے نکاح درست نہیں ہے اس لئے ہم اس کے محرم ہیں، ان لوگوں کا یہ خیال باطل ہے، کیونکہ شریعت کے نزدیک محرم صرف وہی ہے جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو، خواہ بیوہ ہو خواہ مطلقہ ہو، خواہ کسی کے نکاح میں ہو، ان جاہلوں کی تشریح کے مطابق محرم کی تعریف کی جائے تو دنیا بھر کے مردوں کی بیویاں ہر شخص کی محرم ہو جائیں گی۔

الغرض محرم کی یہ تشریح بالکل بجا ہے جس کے ذریعہ سالی کو محرم بنا رہے ہیں۔ سفر میں چونکہ بہت سے حوادث اور عوارض پیش آ جاتے ہیں اس لئے شریعت مطہرہ نے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے سفر کرنے کی پابندی عورتوں پر لگائی ہے جس میں بہت کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں محرم یا شوہر کے ساتھ ہونے میں عورت کی جان، مال، عصمت وعفت کی حفاظت ہے، لیکن اگر محرم فاسق و فاجر ہو یعنی اس سے عصمت وعفت کی حفاظت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر کرنا درست نہیں ہے۔ حج کے بیان میں بھی یہ مسائل گذر چکے ہیں وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

عورتیں راستوں کے درمیان نہ چلیں

وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَھُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْأَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت ابو اُسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے، اور مرد و عورت وہاں سے گذر رہے تھے راستہ میں مرد و عورت (اس طرح سے) مل گئے (کہ سب اکٹھے گذرنے لگے، اور عورتیں یکطرف نہیں تھیں، گو عورتیں پردہ میں تھیں مگر راستہ کے درمیان مردوں کے مجمع میں جا رہی تھیں)۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتو! پیچھے ہٹو تم کو راستہ کے بیچ میں چلنے کی اجازت نہیں ہے، تم راستہ کے کناروں پر ہو کر گذرو۔ راوی کہتے ہیں اس ارشاد کے بعد عورتیں راستہ کے کناروں میں ایسے طریقہ پر گذرتی تھیں کہ راستہ کے دائیں بائیں جو کوئی دیوار ہوتی تھی اس سے چپکی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار میں اٹکنے لگتا تھا۔“ (مشکوٰۃ ص ۴۰۵ از ابوداؤد وبیہقی)

تشریح: اس حدیث میں بھی عورتوں کو مردوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اگر عورت کو کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکلنا ہو تو خوب زیادہ پردہ کا اہتمام کرے اور پردہ کے اہتمام کے ساتھ نکلنے کی صورت میں بھی خوشبو لگا کر نہ نکلے اور جب راستہ میں گذرے تو راستہ کے درمیان نہ چلے بلکہ راستہ کا درمیانی حصہ مردوں کے لئے چھوڑے اور خود راستہ کے درمیان سے ہٹ کر کناروں پر چلے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کا حکم دیا کہ مردوں سے بچ کر اور کنارے ہو کر چلیں، لہٰذا عورتوں کا یہ جذبہ غلط ہے کہ ہم جیسے چاہیں چلیں گے، مردوں کو ہٹنا ہے تو ہٹ جائیں گے۔

حیاء اور ایمان لازم وملزوم ہیں

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں، پس جب ان دونوں میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔" (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۲ بحوالہ بیہقی)

تشریح: حیاء مومن بندوں کی خاص صفت ہے، جو قوم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور ہیں حیاء اور شرم سے انکو کچھ واسطہ نہیں، حیاء اور ایمان دونوں لازم و ملزوم ہیں، یا تو دونوں رہیں گے، یا دونوں رخصت ہو جائیں گے، بے پردگی اور اسکے لوازم اور دواعی سب کے سب اہل کفر کی دیکھا دیکھی نام نہاد مسلمانوں کے ماحول میں رواج پا گئے ہیں اور وہی لوگ مسلمان عورتوں کو پردے سے نکال کر بے حیائی کے پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع سے زیادہ نصاریٰ کے احوال و عادات کو اپنائے ہوئے ہیں، ایسے لوگ بڑی مشکل میں ہیں، ان کا دل تو یہ چاہتا ہے کہ خوب آزادی اور بے حیائی کیساتھ مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کو بازاروں اور پارکوں میں عریانی کے لباس میں دیکھیں، لیکن ساتھ ہی قرآن و حدیث کی تعلیمات کو غلط کہنے کی ہمت بھی نہیں، نہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام کو چھوڑ چکے ہیں، اور نہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا گوارا کرتے ہیں، جو لوگ بے پردگی کو رواج دینے کی کوشش میں ہیں اور اپنی بہو بیٹیوں کو یورپین لیڈیوں کی طرح بے حیاء اور بے شرم بنا چکے ہیں اور ننگے عریاں لباس سے اپنے نفوس کو تسکین دینے کا راستہ نکال چکے ہیں ان میں بہت سے تو ایسے ہیں جو محض نام کے مسلمان ہیں اور حیاء و شرم کے ساتھ ایمان کی دولت بھی کھو چکے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی درجے میں اسلام سے چپکے ہوئے ہیں، مگر ان کو تقلید یورپ کا مزاج اور بے حیائی اور بے شرمی کی طبیعت آہستہ آہستہ ان کو اسلام سے ہٹاتی جا رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں، ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے" یہ ارشاد بالکل حق ہے تجربہ اسکی گواہی دے رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولیٰ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

"یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی جو باتیں نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تجھ میں شرم نہ رہی تو جو چاہے کر۔" (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام شرم و حیاء کی تعلیم دیتے آئے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قومیں اللہ کے بعض پیغمبروں سے اپنا رشتہ جوڑنے کی دعوے دار ہیں اور ساتھ ہی بے شرم اور بے حیاء بھی ہیں وہ اپنے دعوے میں جھوٹی ہیں اور اپنے کفر و شرک اور بے حیائی کی زندگی کے باعث ان نبیوں کی ذات گرامی کیلئے عار ہیں جن سے اپنی نسبت قائم کرتی ہیں، کوئی بے شرم و بے حیاء کسی بھی نبی کے راستہ پر نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (ترمذی شریف)

"یعنی پیغمبروں کے طرز زندگی میں چار چیزیں (بہت اہم) ہیں شرم کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔" (ترمذی شریف)

اللہ کے محبوب ترین بندے اس کے پیغمبر ہیں، انہوں نے حیاء اور شرم کی زندگی کو اختیار کیا، اور انبیاء اپنی امت کو اپنے اپنے زمانہ میں شرم وحیاء کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا، جو لوگ بے شرم ہیں اللہ تعالیٰ سے دور ہیں، اس کے پیغمبرؑ سے دور ہیں، البتہ کفار وفجار سے قریب ہیں، ابلیس لعین کے دوست ہیں۔

یہ نام نہاد ترقی کا زمانہ ہے اس میں عفت، عصمت، شرم وحیاء، عیب بن کر رہ گئی ہے۔ یورپ والوں کی تقلید میں نام نہاد مسلمان بھی اس کی زد میں بھدے ہیں، عورت اگر پردہ کرے تو اسے سوسائٹی میں شریف نہیں سمجھا جاتا۔ اگر بے حیاء بنے، چہرہ کھول کر ننگے نیم ننگی لباس میں اعضائے بدن کو ظاہر کرتی ہوئی بازاروں میں گھومے، مارکیٹ میں سودا خریدے، سینکڑوں مردوں کے سامنے پارکوں میں بے حجاب ہو کر تفریح کرے تو اسے شریف سمجھا جاتا ہے۔ (استغفر اللہ) کیسی الٹی ترقی ہے؟ اور کیسی تاریک روشنی ہے...... (جس میں انسان انسانیت کی حدود سے نکل گیا ہے اور شرافت انسانی انسان کی حرکتوں پر تھو تھو کرنے لگی ہے۔

چونکہ شوہر بھی نام نہاد ترقی کے خوگر ہیں اس لئے وہ بھی بیویوں کو ان حرکتوں سے نہیں روکتے بلکہ پردہ دار بیویوں کی خود پردہ دری کرتے ہیں اور یاروں دوستوں کی انجمن میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان سے مصافحے کراتے ہیں بلکہ کلبوں میں جا کر نچواتے ہیں۔ ان بیہودہ لوگوں کے نزدیک ڈانس بھی وہ زیادہ دل پسند ہے جس میں ایک کی بیوی دوسرے کے ساتھ ڈانس کرے۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ رقص کرنے لگے تو اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اول تو ڈانس اور وہ بھی بے حجاب؟ اور غیر مرد کے ساتھ، وہ بھی اپنے شوہر کے سامنے! کیسی بے حیائی پر بے حیائی سوار ہے! کیا ایسے لوگ زندہ رہنے کے قابل ہیں؟ اور خدا کی نعمتوں کے مستحق ہیں؟

اللہ جل شانہٗ ہر قسم کی گمراہی، الحاد، بے دینی، اور بے حیائی و بے شرمی سے تمام مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے آمین!

کِتَابُ الْاَخْلَاق

اخلاق خلق کی جمع ہے اور خلق آدمی کی اس پختہ اور راسخ باطنی کیفیت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کیفیت سے متعلق افعال آدمی سے بغیر کسی تردد کے سہولت سے صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص میں سخاوت کا خلق ہے اور سخاوت کی کیفیت اس کے اندر جڑ پکڑ چکی ہے تو روپیہ پیسہ جو نیک کاموں میں خرچ کرنے میں اس کو تردد نہیں ہوگا اور سخاوت کی باطنی کیفیت اس کو خرچ کرنے پر ابھارے گی۔ آدمی کے اندر دو بنیادی قوتیں ہیں۔ ایک قوت ادراک یعنی علم حاصل کرنے کی قوت اور دوسری قوت تحریک یعنی اعضاء جوارح کو حرکت دینے کی قوت۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو دو قسمیں ہیں۔

قوت ادراک کی دو قسمیں

۱۔ عقل نظری

یعنی غور و فکر کی قوت۔ اس سے آدمی انجانی باتوں کو سیکھتا اور حاصل کرتا ہے۔ اس کو علم و حکمت کہتے ہیں۔ آدمی اس قوت کو استعمال نہ کرے تو جہالت پر برقرار رہتا ہے۔

۲۔ عقل عملی

یعنی حاصل کیے ہوئے علم پر فیصلہ کرنے کی قوت۔ اس سے آدمی علم کے مطابق فیصلہ کرے اور روش اختیار کرے تو اس کو عدالت و انصاف کہتے ہیں اور اس کے خلاف کرے تو اس کو ناانصافی کہتے ہیں۔

قوت تحریک کی دو قسمیں

۱۔ قوت غضبی

اس قوت کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو زد و ضرب کے ساتھ غیر مناسب اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچاتا ہے۔ اس قوت کو افراط و تفریط سے پاک کر دیا جائے تو اس کا اثر شجاعت ہوتا ہے۔ افراط کی صورت میں ظلم و جور ہوتا ہے اور تفریط کی صورت میں ذلت ہوتی ہے۔

۲۔ قوت شہوی

اس قوت کی وجہ سے آدمی اپنی مناسب اور پسندیدہ چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ اس قوت کا کامل اعتدال کے ساتھ ہو

تو اس کا اثر عفت ہوتا ہے اور اگر اعتدال سے تجاوز ہو تو لالچ و حرص ہوتا ہے۔

غرض مذکورہ بالا قوتیں تین بنیادی اچھے اخلاق کا سرچشمہ ہیں یعنی عدالت، شجاعت اور عفت۔ اگر غور کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کے پھر متعدد شعبے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے "ویزکیھم" اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔

غیبت

فائدہ: غیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہوتی ہے اور تحریر سے بھی ہوتی ہے اور ہاتھ پیر اور آنکھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے۔ نقل اتارنا مثلاً نقل اتارتے ہوئے لنگڑا کر چلنا بھی غیبت میں شمار ہوتا ہے۔

جو صورتیں غیبت نہیں

۱۔ شناخت کے لیے کسی کو لنگڑا یا کانا کہنا۔

۲۔ جو شخص لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچاتا ہو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے لوگوں سے اس کی برائی بیان کرنا۔

۳۔ وہ شخص جو برائی کھلے عام کرتا ہو اور نصیحت کا اثر نہ لیتا ہو اس کا ذکر کرنا۔

۴۔ اس فکر سے کسی کے عیب ذکر کرنا کہ اس میں یہ کہاں سے آ گئے اور یہ کیسے دور ہوں۔

۵۔ زید کا کسی کے ساتھ نکاح یا شرکت کرنے کا یا کہیں پڑوس اختیار کرنے کا یا امانت رکھوانے کا ارادہ ہو۔ بکر کو اگر دوسرے کا عیب معلوم ہو تو خیر خواہی کی نیت سے اس کو زید کو وہ عیب بتانا۔

۶۔ کسی شہر یا بستی والوں کا عیب بیان کرنا کیونکہ اس میں عام طور سے سب مراد نہیں ہوتے بلکہ بعض مراد ہوتے ہیں جو کہ نامعلوم ہیں۔ البتہ اگر تمام ہی افراد مراد ہوں تو پھر غیبت ہوگی۔

۷۔ کسی صاحب اقتدار سے عیب ذکر کرنا تاکہ وہ اس کو روک سکے۔

غیبت سے توبہ

۱۔ جس کی غیبت کی ہے اگر اس تک بات نہیں پہنچی تو محض توبہ و استغفار کریں۔

۲۔ اگر اس تک بات پہنچ گئی ہے تو اگر فساد اور جھگڑے کا اندیشہ نہ ہو تو تفصیل بتا کر معافی مانگے اور استغفار بھی کرے۔

۳۔ اگر جھگڑے کا اندیشہ ہو تو صرف توبہ و استغفار کرے اور جس کی غیبت کی اس کے لیے بھی بکثرت دعائے خیر کرے۔

آخرت کے اعتبار سے دنیا کیساتھ معاملہ

دنیوی ترقی کے دو پہلو ہیں

ایک پہلو: کسی معاشرے اور ریاست کی جو اجتماعی ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا مثلاً

ا۔ یہ اہتمام کرنا کہ ہر فرد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ غذا اور پانی کی فراہمی۔

۲۔ ضروری لباس کی فراہمی۔

۳۔ ضروری سکونت کی فراہمی۔

۴۔ حفظان صحت اور بیماری کا علاج۔

۵۔ نقل و حمل کے لیے سواری۔

۶۔ تعلیم

۷۔ ملک کے اندر امن و سکون اور انصاف کی فراہمی۔

۸۔ روزگار کی فراہمی۔

۹۔ جہاد خواہ دفاعی ہو یا اقدامی اس کے لیے بھرپور تیاری کرنا۔

ان اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے دنیوی ترقی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ ریاست ذمہ دار ہے کہ وہ نئی تحقیقات و دریافتیں کر کے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرے۔ وسائل ہوں یا ان کو پیدا کیا جا سکتا ہو پھر بھی ریاست اس میں کوتاہی کرے تو وہ مجرم ہے۔ وہ افراد کو بھی مجبور کر سکتی ہے کہ وہ جدید طریقے سیکھیں اور ہو سکے تو جدید اور مفید وسائل دریافت کریں اور ایجاد کریں۔

عَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِيْ سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِيْ بِهِ عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءُ. (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کے لیے ضروری نہیں ہیں (کہ جن کے بارے میں اس سے سوال بھی نہ ہو) سوائے ان چیزوں کے۔ ایک (گھر کا) گھر جس میں رہائش اختیار کرے (جس سے وہ گرمی سردی کے شدائد سے محفوظ رہے اور ضرورت کی خلوت میسر ہو) اور اتنا کپڑا جس سے وہ اپنا ستر چھپا سکے اور (کھانے پینے کے لیے) روٹی کا سوکھا ٹکڑا اور (عام سادہ) پانی (جو گرمی کے موسم میں مرضی کے موافق ٹھنڈا بھی نہ ہو)۔

فائدہ: حدیث میں مذکور درجہ ضرورت اور مجبوری کا ہے جس کے بغیر یا تو آدمی کا گزارا ممکن نہیں یا سخت مشقت اور شدید تکلیف ہے۔ اس کے بعد دو درجے ہیں:

۱۔ منفعت: جس سے آدمی کے بدن کو قوت تو حاصل ہو لیکن اس کے بغیر نہ تو ہلاکت کا خطرہ ہو اور نہ ہی سخت تکلیف و مشقت ہو۔ ۲۔ زینت: جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ ہو محض زیب و زینت اور تفریح کی خواہش ہو۔

یہ دو درجے جب کہ حلال سے کیے جائیں تو ان کے کرنے میں گنجائش اور جواز ہے لیکن ان کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا إِلَّا مَا لَا يَعْنِي إِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ (احمد و ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر تعمیر بنانے والے پر وبال ہے (کہ اس کے بارے میں پوچھا ہوگا) سوائے اس کے جو ناگزیر ہو سوائے اس کے جو ناگزیر ہو (یعنی مجبوری اور حاجت کے درجے میں ہو)

عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَكْفِي أَحَدَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ. (دارمی)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ایک کے لیے دنیا (کی چیزوں میں) سے ایک خادم اور ایک سواری کافی ہے۔

وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (سورہ انفال ۶۰)

"اور تیار کرو کفار سے لڑائی کے واسطے جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بٹھاؤ تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر۔" (انفال ۶۰)

مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، ایٹمی اسلحہ وغیرہ کا تیار کرنا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ اس کی خاطر ورزش کرنا سب سامان جہاد ہے اور یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھانے کا ایک ظاہری سبب ہے باقی فتح و کامیابی کا اصل سبب تو خدا کی مدد ہے۔

دوسرا پہلو: افراد کا اپنا معیار زندگی Standard living بلند کرنا یعنی

۱۔ خور و نوش میں تنوع و اسراف۔	۲۔ لباس میں تکلفات
۳۔ عالی شان سواری	۴۔ ضرورت سے زائد یا عالی شان مکان
۵۔ غیر ضروری تقریبات	۶۔ تقریبات میں اسراف وغیرہ
۷۔ مال و دولت کی فراوانی	

حدیثوں میں ذکر ہے کہ اس قسم کی ترقی کو مطلوب بنانا پسندیدہ نہیں ہے۔ افراد اپنی زندگی کو اپنے اختیار سے سادہ رکھیں۔

اگرچہ آسائشوں اور آرائشوں کا استعمال جب کہ وہ حلال ذرائع سے حاصل ہوں حرام نہیں لیکن جب دنیا ہماری منزل ہی نہیں ہے بلکہ مسافر کا وقتی پڑاؤ ہے اور آخرت کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو عقل مند کو کب روا ہے کہ وہ اس سے دل لگائے۔

اخلاق سے ایمان کی تکمیل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. (رواہ ابو داؤد والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علی ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لیے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے اس لیے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے بلکہ اخلاق کی صورت ہے اس لیے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابو داؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرُ مَا وَصَّانِیْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ وَضَعْتُ رِجْلِیْ فِی الْغَرْزِ اَنْ قَالَ یَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ. (رواہ مالک)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگان خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (موطا امام مالک)

تشریح: ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ مدینہ طیبہ سے ان کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی ہو۔ بہر حال عدل وانصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں ان پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسن اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

فائدہ: ... حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو اور ہو سکتا ہے میری مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو اور چونکہ آپ کی عام عادت اس کی بات کرنے کی نہ تھی اس لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی کہ "اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی واپسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی اور جب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ. (رواه فى الموطا ورواه احمد عن ابى هريرة)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں۔ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی مؤطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

تشریح: ..... اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا. (رواه البخارى)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ

محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح:... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

کتے کو پانی پلانے پر بخشش

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا اُسے سخت پیاس لگی چلتے چلتے اسے ایک کنواں ملا وہ اس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا تو کنوئیں کے اندر سے نکل کر اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی اور وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اس نے اس کو اپنے منہ سے تھاما اور کنوئیں سے باہر نکل آیا اور اس کتے کو وہ پانی اس نے پلا دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس رحم دلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ بعض صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:... بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور اس کا کرنے والا آدمی بخش دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچیے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے اس کو پیاس لگی ہے ایسی حالت میں اس کو ایک کنواں نظر پڑ گیا لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اس لیے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لیے خود ہی کنوئیں میں اتر گیا وہیں پانی پیا اور نکل آیا اب اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا اس کو اس کی حالت پر ترس آیا اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلا دوں اس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں اور منزل پر جلدی پہنچ کے آرام کروں اور دوسری طرف اس کے جذبہ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو اور

خود کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں اس کشمکش کے بعد جب اس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبہ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اور منہ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا اور اس پیاسے کتے کو پلایا تو اس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہیے بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ عمل کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَإِذَا فِيهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَأَتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ أَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰهُ إِيَّاهَا؟ فَإِنَّهُ شَكَى إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ تھا جب اس اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے قرار ہو گیا اور ایسی دردبھری آواز اس نے نکالی جیسی بچے سے جدا ہونے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دست شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) تو وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آئے اور انہوں نے عرض کیا حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارے میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دکھ پہنچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے۔ اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے بظاہر وہ اسی قبیل سے ہے اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو اور اس پر کام کا بوجھ بھی اس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے "انسداد بے رحمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ

فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا. وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهِ؟ قُلْنَا نَحْنُ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے اس اثناء میں ہماری نظر ایک سرخ چڑیا (ممولا یا لال کلشیرا) پر پڑی جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ہی آگ لگائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے کہ ان کو بے وجہ نہ ستایا جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لیے جہنم میں ڈالی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود جتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ (اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهِ قَالَ امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (رواه احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح: ..... سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے۔ سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اسی بیماری کا حال عرض کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاج دریافت کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کرلے' ان شاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لیے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہرحال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے تو ان شاء اللہ اس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل

سخاوت یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا اور دوسروں کے کام لگانا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے۔ ان دونوں کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا. (رواه النسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا اور جس میں بخل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خسیس خصلت کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دھوکے باز' بخیل اور احسان جتلانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔" (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) ان خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں۔ اس لیے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں ان کو چاہیے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

معافی و درگزر

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے اور اس سے انتقام نہ لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ان میں سے ایک بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے میں اس کو معاف کر دیا کروں۔ اسی سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا: پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصوروار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قصوروار کا قصور معاف کر دینے کی اس فضیلت کا تعلق افراد واشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سزا مقرر ہے اس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا میں سب سے زیادہ رحم دل تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنے والوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے:

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ.

(مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَقَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اُس نے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ:

اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

ف:...... جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لیے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لیے ہوتا ہے اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان

رحم دلی کی شاخوں میں سے یا یوں کہیے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے اس کو آرام پہنچایا جائے یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہو یہ سب صورتیں احسان کی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضروریات حیات کا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل وعیال کی روزی اور ان کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔ (بیہقی شعب الایمان)

تشریح:...... ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل وعیال کے ساتھ احسان کرے اس کے لیے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی ان کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

ف:...... یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا

مستحق ہوگا اور میں اس کو انعامات سے نوازوں گا۔ تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں گے یا دوسرے ناقابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہیں۔ (مثلاً قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونُوا إِمَّعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا. (رواہ الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔ (ترمذی)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بدسلوکی کا دور دورہ ہو تم اہل ایمان کو چاہیے کہ ان کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا رہے۔ نیز یہ احسان صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں ان کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویہ رکھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور جو مجھے نہ دے جب میرے لیے دینے کا وقت آئے تو میں اس کو بھی دوں۔"

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِيْ حَاجَةً يُرِيْدُ أَنْ يَسُرَّهُ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اس کا دل خوش کرنے کے لیے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے میرے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے امتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو خوش کرنے کے لیے اس کا کوئی کام کر دینا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

معمولی احسان بڑی نعمت ہے

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا ہانڈی پکاؤ تو اُس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر چچہ بھر اُس میں سے اپنے پڑوسی کے لیے بھی نکالا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ..... مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرے، حسب استطاعت ان کو تحفے دیا کرے اور اگر تحفہ دینے کے لیے کوئی زیادہ عمدہ چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دے دے اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رکے اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ ان سے ملا کرے، یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار تو اتنا ہی کر سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اس میں شوربا کچھ زیادہ کر لیا جائے اور کسی پڑوسی کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حسن سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مثال کے کیا ہے ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ. (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو اور اس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ..... اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو اور جس طرح تم اس کے کام آ سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرو اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو اور کیسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دولت مندی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں غرباء بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو لیکن جب کوئی دوسرا حاجت مند اس کے سامنے آ جائے تو وہ چیز اس کو دے دے اور خود تکلیف اٹھا لے اسی کا نام ایثار ہے اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرز عمل بھی یہی تھا اور دوسروں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَّلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن تو الفت ومحبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد، شعب الایمان بیہقی)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن کا نفس الفت ومحبت کا مرکز ہونا چاہیے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں ان خشک مزاج متقشف حضرات کے لیے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لیے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مومن کی یہ محبت والفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لیے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہیے۔ "مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ."

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لیے ہو اور وہ بغض وعداوت ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھے۔ بلا شبہ بہت اونچا مقام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لیے محبت وتعلق جوڑنا اور اللہ کے لیے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ. (رواہ احمد)

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لیے کسی بندہ سے محبت کی اس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت وتوقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح: یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اسکا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ. (رواہ مالک)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لیے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں

اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

تشریح: ...... اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لیے بیٹھتے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کے لیے ملتے ہیں جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں۔ بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لیے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے میں ان سے محبت کرتا ہوں ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ.

(اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لیے باہم جڑ کر بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لیے آپس میں ملتے ہیں اور تیری ہی رضا کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِيْ قَرْيَةٍ أُخْرَى فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا قَالَ أَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ أُرِيْدُ أَخًا لِيْ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ أَنِّيْ أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ قَالَ فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ملاقات کے لیے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بیٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جارہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لیے جارہے ہو۔ اس بندہ نے کہا نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے جارہا ہوں) فرشتہ نے کہا تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...... یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں اور اس سے اس طرح کی باتیں وہ بدو کر سکتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ

کہ کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لیے محبت کرنا اور اس خالص محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لیے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ "فطوبی لهم وبشری لهم" (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتلا دیجئے کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" (معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں ان کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا

ہوتا رہتا ہے اس لیے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگانِ خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:
"هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ" اس میں لفظ روح "ر" کے پیش کے ساتھ "رُوْح" بھی پڑھا گیا ہے اور زبر کے ساتھ رَوح بھی۔
ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے جنہوں نے
اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و الفت کی۔ دین اس اخروی زندگی کے لیے جو اصل زندگی ہے
بمنزلہ روح کے بھی ہے اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے
ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا
ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر
نہ ہوگا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے انعام فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّيْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج
جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ
فرمانا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کے لیے نہ ہوگا بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ
پکار علیٰ رؤس الاشہاد اس لیے بلند ہوگی کہ ان بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اولین و آخرین کے
سامنے ظاہر ہو جائے اور سب جان لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے اور
حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے (یعنی آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندے سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ

کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بارہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لیے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَإِنِّيْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ قَالَ فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَأَعَادَهَا أَبُوْ ذَرٍّ فَأَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اسی کے ساتھ ہو گے۔ ابوذر نے عرض کیا حضرت! مجھے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابوذر نے اپنی بات دہرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّيْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وائے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اس کے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے بتلا) تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا میں نے اس کے لیے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ کو جس سے محبت ہے تو ان ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو ان کی معیت نصیب ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ إِيَّاهُمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ أَعْمَالَهُمْ.

ہم لوگوں کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "انت مع من احببت" (تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو) پس میں بحمد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان حضرات کے سے نہیں ہیں۔ ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں۔

ایک یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسے کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محبت کے لیے اطاعت لازم ہے یہ ناممکن ہے کہ کسی کو خدا اور اس کے رسول سے محبت ہو اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں اور اگر واقعی وہ خود بھی اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھتے ہیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے اور بالکل سچ فرمایا ہے۔

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ ۞ هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ ۞ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو اپنی محبت میں سچا ہوتا تو اس کی فرمانبرداری کرتا کیونکہ محب تو اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)

بہرحال اللہ و رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت لازم ہے بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا (النساء: ۶۹)

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں کوئی تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے۔ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ:

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنی بیوی

اپنی ذات اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضورؐ مجھے یاد آجاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں گیا بھی تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو نہ ہو سکے گی اس لیے جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بظاہر محروم ہی رہوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء ع ۹)

(اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے)

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محب صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوشخبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ضرور کرو گے اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم فہمی کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے اس لیے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ۔ (اے اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما اور جن بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لیے نفع بخش ہو ان سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

اسلامی اخوت و ہمدردی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سراپا رحمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ رحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو تعلیمات فرمائی ہیں ان میں سے بعض گزشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر بنا کے اپنی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنائی گئی ہے اور سب دینی احتیاج اس برادری کی وحدت کی بقا اور ترقی کی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت یعنی محبت و مخصوص ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا "معاشرت" کے ابواب

میں درج ہوتا زیادہ مناسب ہوگا لیکن یہ دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودت ایسی ہمدردی اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہیے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ ان کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہیے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لیے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہیے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو) (بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے "مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رکھنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذاء پہنچانے اور حسد یا کینہ رکھنے" کی سخت مذمت اور انتہائی تاکید دل کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق

بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی کا ذکر فرمایا؛ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بناء پر وہ اس کی طرف بہت سی اُنہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردعمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلقات ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بری بات نہیں سمجھا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت وان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد و ابو داؤد عن ابی ہریرۃ)

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں کے عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اس پر حسد کرنا اور اس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور حسن اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا. وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ. بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کا

بھائی ہے اس پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے اور اس کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کہ اس کے دل میں تقوی ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تقوی یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقوی کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو اس لیے کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے اس کا خون اس کا مال اور اس کی آبرو (اس لیے ناحق اس کا خون گرانا اس کا مال لینا اور اس کی آبروریزی کرنا یہ سب حرام ہیں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...... اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اس کی مدد کرے لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو اس کو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

اکرامِ مسلم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا تو اللہ تعالی اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالی پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ...... جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے خاص کر اللہ تعالی کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالی سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے ان کو ستانے ان کا دل دکھانے ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اتری ہو اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے خاص کر اللہ کے ان بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت

کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں ان کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے ان کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے ان کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور ان کے مقام کو گرانے اور ان کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کیے جائیں گے اور ذلت و رسوائی کی مار ان پر ضرور پڑے گی۔ اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے تو اللہ ان کو ان کے گھر کی چہار دیواری میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

حسد کی تباحت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم حسد کے مرض سے بہت بچو حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:... تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اس کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچائے اس کو بے آبرو کرے پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضروری ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

عَنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَیْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آ رہی ہے یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح:... صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق اللہ علیم و خبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں: "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں اور وہ پرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (آل عمران: ۱۰۳)

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے تم پر ایمان لانے والوں

کے دل ملا دیے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لیے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے: "وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ." (الانفال۔ ۶۳)

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیے گئے تھے اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا اس لیے اس حدیث "دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ" کا منشاء یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ منکشف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سی اُمتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا وہ میری اُمت کی طرف بھی چلی آ رہی ہے۔ لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنج شنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہر بندہ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس ان کے بارے میں حکم دے دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ دونوں کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آئیں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ... اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر دوشنبہ اور پنج شنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لیے کینہ ہو گا جب تک وہ اس کینے سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کر لے گا اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہو گا۔ "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ. (رواہ الترمذی)

حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔ جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے اس کو شماتت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دے دیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اور سخت مزاجی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں پڑھئے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں اور بعض لوگ نرم اور مہربان اور ناآشنایانِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کامیابی کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اس کے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے اس لیے اپنے منافع اور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو اور اس کے کام پورے کرے اس کو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور طریقہ بنائے۔

عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ. (رواہ مسلم)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:... مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (رواه البغوی فی شرح السنة)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ. (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے لیے نرمی کی صفت عطا کرنے کا مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے ان کو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کے لیے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کے لیے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں بیوی بچوں، عزیزوں، قریبوں کے لیے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا۔ اسی طرح اگر حاکم یا افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا۔ غرضیکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لیے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مستقل عذاب ہوگی اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضیکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں کے لیے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا۔ پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی۔ سختی اور نرمی کے یہ چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم

روز مرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بے حد عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسئلہ کے ارشادات ہمارے لیے کافی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو! میں بتاتا ہوں دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔ (رواہ ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: ... اس حدیث میں "هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ" یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دور اور الگ الگ نہ رہتا ہو اور لوگ بھی اس کی اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرنا ہو تو نرمی اور آسانی سے کرتا ہو ایسا شخص جنتی ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں اس لیے اس قسم کی بشارتوں کے ساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ (اور بشارت کے موضوع کے لیے یہی مناسب ہے) لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہیے یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ. (رواہ ابو داؤد)

حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح: ... حدیثوں میں کبھی کبھی کسی برے عمل یا بری عادت کی برائی بیان کرنے کے لیے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لیے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شان ایمان کے خلاف اور جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہے اس لیے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہیے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں اور ان سے پاک ہوں تب وہ لوگ سچے مومنین کی طرح اور ان کے ساتھ جنت میں نہ جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ اَمْرِيْ كَمَا يَشْتَهِيْ صَاحِبِيْ اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ مَا قَالَ لِيْ فِيْهَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور میں نوعمر لڑکا تھا اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا (یعنی نوعمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً دس سال کی تھی ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو مستقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روز حیات تک یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں لیکن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلا شبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے لیکن ہم امتیوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ یہی ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو حسن اخلاق کی جس کیسے اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے ان میں سے ایک نمونہ یہ بھی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت! مجھے وصیت فرمائیے؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ... معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کرنے والے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے اور اسی وجہ سے ان کے لیے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ "غصہ نہ کیا کرو" اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے، ویسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا۔ گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ حدیث

ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب اور بالکل تلخ کر دیتا ہے۔"

غصہ میں خود پر قابو رکھنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:... مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ "أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ طاقتور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حق دار بس وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے، اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شان بندگی کے خلاف ہوں۔

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ. (رواہ احمد و الترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا ورنہ اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے۔ علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ. (رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو دشواری پیدا نہ کرو اور جب تم سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ وہ اس وقت خاموشی

الغصہ رکر لے یہ آخری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسند احمد، معجم طبرانی)

تشریح: ... غصہ کے برے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لیے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ. (رواه ابو داؤد)

عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... غصہ کو فرو کرنے کی یہ نفسیاتی تدبیر ہے اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ جائے اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کر لیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى. (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اس گھونٹ سے افضل ہو جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

تشریح: ... غصہ کو پی جانا جس طرح اردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے بلکہ اردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لیے جنت آراستہ کی گئی ہے قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ.

(غصہ کو پی جانے والے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے)

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت و قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور

پورا کرسکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لیے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لیے انتخاب کرلے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: ... تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کرڈالے۔ پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دبا دیتا اور قربان کردے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حوران جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لیے انتخاب کرلو۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا اور پی جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا اور وہ عذاب سے بچ جائے گا اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمادے گا) (شعب الایمان للبیہقی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہیں ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آیا۔ اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے لیکن انہیں میں ایک شخص جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو سنبھالا اور محفوظ کیا پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

متانت اور وقار کی فضیلت اور ترغیب

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ (رواه الترمذي)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ... یعنی ہر زمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ. (رواه الترمذى)

عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ... حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے متصف اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں یعنی اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی۔

میانہ روی

"میانہ روی" ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہؓ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی اور اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح بعض صحابہؓ نے سب اپنا مال راہِ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک دیا اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہرحال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے۔ "کتاب الرقاق" کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "اَلْاِقْتِصَادُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى" کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخدستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

متبعین پر شفقت میں شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایسی ہی چند حدیثیں پڑھئے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودَ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ. (رواه البخاري)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا "السام علیکم" (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (ان کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! (ایسی سختی نہیں) زبان کو روکو نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ... گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ. (رواه الترمذي)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا اور نہ بدگو اور گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ مومن کا مقام یہ ہے اور اس کا شعار یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ قَالَ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَدَعَهُ أَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهِ. (رواه البخاري ومسلم وابو داؤد واللفظ له)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دے دو، پھر جب وہ آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی اور پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ

تشریح ..... یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے۔ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے لئے خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلا شبہ بڑی نیکی ہے۔ کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے:

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

زبان کی حفاظت

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو تو خاموش ہی رہا جائے۔ یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کو دارومدار بتایا ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادتوں کی قدر وقیمت اور ان کا حسن وقبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيْمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دے دے) لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو ٹھیک اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو

اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں خیر کے دروازے بھی بتادوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتلاؤں؟ غالباً اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نفل عبادات تھیں۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلب دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھادیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھادیتا ہے اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے اور ابواب خیر میں اس کا خاص مقام ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور اُمید کی کیفیت کے ساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ وخیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کے لیے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردۂ غیب میں چھپا رکھا گیا ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتادوں؟ (معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتادیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین کا سر یا سرا اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتادوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو یہ چلنے میں بے باک اور بے احتیاط نہ ہو معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیبا کانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:... اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواب خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفلی نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو "راس الامر" یعنی

دین کا سر بتلایا ہے۔ بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو۔ پھر نماز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا ستون بتلایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔ حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دارومدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے یعنی زبان کی بے باکیاں ان سب اعمال حسنہ کو بے وزن اور بے نور کردیتی ہیں۔ پھر جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ آج بھی ہر دیکھنے والا چشم خود دیکھ سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے۔

ہرچہ بر آدمی برسد ز زیاں   ہمہ از آفت زباں برسد

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ اتَّقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضاء میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبان حال یا بزبان قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی! ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اس لیے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر چیا کا نہ چل ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاء انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اس کے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اس کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے

اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس کی خاص ترجمان ہے اس لیے دونوں کی نوعیت یکساں ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد اور کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کے لیے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اس کا ذمہ لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا اور شہوت نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا تو میں اس کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان ہوں اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا. (رواه الترمذی)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بے جا چلے۔ لہذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبداللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا.

(رواه احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا وہ ہلاکت کے خطروں سے

نقل کیا ابھی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بے باکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ. (رواه احمد والترمذى)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گُر کیا ہے؟ (اور نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جا نہ چلے) اور چاہیے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ "تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہونی چاہیے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھ کرو اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا جھگڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَأَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتا دوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ دونوں خصلتیں ضرور بتا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ خاموش رہنے کی عادت اور حسن اخلاق قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بے ضرورت اور نامناسب اور ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات دینی تھیں اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ" (رواه فى شرح السنة) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ

خاموش رہتے تھے) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا يَرْجُو ثَوَابَهُ" (رواہ الطبرانی فی الکبیر) (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب کی امید ہوتی تھی)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهُ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهُ فَقُلْتُ يَا اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں میں نے عرض کیا اے ابوذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے؟) انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "برے ساتھی کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور بری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ آ گئی ہے کہ خاموشی کی جو فضیلت ہے وہ بری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی صراحت سے آ گئی ہے کہ برے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہم نشینی سے بہتر تنہائی ہے لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

فائدہ: ... یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے رجحانات بہت مختلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی عظیم وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگان خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں ان سے ملنا جلنا ان کے لیے شاق اور گراں ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں' ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود ان کا عمل تھا اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں ان کی بھی اصلاح اور درستی کے لیے ان سے ملنا جلنا اور ان کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے ان کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے ان کی خدمتیں کرنا ان کے لیے شاق نہیں ہوتا بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آ گئی ہیں گی) اسی طرز عمل کی رہنمائی فرمائی ہے اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حضرت ابوذر

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے۔ ان کا طرزِ عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں' اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہل ایمان اور اہل صلاح کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اس کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل یک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے دین کی وسعت تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

فضولیات سے احتراز

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (رواہ مالک و احمد و رواہ ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و الترمذی والبیھقی فی شعب الایمان عنھما)

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اس کے لیے ضروری اور مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے جامع میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً و مسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے۔)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتوں اور کاموں اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمالِ ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت ہے۔ اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترکِ مالایعنی" ہے۔

چغل خوری

جن بری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین جرم اور گناہِ عظیم قرار دیا ہے اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک چغل خوری بھی ہے یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے۔ اسی بری عادت کا نام چغل خوری ہے چونکہ آدمیوں کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد میں سے ہے۔ (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادت سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لیے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہرحال چغل خوری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگین ترین گناہوں میں سے بتایا ہے اور آخرت میں سامنے آنے والے اس کے برے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو معاف کر دے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اس کے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادتاً چغل خور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کر دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو اور جو بندگان خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہیے کہ وہ صحبت ومجالست کے لیے ایسے بندگان خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو اور اللہ یاد آئے اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں اور ان کو بدنام کرنا اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے اور ان کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِىْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِىْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ امت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغل خوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اس کے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے جس کے نتائج بعض وقتوں میں بڑے خطرناک اور دور رس نکلتے ہیں۔ اس لیے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں "اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے" سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہرحال غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھناؤنی بداخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے۔ بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف کسی کی برائی اور بداخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔

عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهُ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور ان کی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے تھے جن سے وہ

اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... نحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، خاص کر جب بالکل سرخ ہو تو اس کو بھی نحاس کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں "نحاس کے ناخون" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں تپے ہوئے سرخ تانبے کے سے تھے اور یہ انہی ناخونوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کے لیے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لیے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ حرمت اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے اور یہاں کا یہ عذاب مشغلہ تھا۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِىْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَفِىْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ) وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے" بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو گی۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِىْ اَخِىْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا "کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟" صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعۃً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہو گی جبکہ وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...... اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

ف: یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کے لیے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا، کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا اور دین و شریعت کے محافظ علماء حق کا اہلِ باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دو رُخے پن کی مذمت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف یا نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں ایسے آدمی کو اردو زبان میں "دورُخا" کہتے ہیں اور عربی میں "ذوالوجہین" کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے جس سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گندی بات ہے اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: ... قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہوتی ہے

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو شخص دو رُخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں۔ اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے۔ پس دو رُخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں

ہوں گی۔ "اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!" واضح رہے کہ جانوروں میں سے بچھو سانپوں کی دو ذبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لیے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین ہیں لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہیے اتنی فکر نہیں کرتے ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے) یہ بری عادت (دوزخاپن) بھی اسی قبیل سے ہے ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق و امانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمۂ ایمان و اسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا نفاق کی خاص علامات میں سے ہے اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مومن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا۔"

اب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج کیے جاتے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست سچائی اور امانت داری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عادت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت

تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔ نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا منافق بن جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ ان کا یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو بغیر خیانت کے اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے۔ اگر یہ نہیں تو محبت کا دعوٰی ایک بے جا جسارت اور ایک صریح کا نفاق ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِىْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لو یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)

تشریح: ..... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادی اخلاق

(صدق وامانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ. (رواه الترمذى والدارمى والدارقطنى)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن دارقطنی)

تشریح: ... اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قرب خداوندی کے اس سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى وَبَرَّ وَصَدَقَ. (رواه الترمذى وابن ماجه والدارمى)

عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنہوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

جھوٹ اور خیانت

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھنا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: .. جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آ جاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ. (رواه ابو داؤد)

سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہر حال گناہ اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کے اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو اور اس کو دھوکہ دو۔

جھوٹی گواہی

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ" (بتوں کی گندگی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے) ... (سنن ابی داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: .. ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں۔ ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورۂ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور دونوں

سے بچنے کی تاکید کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائی ہے۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا" راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کو دہرایا۔ یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لیے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مار لے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہوں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لیے واجب اور جنت اس کے لیے حرام ہوگی؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

تشریح: یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ اَحَدٌ مَالاً بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ. (رواہ ابو داؤد)

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح: ...... ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مارلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا۔ (نعوذ باللّٰہ من غضبہ وعقابہ) ۔ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے اور دوزخ کا اس کے لیے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے۔ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ اللہ کی پناہ! کتنی سخت ہیں یہ تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضادات نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ شخص اس گناہ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے اس دنیا سے نہیں گیا ہے تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر اور خدا کو گویا اپنا گواہ قرار دے کر جھوٹ بولنا اور کسی بندے کا مال ہڑپ کرنے کے لیے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لیے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا بھی ایسا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شانہ ان سے ہم کلام ہوگا نہ ان پر عنایت کی نظر کرے گا اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تینوں کون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسے کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: .. جس طرح حاکم اور جج کے سامنے کسی معاملے میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے۔ اسی طرح سودے کو بیچنے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر اس کو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے اس لیے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے۔ اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی اور اس کی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی اقسام

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِّ اَنْ تُعْطِيَهُ؟ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذْبَةٌ. (رواه ابو داؤد والبيهقي في شعب الايمان)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ میں تجھے کچھ دوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو! اگر اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لیے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہیں چاہیے۔ علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے گرچہ ان کا مقصد صرف بہلاوا ہی ہو پھر بھی بچے ان سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُّحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهُ وَيْلٌ لَّهُ. (رواه احمد والترمذى و ابو داؤد والدارمى)

بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان میں جھوٹ بولے اس پر افسوس! اس پر افسوس! (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، دارمی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے۔ اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے دوسرے جھوٹی باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہیے اس میں بھی کمی آتی ہے اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی

ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:... مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائقِ اعتماد نہیں رہتا۔ بہرحال مومن کو چاہیے کہ وہ مخفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی اقسام

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے۔ اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ. (رواه الترمذي)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ابوالہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:... ابوالہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا تھا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ ارشاد فرمایا: جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہیے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو امانت دار اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ حقِ امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہو گا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ. (رواه الترمذي و ابو داود)

حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح:... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے اس کو راز رکھنا لیکن اس کے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہیے اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہو گی اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہو گا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بندے کے ناحق قتل یا اس کی آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے

کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو، وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ اِلَّا ثَلٰثَۃَ مَجَالِسَ سَفْکُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَیْرِ حَقٍّ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں رازداری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خون ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ۔ ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہیے، در اصل منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کے لیے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانتداری اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لیے جن کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو ان کو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِیْ خَیْرًا. (رواہ البخاری و مسلم)

ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اسی سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھے تذکرے کرنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور تمام بدمزگی کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچائی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور محبت کی فضا پیدا ہو تو اس مقصد کے لیے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے جو واقعہ میں اس فریق نے نہ کہی ہوں، تو اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے۔ بس یہی اس حدیث کا منشا ہے اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستیِ فتنہ انگیز"

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا در حقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے اس لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔
چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ: جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے لے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔
"شعب الایمان" کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے کیے عہد کا پابند نہیں اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے، اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ... اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: "وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ" یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو پھر بھی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔
بہرحال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتایا گیا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِدَةُ دَیْنٌ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہیے) (معجم اوسط طبرانی)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے لیکن اگر بالفرض کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا بلکہ اتباع شریعت کا ثواب ہوگا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَهٗ بَقِیَّةٌ فَوَعَدْتُّهٗ اَنْ اٰتِیَهٗ بِهَا فِیْ مَکَانِهٖ فَنَسِیْتُ فَذَکَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِیْ مَکَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُکَ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (جس کی کچھ قیمت مجھے دینا تھی اس کا کچھ حصہ تو میں نے اسی وقت دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ موجود ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا اور بڑی زحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک آپ جگہ وعدہ پر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے۔ واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں جو "خلق عظیم" ودیعت فرمایا تھا اس کا تقاضا یہی تھا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ أَحَدُهُمَا إِلَى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِي جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رواہ رزین)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک ان میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر مقررہ جگہ پر پہنچ گیا اور آنے والے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لیے مقررہ جگہ سے چلا گیا تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (رزین)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لیے چلا جائے یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے تو اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا اور یہ گنہگار نہیں ہوگا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِيَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عنداللہ گنہگار نہ ہوگا لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع اور تکبر

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے اور بڑی ترغیب دی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے اور اسی لیے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہے۔

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ لوگ تواضع اور خاکساری اختیار کریں جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهِ صَغِيْرٌ وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهِ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے اللہ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لیے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھا لے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ..... اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف متضعف" بتلائی گئی ہے اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے کیونکہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ" (صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے) بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح

دوسروں سے دب جائے اور اس لیے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبایا کریں۔ اسی لیے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ، متکبر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و فروتنی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے اور غرور، استکبار اور اکڑ پن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لیے اپنی خودی کو مٹا کر اس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھالے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم شریف)

تشریح:... کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت و ذلت ہے، جس کو کبھی فنا نہیں اور اس کے علاوہ سب کے لیے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (جاثیہ ع ۴)

(اور اسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا)

پس اب جو بے حقیقت انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر والا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے اس لیے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے۔ اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بدعملی یا بداخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جا سکے گا ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بدعملی یا بداخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لیے اس حدیث کا مطلب بھی اسی اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہیے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈالنے والی خصلت ہے یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی اور جب وہاں آگ میں تپا کے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا اور

غرور کی گندگی سے اس کو پاک وصاف کردیا جائے گا تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جاسکے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ
وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ شَیْخٌ زَانٍ وَمَلِکٌ کَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا فرمانروا اور تیسرا نادار غریب متکبر۔ (صحیح مسلم)

تشریح:... بعض معصیتیں بذات خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر ان کا صدور ہو تو ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً چوری بذات خود بڑی معصیت ہے لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو یا سرکاری سپاہی و چوکیدار ہو تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا اور اس کو قابل معافی نہیں سمجھا جائے گا۔ اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبختوں، بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم کلام نہ ہوگا اور ان کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے۔ ایک بوڑھا زناکار دوسرا جھوٹا فرمانروا تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا اور یہ اس لیے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابل درگزر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لیے جھوٹ بول جائے تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہوسکتا ہے لیکن ایک صاحب اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔

لیکن گھر میں فقر وفاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور وتکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دناءت اور کمینہ پن ہے۔ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے۔ تزکیہ نہ کیے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے اور صرف عقیدہ یا بعض اعمال صالحہ کی بنیاد پر ان کو مومنین صالحین کے ساتھ شمار نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم

شرم وحیا

شرم وحیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے۔ یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا اور فواحش ومنکرات سے اس کو بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ الغرض شرم وحیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش ومنکرات سے اس کی محافظ ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم وتربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (رواه مالك مرسلاً و رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان عن انس و ابن عباس)

زید بن طلحہ سے روایت ہے وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔ (موطا امام مالک، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے اور انسانی زندگی میں اسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحم دلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحم دلی اور عفو و درگزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیاء پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو نیز قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیاء کا تعلق صرف اپنے ابنائے جنس ہی سے نہیں ہے بلکہ حیاء کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ کی اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا اور سب محسنوں کا محسن ہے۔ لہٰذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اسی کی ہونی چاہیے اور اس حیاء کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو آدمی کی طبیعت اس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی ان صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِى الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا اور وہ اس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا

کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم وحیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات میں نرم ہوں گے سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم وحیاء کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے اور ان کے کوئی بھائی تھے جو ان کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دن یہ بھائی ان صاحب حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم وحیا کیوں کرتے ہو اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں بھائیوں پر گزر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سن کر ملامت ونصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے شرم وحیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے۔ اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ. (رواه احمد والترمذى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور بدی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح:...... اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم وحیاء شجر ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے "والحیاء شعبة من الایمان" (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہر حال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے اور یہ سب اسی کی تعبیریں ہیں اور اسی کی ایک تعبیر وہ بھی ہے جو اس سے بعد والی حدیث میں آرہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیاء میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا۔ الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیاء اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیاء صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم وحیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم وحیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطۂ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ شرم وحیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے مثلاً جس آدمی میں شرم وحیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اہم دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیاء میں فرق نہیں کر پاتے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ "جب تم میں شرم وحیا نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو" (صحیح بخاری)

تشریح:...... انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں لیکن ان کی کچھ بچی کچی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سینکڑوں ہزاروں برس گزرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلائق رہیں انہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بطور ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی۔ "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ" جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بے حیا باش وہر چہ خواہی کن" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اِسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہیے۔ مخاطبین نے عرض کیا الحمدللہ! ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں (یعنی حیاء کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار وخیالات ہیں ان سب کی

نگہداشت کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی برے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہوتی ہے اس کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لیے پسند اور اختیار کرے گا۔ پس جس نے یہ سب کچھ کیا سمجھو کہ اللہ سے حیاء کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیاء کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے۔ نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اس کے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انہوں نے اپنا مطمح نظر بنا لیا ہو اور موت اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اس نے اللہ سے حیاء کا حق ادا نہیں کیا۔

قناعت و استغناء اور حرص و طمع

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے تحت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاد ذیل میں پڑھئے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا کچھ ضروری سامان بھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرما دے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے۔

ایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں لیکن اس میں اور زیادہ کے لیے طمع اور حرص ہو اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے اور "ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ" ہی کے چکر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ. (رواه البخاري)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَقُولُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنٰى قُلْتُ نَعَمْ قَالَ تَقُولُ قِلَّةُ الْمَالِ الْفَقْرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ الْغِنٰى فِي الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ. (رواه الطبراني في الكبير)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال کی زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں حضورؐ! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں حضورؐ! (یہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصلی دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح:... حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسے سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے اگر دل غنی اور بے نیاز ہے تو آدمی بے فکر اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص و طمع کا گرفتار ہے تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور تنگ دل و پریشان حال ہے۔ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور قول ہے:

تونگری بدل است نہ بمال

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتّٰى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ　　مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ مَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ مَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ. (رواه أبو داود)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمادیا (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انہوں نے پھر طلب کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو عطا فرمادیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کچھ نہ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں سے فرمایا: جو اچھی چیز اور دولت بھی میرے پاس ہوگی اور کہیں سے آئے گی میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا لیکن یہ بات خوب سمجھ لو کہ اس طرح، مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اس کو بچا دیتا ہے اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے

نیاز کر دیتا ہے اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اس کو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو اور ان کے سامنے اس کو دست سوال دراز نہ کرنا پڑے اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں تو اسے چاہیے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔" واقعہ یہی ہے کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے اسی لیے قرآن مجید کی آیت "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" میں صبر کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی مقدم کیا گیا ہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا. (رواه البخاري ومسلم)

حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرما دیا' میں نے پھر مانگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرما دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے۔ پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہو گی اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہو گا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہیے۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

تشریح:...... اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے دور خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شیخین

کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور امارت میں ایک سو تیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا۔ (رواہ ابو داود)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں۔ اسی نے ان کو بخل کرنے کو کہا تو انہوں نے بخل اختیار کیا۔ اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کیلئے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی، اسی نے ان کو بدکاری کے لیے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔ (سنن ابی داود)

تشریح:..... یعنی حرص و طمع صرف ایک بری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ۔ (رواہ ابو داود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ انسان میں سب سے بری بات گھبرا دینے والی حرص اور گھبرا دینے والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داود)

تشریح:..... یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے۔ اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آ جائے تو وہ بے تابی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش

ہے اور وہ جب ہو ہے اپنی خوشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اس لیے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ. (رواہ مسلم)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے وہ یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

تشریح:... اس دنیا میں تکلیف اور آرام سب ہی کے لیے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کیے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں اور چونکہ دکھ اور خوشی دو ہی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لیے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:... جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتداء ہی میں ہوتا ہے اور کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے اس لیے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا

اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدائے تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم! جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا ذہنی تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

ف: .... جب کسی بندۂ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرلے تو ان شاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ و شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح: ... صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا فَقَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے، الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کے لیے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی

طالب ہو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ہی تشریف لے آئیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر چل دیئے اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بعض اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لئے پس وہ بچہ اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا گیا اور اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا اس کے حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضرت! یہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)

تشریح:... حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔ بلکہ طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اس لیے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ. وَالسَّلَامُ." (رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام میں پہلے اس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور

ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اسی اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محروم رہا) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام (معجم کبیر و معجم اوسط)

تشریح:..... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: "اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لیے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

فائدہ:..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندے کے لیے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش! اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى اِنِّىْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِىْ وَعِلْمِىْ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں مجھ سے میرے شوہر ابوالدرداء نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبہ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے ان کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ ان میں (کوئی خاص درجہ کی) بُردباری اور عقل مندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب ان میں بُردباری اور عقل مندی نہ ہوگی تو ان سے خوشحالیوں میں شکر اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ... مصیبت میں بے دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا" اب اگر کسی اُمت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور قرون تابعہ کے صالح مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حلم سے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرما دیے ہیں اور یہ صبر و شکر اسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس اُمت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تا کہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اس کی تکمیل ان کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے اور ان کے نتیجہ میں ایک ایسی اُمت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہوگی۔

توکل اور رضا

انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے سب براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کیے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعے پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسی کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اسی سے لو لگانا اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا بس یہی طرز عمل کتاب و سنت کی اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا یہ توکل کے لیے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ہر دور کے صادقین کاملین کا توکل یہی تھا۔ یہ سب حضرات اس کارخانہ ہستی کے اسباب کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند

گئی ہے۔ وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لیے شرط ہے۔ ہاں اگر غلبۂ حال سے اللہ تعالیٰ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابلِ اعتراض بھی نہیں بلکہ ان کے حق میں یہی کمال ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لیے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لیے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے کوئی بندہ خدا ترکِ اسباب کا رویہ اختیار کرے تو یہ بھی بالکل درست ہوگا لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثناء کی گئی ہے اور بلاشبہ یہ توکل ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے۔ جس کو توکل نصیب نہیں یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی اچھے یا برے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور شگون بد نہیں لیتے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہلِ عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ منتر، منتر زدہ کو بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے گندے منتر ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان یا ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا اس لیے پھر اس کو نہیں کرتے تھے۔ الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لیے منتر نہ کرائے جائیں اور شگون بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لیے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ اصل کارفرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ

کی ذات اور اس کا حکم ہے۔ لہٰذا کسی مقصد کے لیے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگان خدا وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگون بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے۔ اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگون بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور موثر سمجھنے کے سبب سے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کو ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔

البتہ توکل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔ یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ اول میں مستحق ہوں گے ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں جیسا کہ انہیں کرنا چاہیے تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ انہیں آدمیوں کی سی محنت ومشقت کے بغیر معمولی نقل وحرکت سے روزی مل جاتی ہے صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں۔ اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے اور انہیں زیادہ محنت کا بار نہ اٹھانا پڑے۔ جیسا کہ اب اٹھانا پڑتی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَىِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ تعالیٰ کو پروا نہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی توجہیں اس کے سپرد کردے اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لیے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)

تشریح۔۔۔ حدیث کا مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے۔ حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس پر توکل اور اعتماد کرے اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے پھر اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا تو اللہ کو یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہیے اس کو تو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر اور اس بات کو دل میں بٹھا لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اسی چیز سے تجھ کو

نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دی ہے اس کے سوا کسی چیز سے نہیں اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لیے مقدر کر دیا ہے اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا اُٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح:.... حدیث کا مطلب ومنشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے' وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لیے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام وحقوق کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا اور دنیا وآخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوْحَ الْأَمِيْنَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ إِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِطَاعَتِهٖ. (رواه البغوی فی شرح السنة والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو اس طرح اوامر ونواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اور اللہ کے تمام مثبت ومنفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (شرح السنہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امین علیہ السلام نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی تھی لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اس کے حاصل کرنے کیلئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ تنگ رزقی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھانے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کر لے ایسے وقت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِّيَّةِ فَلَمَّا رَأَتِ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَى فَوَضَعَتْهَا وَإِلَى التَّنُّورِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى التَّنُّورِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا قَالَتِ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحَى فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لیے) جنگل کی طرف نکل دیا جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا (کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اس نے تیاری شروع کردی) وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جا سکے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹا مل جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود

بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک! ہمیں رزق دے۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لیے جو جگہ بنی ہوتی ہے (جس کو چکی کا گرانڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھرنی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملا ہے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں چکی کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میاں اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔ (مسند احمد)

تشریح ۔۔۔ اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے۔ اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بےشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اس کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر ان کے کسی متبع امتی کے ہاتھ پر ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خرق عادت طریقہ سے ان کے لیے روزی کا سامان بھیج دیا۔ غیب سے چکی میں آٹا آ گیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے ناآشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے ان کے لیے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" (سورۂ طلاق) اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کیلئے اور اس کے کام بنانے کیلئے کافی ہے۔

عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے اور آدمی کی بدبختی اور بد نصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بد نصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: ۔ اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندوں پر ایسے حوادث آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں ایسے موقع پر بندوں کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حکیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف و رحیم یقین

کرتے ہوئے اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لیے بہتری ہو اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لیے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو)

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کے لیے جو خیر ہو تو اس کے لیے فیصلہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بد نصیبی اور بدبختی ہے، اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بد نصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کمال و جمال پر پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی نہیں ہے بلکہ دل کی درستی اور نیک کرداری ہے، وہ کسی بندے کے لیے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورہ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَادِكُمْ وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۶)

(اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے)

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کے لیے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دار و مدار دل کے رخ اور صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے۔ پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو اور اس کی نیت درست نہ ہو تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی تاثیر و برکات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَّتَمَاشَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ

فنزلوا الى غار في الجبل فانحطت على فم غارهم صخرة من الجبل فاطبقت عليهم فقال بعضهم لبعض انظروا اعمالا عملتموها لله صالحة فادعوا الله بها لعله يفرجها فقال احدهم اللهم انه كان لي والدان شيخان كبيران ولي صبية صغار كنت ارعى عليهم فاذا رحت عليهم فحلبت بدأت بوالدي اسقيهما قبل ولدي وانه قد نأى بي الشجر فما اتيت حتى امسيت فوجدتهما قد ناما فحلبت كما كنت احلب فجئت بالحلاب فقمت عند رؤوسهما اكره ان اوقظهما واكره ان ابدأ بالصبية قبلهما والصبية يتضاغون عند قدمي فلم يزل ذلك دأبي ودأبهم حتى طلع الفجر فان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا فرجة نرى منها السماء ففرج الله لهم حتى يرون السماء قال الثاني اللهم انه كانت لي بنت عم احبها كاشد ما يحب الرجال النساء فطلبت اليها نفسها فابت حتى آتيها بمائة دينار فسعيت حتى جمعت مائة دينار فلقيتها بها فلما قعدت بين رجليها قالت يا عبد الله اتق الله ولا تفتح الخاتم فقمت عنها اللهم فان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا منها ففرج لهم فرجة وقال الآخر اللهم اني كنت استأجرت اجيرا بفرق ارز فلما قضى عمله قال اعطني حقي فعرضت عليه حقه فتركه ورغب عنه فلم ازل ازرعه حتى جمعت منه بقرا وراعيها فجاءني فقال اتق الله ولا تظلمني واعطني حقي فقلت اذهب الى ذلك البقر وراعيها فقال اتق الله ولا تهزأ بي فقلت اني لا اهزأ بك فخذ ذلك البقر وراعيها فاخذه فانطلق بها فان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج ما بقي ففرج الله عنهم. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "تین آدمی کہیں چلے جارہے تھے کہ ان کو مینہ (بارش) نے آلیا، وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کر دیا، تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا: اپنے ان نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خالص صرف خدا کے لیے کیے ہوں اور ان عمل کے وسیلے سے خدا سے دعا مانگو امید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا مصیبت کو دور کر دے۔ ایک نے ان میں سے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے چھوٹے بچے تھے میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا، ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا، یہاں تک کہ شام ہو گئی، جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں، میں نے حسب معمول دودھ دوہا، پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا، مجھ کو ان کو جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے اور میں دودھ لیے کھڑا تھا صبح تک یہی کیفیت

رہی یعنی میں دودھ لیے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے اور ماں باپ پڑے سوتے رہے' اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی' میں اس سے انتہائی محبت رکھتا تھا ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اس سے جماع کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا کہ جب تک سو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا' میں نے کوشش شروع کی اور سو اشرفیاں جمع کر لیں اور ان کو لے کر میں اس کے پاس پہنچا' پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کے لیے) تو اس نے کہا کہ اے خدا کے بندے! خدا سے ڈر اور مہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لیے راستہ کھول دے' خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔ تیسرے شخص نے کہا' اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا' ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلوایئے؟ میں اس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کر دی اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ ان چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور ان کے چرواہے جمع کر لیے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا' خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق میرے حوالے کر' میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اس نے کہا خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر' میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا' ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا' یہ سب تیرے ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لیے تھا تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے' چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا اور راستہ کھول دیا۔"

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے اُمتی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سبق آموزی کے لیے اس قصہ کو بیان فرمایا۔ اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اس سے دعا کی ہے ان کی چند خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحۃً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف اللہ کی رضا جوئی میں کیے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بناء پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدہ نفس کتنا سخت ہے' دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے' قدرتی طور پر اس کا جی سونے کو بے حد چاہتا ہو گا بلکہ وہ سونے کے لیے مضطر اور بے قرار ہو گا لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ پیے سو گئے تھے اور یہ اللہ کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے ان کی آنکھ کھلے یہ ان کو دودھ پلا دے' اس

لیے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لیے ان کے سرہانے کھڑا رہا اور پھر اس کے بچے اس کے قدموں میں پڑے بھوک سے روتے چلاتے رہے لیکن اس نے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پلایا یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہوگئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے اور جب ایک پیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے اور کسی طرح وہ رقم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی تو ٹھیک اس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کیے بغیر اللہ سے ڈر کر اور اس کی رضا طلبی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند سیر چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے اس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اس نے اسی مزدور کی ملکیت قرار دے کر اسی کے حساب میں اس کو لگاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہوگئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہوگیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اس مزدور کے حوالے کردی۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضائے الٰہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بے چارے مزدور کے حوالے کردی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبادت نہیں ہے بلکہ ایک کا تعلق باب معاشرت سے ہے۔ ایک کا باب معاملات سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندے نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اس نے فراہم کر لیے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کو پیش کر سکتا ہے۔

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ. (رواہ احمد)

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک

کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

تشریح:...... حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے یہ وہ "شرک حقیقی" اور "شرک جلی" اور "شرک کبیر" ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن ان میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرے یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار اور نیکوکار سمجھیں اور اس سے معتقد ہو جائیں اسی کو ریا کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرک خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرک اصغر" کہا گیا ہے۔ (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں)۔ (مسند احمد)

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ ان کے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لیے اور ان کی نظروں میں معزز ومحترم بننے کے لیے یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک خفی ہوگا اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرہ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے عرض کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو پھر اپنی نماز کو اس لیے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک وکفر کی دعوت دے گا اور جس کے لیے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کے لیے آمادہ ہوگا لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو بلکہ خفی قسم کا شرک ہو جس کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی کہ نماز اس نیت سے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی اُمت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ایسا ہوگا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہ تو اطمینان ہے کہ میرے اُمتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریاء والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ. (رواہ احمد)

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) "شرک اصغر" کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا)۔ (مسند احمد)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشاء اپنے اُمتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں، اس طرح میں راضی نہیں ہوتا اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی کچھ شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بیزار اور بے تعلق ہوں وہ عمل (میرے لیے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا (یعنی جس کو اس نے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ. (رواہ احمد)

ابو سعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ کے لیے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اس کا ثواب اسی دوسرے سے جا کر طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔۔ دونوں حدیثوں کا ماحاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بالکل قبول نہ کرے گا وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی ملاوٹ سے سخت بیزار ہے یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کے لیے کیے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلاص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ملاوٹ ہو لیکن جو "نیک اعمال" محض ریاکارانہ طور پر کیے جائیں جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیے جائیں گے بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاری کی مذمت

عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کریگا اللہ تعالیٰ اسکو شہرت دیگا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح:۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا ان کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لیے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو ان کی بدباطنی دکھا دی جائے گی۔ (اللھم احفظنا)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ مِنَ اللِّيْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُوْنَ فَبِيْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰٓئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ. (رواه الترمذي)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں۔ پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے

اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کرکے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے اور ان سے دنیا کمائی جائے' بدترین قسم کی ریاکاری ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کیے جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ یَدْخُلُهَا؟ قَالَ اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ "جب الحزن" (غم کے کنویں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا حضرت! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' وہ بڑے عبادت گزار اور زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لیے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... جہنم کی اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "القراء" کا لفظ بولا ہے اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنویں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار' عالم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گزار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور عمل کے لحاظ سے ان کی یہ ساری دینداری اور عبادت گزاری ریاکارانہ ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِیْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سب سے پہلا شخص جس نے

خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا' یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا' پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں' وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا' یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لیے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں' سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو لئے۔ پھر اس کے لیے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا' اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں جتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کے لیے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لیے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی تو نے تو علم دین اس لیے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لیے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم و قاری اور مولوی کہا جائے' سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و مولوی اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا' پھر اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا' وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں جتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوندا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا ہے اور صرف تیری رضا جوئی کے لیے خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا' درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لیے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: الامان والحفیظ! کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث۔ اس کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم' قرآن مجید میں مشغولیت اور راہ خدا میں جانی اور مالی

قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ یا ثواب اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لیے یا اس قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کے لیے کیے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لیے کیا جائے گا اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اللھم احفظنا!

اچھی شہرت اللہ کی ایک نعمت ہے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ۔ وَفِي رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ۔ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے اپنے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو مومن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حد درجہ محتاط کر دیا تھا، ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ مل گیا۔ اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کے لیے کیے جائیں لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں

ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کر رہا ہے کہ وہ اس کی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا۔ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اللّٰھم آمین

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا

عن معاذ بن جبل قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قال الله تعالى وجبت محبتي للمتحابين في المتجالسين في (رواه مالك)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لئے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہوگئی جو میرے ہی علاقہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ الخ

تا کہ ان لوگوں سے اچھی باتیں سنیں ان سے اچھی خصلتیں سیکھیں اور جو نیک لوگ گذر گئے ہیں ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھا کریں یا ان کے حالات معلوم کریں یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے گویا ان کے پاس ہی بیٹھ کر ان سے باتیں سنیں اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں۔

فائدہ: چونکہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد اور بہت قوت کے ساتھ اور بدوں کسی خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے اچھا اثر بھی اور برا اثر بھی۔ اس لئے اچھی صحبت بہت ہی بڑے فائدے کی چیز ہے اور اسی طرح بری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے اور اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جس کو ضرورت کے موافق دینی باتوں کی واقفیت بھی ہو اور جس کے عقیدے بھی اچھے ہوں شرک و بدعات اور دنیا کی رسموں سے بچتا ہو اعمال بھی اچھے ہوں، نماز، روزہ اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو معاملات بھی اچھے ہوں لین دین صاف ہو حلال و حرام کی احتیاط ہو، اخلاق ظاہری بھی اچھے ہوں، مزاج میں عاجزی ہو کسی کو بے وجہ تکلیف نہ دیتا ہو غریبوں، مصیبت زدوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، اخلاق باطنی بھی اچھے ہوں، خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف دل میں رکھتا ہو دنیا کا لالچ دل میں نہ رکھتا ہو دین کے مقابلہ میں مال اور راحت اور آبرو کی پرواہ نہ رکھتا ہو، آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو ہر حالت میں صبر و شکر کرتا ہو جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں اس کی صحبت اکسیر ہے اور جس شخص کو ان باتوں کی پوری پہچان نہ ہو تو اس کے لئے یہ پہچان ہے کہ اپنے زمانے کے نیک لوگ (جن کو اکثر مسلمان عام طور پر نیک سمجھتے ہوں ایسے نیک لوگ) جس شخص کو اچھا کہتے ہوں اور دس پانچ بار اس کے پاس بیٹھنے سے بری باتوں سے دل ہٹنے لگے اور نیک باتوں کی طرف دل کھنچنے لگے بس تم اس کو اچھا سمجھو اور اس کی صحبت اختیار کرو اور جس شخص میں بری باتیں دیکھی جاویں بدون کسی سخت مجبوری کے اس سے میل جول مت کرو کہ اس سے دین تو بالکل تباہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے کہ یا تو جان کا کسی تکلیف یا پریشانی کا سامنا ہو جاتا

ہے اور کبھی دل کا کرنا کسی جگہ خرچ ہو گیا یا دھوکہ میں آ کر کسی کو دے دیا، خواہ محبت کے جوش میں آ کر مفت دے دیا خواہ قرض کے طور پر دیا تھا پھر وصول نہ ہوا اور کبھی آبرو کا کرنا یوں کہ ان کے ساتھ یہ بھی رسوا و بدنام ہوا اور جس شخص میں نہ اچھی علامتیں معلوم ہوں اور نہ بری علامتیں اس پر گمان تو نیک رکھو اس کی صحبت مت اختیار کرو۔ غرض تجربہ سے نیک صحبت کو دین کے سنورنے میں اور دل کے مضبوط ہونے میں بڑا دخل ہے اور اسی طرح صحبت بد کو دین کے بگڑنے میں اور دل کے کمزور ہونے میں اب چند آیتیں اور حدیثیں صحبت نیک کی ترغیب میں اور صحبت بد کی مذمت میں لکھی جاتی ہیں۔

کس کی صحبت اختیار کی جائے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ای جلسائنا خیر قال من ذکرکم اللہ رؤیتہ وزاد فی علمکم منطقہ وذکرکم بالآخرۃ عملہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے؟ (کہ اسی کے پاس بیٹھا کریں) آپ نے ارشاد فرمایا ایسا شخص (پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے) کہ جس کا دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے اور اس کا بولنا تمہارے علم (دین) میں ترقی دے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی یاد دلا دے۔ (ابو یعلیٰ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو تب بھی حدیث ہی ہے) کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹا تو علما کے پاس بیٹھنے کو اپنے اوپر لازم رکھنا اور اہل حکمت کی باتوں کو سنتے رہنا (حکمت دین کی باریک باتوں کو کہتے ہیں جن کی سچے بزرگ تعلیم کیا کرتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نور حکمت سے اس طرح زندہ کر دیتے ہیں جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار پانی سے تر و تازہ کر دیتے ہیں۔ (طبرانی کبیر)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہو گئی جو میرے ہی علاقہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ الخ

فائدہ: یہ جو فرمایا میرے علاقہ سے مطلب یہ کہ محض دین کے واسطے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ہم نشین اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوئے ہو (یہ مثال ہے نیک صحبت کی) اور ایک شخص بھٹی دھونک رہا ہے (یہ مثال ہے بد صحبت کی) سو وہ مشک والا تو تجھ کو دے دیگا اور یا (اگر نہ بھی دیا تو) اس سے تجھ کو خوشبو تو پہنچ جاوے گی اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری آ پڑی) اور یا (اگر اس سے بچ بھی گیا تو) اس کی گندی بو تو تجھ کو پہنچ جاوے گی۔

فائدہ: یعنی نیک صحبت سے اگر کامل نفع نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا اور بد صحبت سے اگر کامل ضرر نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرر ہو جاوے گا۔ (یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ کسی کی صحبت اختیار مت کرو بجز ایمان والے کے۔

فائدہ: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کافر کی صحبت میں مت بیٹھو دوسرا یہ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو اس کے پاس مت بیٹھو، پس پورا قابل صحبت وہ ہے جو مومن ہو خصوص جو مومن کامل ہو یعنی دین کا پورا پابند ہو۔

حضرت ابو رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو اس دین کا (بڑا) مدار ہے جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو ایک تو اہل ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑ لو (اور دوسرے) جب تنہا ہو تو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو (اور تیسرے) اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھو۔ الخ (بیہقی فی شعب الایمان)

فائدہ: یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبت نیک جڑ ہے تمام دین کی۔ دین کی حقیقت، دین کی حلاوت، دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھ کر ذریعہ ان چیزوں کا صحبت نیک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہیں ان پر زبرجد کے بالا خانے قائم ہیں ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں جو تیز چمکدار ستارہ کی طرح چمکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان بالا خانوں میں کون رہے گا؟ آپ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے لیے (یعنی دین کے لیے) آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو اللہ کے لیے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو اور نہ ان کے ساتھ یکجائی کرو (یعنی ان کی مجلس میں مت بیٹھو) جو شخص ان کے ساتھ سکونت کرے گا یا یکجائی کرے گا وہ انہی میں سے ہے (ترمذی) (یہ حدیث جمع الفوائد سے لی گئی ہے) ان سب آیتوں و حدیثوں سے مدعا کے ایک جزو کا ثابت ہونا ظاہر ہے۔ یعنی نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا تاکہ ان سے اچھی باتیں سنیں اور اچھی خصلتیں سیکھیں۔ اب مدعا دوسرا جزو رہ گیا یعنی جو نیک لوگ گذر گئے ہیں، کتابوں سے ان کے اچھے حالات معلوم کرنا کہ اس سے بھی ویسے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں جیسے ان کے پاس بیٹھنے سے۔ آگے اس دوسرے جزو کا بیان کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور حضرت ہود علیہ السلام کا اور حضرت صالح علیہ السلام کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، یہ سب قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (سورۂ [illegible])

فائدہ: یہ ایک فائدہ ہے نبیوں کے قصوں کے بیان کرنے کا کہ ان سے دل کو مضبوطی اور تسلی ہوتی ہے کہ جیسے دین حق پر مضبوط رہے

ہم کو بھی مضبوط رہنا چاہیے۔ اور جس طرح اس مضبوطی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اسی طرح اس مضبوطی پر ہماری بھی مدد ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی (یہاں) دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور (وہاں) اس روز بھی (مدد کریں گے) جس میں گواہی دینے والے (فرشتے) کھڑے ہوں گے (مراد اس سے قیامت کا دن ہے) (سورۂ مومن آیت ۵۱) اور وہاں کی مدد تو ظاہر ہے کہ حکم ماننے والے ظاہر میں بھی کامیاب ہوں گے اور بے حکمی کرنے والے ناکام ہوں گے اور یہاں کی مدد کبھی تو اسی طرح کی ہوتی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اول بے حکموں کو حکم نہ ماننے والوں پر غلبہ ہو گیا مگر مومنین جانب اللہ کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا۔ چنانچہ تاریخ بھی اس کی گواہ ہے (تفسیر ابن کثیر) اور ان قصوں سے یوں بھی تسلی ہوتی ہے کہ جیسے یہاں پر مضبوط رہے پھر آخرت میں وہ مزے دیں گے جس کی خبر ان قصوں کے بعد اس ارشاد میں دی گئی ہے یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کے لیے ہے اسی طرح ہم سے بھی اس پر جنت کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ متقی ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ (کی حالت) میں ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص (ہمیشہ کے لیے) کوئی طریقہ اختیار کرنے والا ہو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گذر چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی پر تو فتنہ میں پڑ جانے کا بھی شبہ ہے (کہ اسے زندہ آدمی کا طریقہ اسی وقت تک اختیار کیا جا سکتا ہے جب تک وہ راہ پر رہے) یہ لوگ (جن کا ہمیشہ کے لیے طریقہ لیا جا سکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں (وہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ) جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق و عادات کو مضبوط پکڑو (رزین) (کذا فی جمع الفوائد)

فائدہ: اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کے اخلاق و عادات کا اختیار کرنا جب ہی ممکن ہے جب ان کے واقعات معلوم ہوں تو ایسی کتابوں کو پڑھنا سننا ضرور ٹھہرا۔ جس طرح قرآن مجید میں حضرات انبیاء و علماء و اولیاء کے قصے بمصلحت ان کی پیروی کرنے کے مذکور ہیں (جیسا کہ ارشاد میں مذکور ہے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ انعام آیت ۹۰)

اسی طرح حدیثوں میں بھی ان مقبولین کے قصے بکثرت مذکور ہیں چنانچہ حدیث کی اکثر کتابوں میں کتاب القصص ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے اس سے بھی ایسے قصوں کا مفید اور قابل اشتغال ہونا ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے قصوں کی کتابیں لکھنے کا اہتمام رکھا ہے۔

اب میں ایسی چند کتابوں کے نام بتاتا ہوں کہ ان کو پڑھا کریں یا سنا کریں گو سننے والا جاہل ہو تو بھی ان شاء اللہ نفع حاصل ہو جاوے۔ (۱) نشر الطیب (۲) مغازی الرسول (۳) قصص الانبیاء (۴) مجموعہ فتوح الشام و المصر و العجم (۵) فتوح العراق (۶) فتوح مصر (۷) حکایات الصالحین (۸) تذکرۃ الاولیاء (۹) تذکرۃ الحسنین (۱۰) تحفۃ العاشقین (۱۱) امداد المشتاق (۱۲) نیک بیبیاں۔

مخلوق خدا پر شفقت

عن انس رضی اللہ عنہ قال خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما قال لی اف ولا لم صنعت ولا الا صنعت.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی آپ

نے کبھی مجھ کو اُف بھی نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلانا کام کیوں کیا اور فلانا کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ہر وقت کے خادم کو دس برس کے عرصہ تک ہوں سے یا ہاں نہ فرمانا یہ معمولی بات نہیں، کیا اتنے عرصہ تک کوئی بات بھی خلافِ مزاج لطیف نہ ہوئی ہوگی!

انس ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے۔ آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا۔ میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گزر ہوا یکایک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آکر) میری گردن پکڑ لی۔ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا انیس تم وہاں گئے جہاں میں نے کہا تھا جارہے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں جا رہا ہوں۔ (مسلم)

انس ہی سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جارہا تھا اور آپ کے بدن مبارک پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا۔ آپ کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ کو چادرہ پکڑ کر بڑے زور سے کھینچا اور آپ اس کے سینہ کے قریب جا پہنچے۔ پھر کہا اے محمد میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے۔ آپ نے اس کی طرف التفات فرمایا پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی جس پر آپ نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرمالیا)۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں اور) دو پہاڑوں کے درمیان بھر رہی تھیں۔ آپ نے اس کو سب دے دیں، وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا اے قوم مسلمان ہو جاؤ واللہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔ (مسلم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ آپ مقامِ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ آپ کو بدوی لوگ لپٹ گئے اور آپ سے مانگ رہے تھے یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اڑا دیا اور آپ کا چادرہ بھی چھین لیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے مدینہ (والوں) کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا۔ سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ (برکت کے لیے) اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی تب بھی اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔ (مسلم)

انس ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے۔ کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے فلانے شخص کو کیا ہو گیا۔ اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے (جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں خصوص اگر سجدہ میں لگ جاوے تب تو یہ دعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بُری باتوں سے روکنے کی یا اصلاح کی دعا ہوئی)۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردہ میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ۔ سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تھے تو (شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے مگر) ہم لوگ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے (جس کی کچھ تفصیل اگلی حدیث میں آتی ہے)۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ منجملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا (ذاتی) کام بھی کر لیتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں راہ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصہ کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا اس وقت آپ کی خدمت میں آ گیا تھا اور دس برس تک میں نے آپ کی خدمت کی۔ میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ نے کبھی ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ فرماتے جانے دو۔ اگر کوئی (دوسری) بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی۔

فکر آخرت

عن ابن مسعود قال تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان النور اذا دخل الصدر انفسح فقيل يا رسول الله هل لتلك من علم يعرف به قال نعم التجافي من دار الغرور والانابة الى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے (اس نور کی) پہچان ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا ہاں دھوکے کے گھر سے (یعنی دنیا سے) کنارہ کشی اور ہمیشہ رہنے کے گھر کی طرف (یعنی آخرت کی طرف) توجہ ہو جانا اور

موت کے لیے اس کے آنے سے پہلے تیار ہو جانا۔ (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے یاد کیا کرو لذتوں کی قطع کرنے والی چیز کو یعنی موت کو۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت تحفہ ہے مومن کا۔ (بیہقی)

فائدہ: سو تحفہ سے خوش ہونا چاہیے اور اگر کوئی عذاب سے ڈرتا ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کرے، یعنی اللہ و رسول کے احکام کو بجالاوے، کوتاہی پر توبہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑے پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے گویا تو پردیسی ہے (جس کا قیام پردیس میں عارضی ہوتا ہے اس لیے اس سے دل نہیں لگاتا) یا (بلکہ ایسی طرح رہو جیسے گویا تو) راستہ میں چلا جارہا ہے (جس کا بالکل ہی قیام نہیں) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام کا وقت آوے تو صبح کے وقت کا انتظار مت کر اور جب صبح کا وقت آوے تو شام کے وقت کا انتظار مت کر۔ (بخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن دنیا سے آخرت کو جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سفید چہرہ والے فرشتے آتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے پھر ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جانِ پاک اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل، پھر جب اس کو لے لیتے ہیں تو وہ فرشتے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور اس کو اس کفن اور اس خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے مشک کی سی خوشبو مہکتی ہے اور اس کو لے کر (اوپر) چڑھتے ہیں اور (زمین پر رہنے والے) فرشتوں کی جس جماعت پر گذر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاک روح کون ہے؟ یہ فرشتے اچھے اچھے القاب سے اس کا نام بتلاتے ہیں کہ یہ فلانا فلانے کا بیٹا ہے، پھر آسمان دنیا تک اس کو پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اپنے قریب والے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کا اعمال نامہ علیین میں لکھو اور اس کو (سوال و جواب کے لیے) زمین کی طرف لے جاؤ سو اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے (مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا میں تھی بلکہ اس عالم کے مناسب جس کی حقیقت دیکھنے سے معلوم ہوگی) پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر کہتے ہیں یہ کون شخص ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ ایک پکارنے والا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آسمان سے پکارتا ہے میرے بندہ نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا اس کے لیے جنت کا فرش کردو اور اس کو جنت کی پوشاک پہنادو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو سو اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اسی حدیث میں کافر کا حال بیان کیا گیا جو بالکل اس کی ضد ہے۔ (احمد)

فائدہ: اس کے بعد یہ واقعات ہوں گے۔

الف: صور پھونکا جاوے گا۔

ب: سب مردے زندہ ہوں گے۔

ج: میدانِ حشر کی بڑی بڑی ہولیں ہوں گی۔

د: حساب کتاب ہوگا۔

ہ: اعمال تولے جائیں گے کسی کا حق دبایا ہوگا اس کو نیکیاں دلائی جائیں گی۔

و: خوش قسمتوں کو حوضِ کوثر کا پانی ملے گا۔

ز: پل صراط پر چلنا ہوگا۔

ح: بعضے گناہوں کی سزا کے لیے جہنم میں عذاب ہوگا۔

ط: ایمان والوں کی شفاعت ہوگی۔

ی: جنتی جنت میں جاویں گے وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

ان سب واقعات کی تفصیل بہت مسلمانوں کے کان میں بار بار پڑ چکی ہے اور جس نے نہ سنا ہو یا پھر معلوم کرنا ہے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیامت نامہ اردو پڑھ لے۔ ان سب کو سوچا کرے اگر سوچنے کا زیادہ وقت نہ ملے تو سونے کے وقت ذرا اسی طرح سوچ لیا کرے۔

اس سے دین میں پختگی اور دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور یہ بات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا کرے کہ دنیا ایک دن کی اور تھوڑی چیز ہے اور پھر ختم ہونے والی ہے خواہ کتنی ہی عمر ہو بہت ہی جلد گزر جائے گی اور آخرت ایک ہمیشہ رہنے والی چیز ہے جس میں موت تو بہت ہی جلد آ کھڑی ہوگی پھر لگاتار یہ واقعات ہونا شروع ہو جائیں گے۔

گناہوں سے بچنا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا اخطأ خطیئۃ نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فاذا ہو نزع واستغفر وتاب صقل قلبہ وان عاد زیدت فیہا حتی تعلو قلبہ وہو الران الذی ذکر اللہ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ و استغفار کرلی تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر (گناہ میں) زیادتی کی تو وہ (سیاہ دھبہ) اور زیادہ ہو جاتا ہے سو یہی ہے وہ زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فرمایا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسے وہ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو گناہ سے بچاؤ کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تمہاری بیماری اور دوا

نہ بتلاؤں، سن لو کہ تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے۔ (مستدرک، بیہقی، الاشباہ، ترغیب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں میں ایک قسم کا زنگ لگ جاتا ہے (یعنی گناہوں سے) اور اس کی صفائی استغفار ہے۔ (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔ (ابن ماجہ، ابن حبان، مستدرک حاکم)

فائدہ: ظاہر میں بھی محروم ہو جاتا تو کبھی ہوتا ہے اور رزق کی برکت سے محروم ہو جانا ہمیشہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، پانچ چیزیں ہیں میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں کبھی نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوں گی، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا ان سے باران رحمت۔ اگر بہائم بھی نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرما دے گا اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو غیر قوم سے پس زبردستی لیں گے وہ ان کے اموال کو۔ (ابن ماجہ، حاکم، بزار، بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت ظاہر ہوتی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے لگی ان پر دشمن مسلط کر دیا گیا۔ (مالک)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب زمانہ آ رہا ہے کہ کفر کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس روز (کیا) شمار میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم اس روز بہت ہو گے لیکن تم کوڑا (اور کارآمد) ہو گے جیسے رو میں کوڑا آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد، بیہقی)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے (گناہوں کا) انتقام لینا چاہتا ہے بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ (معجم کبیر، ابن ابی الدنیا)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں بادشاہوں کا مالک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے (بادشاہوں کے) دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں۔ (معجم اوسط، ابونعیم)

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے۔ (مسند احمد، ابونعیم)

فائدہ: یہ مطلب نہیں کہ اس بات پر لعنت ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہونے سے اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔
حضرت ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود اس کو برا کہنے لگتا ہے۔ (شعب الایمان)

فائدہ: ان حدیثوں میں زیادہ تر مطلق گناہ کی خرابیاں مذکور ہیں اب بعض خاص گناہوں کی خاص خاص خرابیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا یہ سب برابر ہیں (یعنی بعض باتوں میں)۔ (مسلم)

بڑے گناہ

عن ابی موسیٰ مرفوعاً ان اعظم الذنوب عند الله ان يلقاه بها عبد بعد الكبائر التي نهى عنها ان يموت رجل وعليه دين لا يدع له قضاء.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کبیرہ گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جاوے اور اس پر دین (یعنی کسی کا حق مالی) ہو اور اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاوے۔ (احمد و ابو داؤد)

گناہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں سزا بھی نہ ہوتی تب بھی یہ سوچ کر اس سے بچنا ضروری تھا کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہوتی ہے اگر دنیا میں کوئی اپنے ساتھ احسان کرتا ہو اس کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بندہ کے ساتھ بے شمار ہیں۔ ان کے ناراض کرنے کی کیسے ہمت ہوتی ہے اور اب تو سزا کا بھی ڈر ہے خواہ دنیا میں بھی سزا ہو جاوے یا صرف آخرت میں۔

چنانچہ دنیا میں ایک سزا یہ بھی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے کہ اس شخص کو دنیا سے رغبت اور آخرت سے وحشت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے دین کی مضبوطی اور دین کی پختگی جاتی رہتی ہے جیسا دوسری بحث کے شروع مضمون سے بھی یہ صاف سمجھا جاتا ہے۔

تو اس حالت میں تو گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیے خواہ دل کے گناہ ہوں خواہ ہاتھ پاؤں کے خواہ زبان کے۔ پھر خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں خواہ بندوں کے ہوں اور یہ سزا تو سب گناہوں میں مشترک ہے اور بعض بعض گناہوں میں خاص خاص سزائیں بھی آئی ہیں۔

حضرت ابی حرۃ رقاشی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ظلم مت کرو۔ خبردار کسی کا مال حلال نہیں بدون اس کی خوشی دلی کے۔ (بیہقی و دارقطنی)

فائدہ: اس میں جیسے کھلم کھلا کسی کا حق چھین لینا یا دبا لینا آ گیا۔ جیسے کسی کا قرض یا میراث کا حصہ وغیرہ دبا لینا ایسے ہی جو چندہ دباؤ سے یا شرم و لحاظ سے لیا جاتا ہے وہ بھی آ گیا۔

حضرت سالم اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کی) زمین سے بلا حق

کے ذرا سی بھی لے لے (احمد کی ایک حدیث میں ایک بالشت آیا ہے) اس کو قیامت کے روز ساتوں زمین میں دھنسا یا جاوے گا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے پر (ابوداؤد و ابن ماجہ و ترمذی) اور ثوبان کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے اور (لعنت فرمائی ہے) اس شخص پر جو ان دونوں کے بیچ میں معاملہ ٹھہرانے والا ہو۔ (احمد و بیہقی)

فائدہ: البتہ جہاں بدوں رشوت دیئے ظالم کے ظلم سے نہ بچ سکے وہاں دینا جائز ہے مگر لینا وہاں بھی حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

فائدہ: شراب میں سب نشہ کی چیزیں آ گئیں اور جوئے میں بیمہ و لاٹری وغیرہ سب آ گئی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سب چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لاوے (یعنی عقل میں فتور لاوے) یا جو حواس میں فتور لاوے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں افیون بھی آ گئی اور ایسے حقے بھی آ گئے جن سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بے کار ہو جاویں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو میرے رب نے حکم دیا ہے باجوں کے مٹانے کا جو ہاتھ سے بجائے جاویں اور جو منہ سے بجائے جاویں۔ (احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ کرنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (شہوت سے) باتیں کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے کسی کا ہاتھ وغیرہ) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اٹھا (کر جانا) ہے اور قلب کا (زنا) یہ ہے کہ وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔ (مسلم)

فائدہ: اور لڑکوں کے ساتھ ایسی باتیں یا ایسے کام کرنا اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے اور اس حدیث کے ساتھ اس سے پہلی حدیث کو ملا کر دیکھنا چاہیے کہ راگ رنگ میں کتنے گناہ جمع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ (کی نافرمانی کر کے ان) کو تکلیف دینا اور بے خطا جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں بجائے اس کے جھوٹی گواہی دینا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔ یتیم کا مال کھانا اور (جہاد کی) جنگ کے وقت (جب شرع کے موافق جنگ ہو) بھاگ جانا اور پارسا ایمان والی بیبیوں کو جن کو ایسی بری باتوں کی خبر بھی نہیں تہمت لگانا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔ زنا کرنا، چوری کرنا، ڈکیتی کرنا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں ہیں جس میں وہ چاروں ہیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ نہ دے

چُھو جاوے مگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

انسان کو جو حالتیں پیش آتی ہیں خواہ اختیاری ہوں خواہ غیر اختیاری، وہ دو طرح کی ہوتی ہیں یا تو طبیعت کے موافق ہوتی ہیں، ایسی حالت کو دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی حیثیت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے اور یا وہ حالتیں طبیعت کے موافق نہیں ہوتیں بلکہ نفس کو ان سے گرانی اور ناگواری ہوتی ہے ایسی حالت کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں میری کوئی مصلحت رکھی ہے اور شکایت نہ کرنا اور اگر وہ کوئی حکم ہے تو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اگر وہ کوئی مصیبت ہے تو مضبوطی سے اس کی سہار کرنا اور پریشان نہ ہونا یہ صبر ہے اور چونکہ صبر زیادہ مشکل ہے اس لیے اس کا بیان شکر سے پہلے بھی کرتا ہوں اور زیادہ بھی کرتا ہوں۔ اول اس کے کثرت سے پیش آنے والے موقعے بطور مثال کے بتلاتا ہوں پھر اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔ وہ مثالیں یہ ہیں مثلاً نفس دین کے کاموں سے گھبراتا ہے اور بھاگتا ہے یا گناہ کے کاموں کا تقاضا کرتا ہے خواہ نماز روزہ سے جی چراتا ہے یا حرام آمدنی کو چھوڑنے سے یا کسی کا حق دینے سے جھجکتا ہے، ایسے وقت ہمت کرکے دین کے کام کو بجا لاوے اور گناہ سے رُکے اگرچہ دونوں جگہ کسی قدر تکلیف ہی ہو۔ کیونکہ بہت جلدی اس تکلیف سے زیادہ آرام اور حزہ دیکھے گا اور مثلاً اس پر کوئی مصیبت پڑگئی خواہ فقر وفاقہ کی، خواہ بیماری کی، خواہ کسی کے مرنے کی، خواہ کسی دشمن کے ستانے کی، خواہ مال کے نقصان ہو جانے کی، ایسے وقت میں مصیبت کی مصلحتوں کو یاد کرے اور سب سے بڑی مصلحت ثواب ہے جس کا مصیبت پر وعدہ کیا گیا ہے اور اس مصیبت کا بلا ضرورت اظہار نہ کرے اور دل میں ہر وقت اس کی سوچ بچار نہ کرے اس سے ایک خاص سکون پیدا ہو جاتا ہے البتہ اگر اس مصیبت کی کوئی تدبیر ہو جیسے حلال مال کا حاصل کرنا یا بیماری کا علاج کرنا یا کسی صاحب قدرت سے مدد لینا یا شریعت سے تحقیق کرکے بدلہ لینا یا دعا کرنا اس کا کچھ مضائقہ نہیں اور مثلاً دین کے کام میں کوئی ظالم روک ٹوک کرے یا دین کو ذلیل کرے، وہاں جان کو جان نہ سمجھے مگر قانونِ عقلی اور قانونِ شرعی کے خلاف نہ کرے۔ یہ صبر کی ضروری مثالیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو طاعون واقع ہونے کے وقت اپنی بستی میں صبر کیے ہوئے ثواب کی نیت کیے ہوئے ٹھہرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے مگر ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (بخاری)

اگرچہ مرے بھی نہیں اور مرنے میں بڑے درجہ کی شہادت ہے۔ (مسلم وغیرہ)

فائدہ: لیکن گھر بدلنا یا محلہ بدلنا یا اس بستی کے جنگل میں چلا جانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بیماروں اور مُردوں کے حقوق ادا کرتا رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو پیاری چیزوں (کی مصیبت) میں مبتلا کردوں اس سے مراد دو آنکھیں ہیں جیسا راوی نے یہی تفسیر کی

حدیث میں کی ہے یعنی اس کی آنکھیں جاتی رہیں) پھر وہ صبر کرے، میں ان دونوں کے عوض میں اس کو جنت دوں گا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے مومن بندہ کیلئے جب کہ میں دنیا میں رہنے والوں میں سے اس کے کسی پیارے کی جان لے لوں پھر وہ اس کو ثواب سمجھے (اور صبر کرے تو اسے مخلص کہیے) میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔ (بخاری)

فائدہ: وہ پیارا خواہ اولاد ہو یا بہن بھائی ہو یا شوہر ہو یا اور کوئی رشتہ دار ہو یا دوست ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندہ کا بچہ مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی جان لے لی، وہ کہتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ کہتے ہیں آپ کی حمد (وثناء) کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (احمد، ترمذی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہنستا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور ان کی حالت پر خوش ہوتا ہے (ان تین میں) ایک وہ (بھی) ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار ہو گیا (جہاں اس کی شرطیں پائی جاویں) پھر خواہ جان جاتی رہی اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غالب کر دیا اور اس کی طرف سے کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کو دیکھو میرے لیے کس طرح اپنی جان کو صابر بنا دیا۔ (مختصراً من ترغیب از طبرانی)۔ یہ صبر کا بیان ہو چکا اب شکر کا بیان کرتا ہوں اور یہ شکر جس طرح خود اپنی ذات میں بھی ایک عبادت ہے اسی طرح اس میں ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ اس سے ایک دوسری عبادت یعنی صبر آسان ہو جاتا ہے عقلی طور سے بھی اور طبعی طور سے بھی۔ عقلی طور سے تو اس طرح کہ جب اللہ کی نعمتوں کے سوچنے کی اور ان پر خوش ہونے کی (جو کہ شکر میں لازم ہے) عادت پختہ ہو جاوے گی تو مصیبت وغیرہ کے وقت یہ بھی سوچے گا کہ جس ذات پاک کے اتنے احسانات ہوتے رہتے ہیں اگر اس کی طرف سے کوئی تکلیف بھی پیش آ گئی اور وہ بھی ہماری ہی مصلحت اور ثواب کے لیے (جیسا اوپر حدیثوں سے معلوم ہوا) تو اس کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے، جیسے دنیا میں اپنے محسنوں کی سختیاں خوشی سے گوارا کر لی جاتی ہیں۔ خاص کر جب بعد میں انعام بھی ملتا ہو اور طبعی طور پر اس طرح کہ نعمتوں کے سوچنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہو جاوے گی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی سختی ناگوار نہیں ہوتی جیسا دنیا میں عاشق کو اپنے معشوق کی سختیوں میں خاص لطف آتا ہے۔ آگے اس شکر کے متعلق آیتیں اور حدیثیں آتی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یاد کرو میں تم کو (رحمت سے) یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو۔ (بقرہ آیت ۱۵۲)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو۔ (آل عمران آیت ۱۴۵)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر تم (میری نعمتوں کا) شکر کرو گے میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا (خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور) اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (یہ سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے (ناشکری میں اس کا احتمال ہے)۔ (ابراہیم آیت ۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیں مل گئیں، دل شکر کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی اور بدن جو بلا پر صابر ہو اور بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اسے خیانت نہیں کرنا چاہتی۔ (بیہقی)

خلاصہ کوئی وقت خالی نہیں کہ انسان پر کوئی نہ کوئی حالت نہ ہوتی ہو، خواہ طبیعت کے موافق خواہ طبیعت کے خلاف اول حالت پر شکر کا حکم ہے دوسری حالت پر صبر کا حکم ہے تو صبر و شکر ہر وقت کے کرنے کے کام ہوئے۔

مسلمانو! اس کو نہ بھولو، پھر دیکھو ہر وقت کیسی لذت و راحت میں رہو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیزیں نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ضرور بتلائیے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وضو کا کامل کرنا ناگواری کی حالت میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی دور سے آنا یا بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (مسلم و ترمذی)

فائدہ: ایسے وقت وضو کرنا صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دلی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اگرچہ تیری بوٹیاں کاٹ دی جاویں اور تجھ کو (آگ میں) جلا دیا جاوے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: ایسے وقت ایمان پر قائم رہنا صبر کی ایک مثال ہے، اور کسی ظالم کی زبردستی کے وقت جو کفر کی بات یا ایسا کام شرع سے معاف ہے وہ شرک و کفر میں داخل نہیں کیونکہ دل تو ایمان سے بھرا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر پر سردار بنا کر دریا کے (سفر) میں بھیجا ان لوگوں نے اسی حالت میں اندھیری رات میں کشتی کا بادبان کھول رکھا تھا (اور کشتی چل رہی تھی) یکایک ان کے اوپر سے کسی پکارنے والے نے پکارا اے کشتی والو! ٹھہرو، میں تم کو اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی خبر دیتا ہوں جو اس نے اپنی ذات پر مقرر کر رکھا ہے، حضرت ابو موسیٰ نے کہا اگر تم کو خبر دینا ہے تو ہم کو خبر دو، اس پکارنے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ بات مقرر کر لی ہے کہ جو شخص گرمی کے دن میں (روزہ رکھ کر) اپنے کو پیاسا رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو پیاس کے دن (یعنی قیامت میں جب پیاس کی شدت ہوگی) سیراب فرماوے گا۔ (ترغیب از بزار)

فائدہ: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا ہو اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے اور یہ پوری حدیث دوسرا حصہ نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب میں زیادہ پیارا عمل

وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیشہ نباہنے میں ضرور کسی نہ کسی وقت نفس کو دشواری ہوتی ہے اسلئے یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ گھیری ہوئی ہے (حرام) خواہشوں کے ساتھ اور جنت گھیری ہوئی ہے ناگوار چیزوں کیساتھ۔ (مسلم)

فائدہ: جو عبادتیں نفس پر دشوار ہیں اور جن گناہوں سے بچنا دشوار ہے اس میں سب آ گئے۔

اسلامی اوصاف

عن سهل بن سعد ن الساعدی رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الاناة من الله والعجلة من الشیطان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان کے ساتھ کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

فائدہ: ظاہر ہے کہ مشورہ میں جلد بازی کا انسداد ہے اور یہ ان ہی امور میں ہے جس میں دیر کی گنجائش ہے اور دین کا بھی فائدہ ہے کہ شریعت میں اس کی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے پیغمبر) ان (صحابہ) سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) سو اللہ تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران آیت ۱۵۹)

فائدہ: خاص خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو اور مہتم بالشان بھی ہوں یعنی معمولی نہ ہوں کیونکہ وحی کے بعد رائے کی گنجائش نہیں اور معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں۔ جیسے رو وقت کا کھانا وغیرہ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر (یعنی ثواب اور برکت) نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ (خیر) خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کرا دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورہ کرتے ہیں ان کی سرگوشی میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے۔ (نساء آیت ۱۱۴)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات مشورہ خفیہ ہی مصلحت ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان (مومنین کاملین) کا ہر کام (جو قابل مشورہ ہو جس کا بیان اوپر آ چکا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ (شوریٰ آیت ۳۸)

فائدہ: مشورہ پر مومنین کی مدح کرنا مشورہ کی مدح کی صاف دلیل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ایک طویل حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (واقعہ بدر میں جانے کے متعلق صحابہ سے) مشورہ فرمایا۔ (مسلم)

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (قرآن

(حدیث میں حکم نہ ملتا تو) بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (یعنی تحت باب من زنات الصلوات من الدارمی)

فائدہ: رائے کا متفق ہونا عمل کی شرط نہیں۔ (عمر مولانا قول مائی ابو داؤد مع التعرف المحمود)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل مشورہ علماء ہوتے تھے خواہ بڑی عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ (یعنی بخاری)

فائدہ: اخیر کی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا مشورہ لینے کا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے۔ (یعنی ابن ماجہ)

اب مشورہ کے کچھ آداب ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکہ کا ارادہ فرماتے تو اکثر دوسرے واقعہ کا پردہ فرماتے۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس مشورہ کا ظاہر کرنا مضر ہو اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (یعنی کسی مجلس میں کسی معاملے سے متعلق کچھ باتیں ہوں ان کو بے وجہ ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ اس میں مشورہ کی مجلس بھی آ گئی) مگر تین مجلسیں۔ (ابو داؤد)

فائدہ: ان تین مجلسوں کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی جان یا مال یا آبرو لینے کا مشورہ یا تذکرہ ہو اس کو چھپانا جائز نہیں اور جب خاص آدمی کے ضرر کے شبہ میں ظاہر کرنا گناہ ہے تو جس کے ظاہر کرنے میں عام مسلمانوں کا ضرر ہو اس کا ظاہر کرنا تو اور زیادہ گناہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے بدنیتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا ہی راز کفار مکہ کو پہنچایا تھا اس پر سورہ ممتحنہ کی شروع کی آیتوں میں تنبیہ کی گئی۔ (یعنی در منثور از کتب حدیث) بلکہ جس معاملہ کا بھی تعلق عام مسلمانوں سے ہو اگر چہ اس کے ظاہر کرنے میں کوئی نقصان بھی معلوم نہ ہوتا ہو تب بھی بجز ان لوگوں کے جو عقل اور تجربہ کے موافق اس معاملہ کا انتظام ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں عام لوگوں کو اس کا ظاہر کرنا نہ چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصان کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جب ان لوگوں کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اور ان میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آ گئے حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتے ہیں کبھی ان کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے) کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ ان کی رائے) کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔ (پھر جیسا یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسا ہی ان خبر لانے والوں کو کرنا چاہیے تھا)۔ (النساء آیت ۸۳)

فائدہ: دوسری آیت سے اکثر اخباروں کا خلاف حدود ہونا معلوم ہو گیا البتہ جو اخبار حدود کے اندر ہوں ان کا مفید ہونا اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر دوں جو (اپنے بعض آثار کے اعتبار سے) روزہ اور صدقہ (زکوٰۃ) اور نماز کے درجہ سے بھی افضل ہے لوگوں نے عرض کیا ضرور خبر دیجئے آپ نے فرمایا وہ آپس کے تعلقات کو درست رکھنا ہے اور آپس کا بگاڑ (دین کو) مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی) اور جن باتوں سے اتفاق پیدا ہوتا ہے یا اتفاق قائم رہتا ہے یعنی آپس کے حقوق کا خیال رکھنا اور جن سے نااتفاقی ہوتی ہے یعنی آپس کے حقوق میں کوتاہی کرنا ان کا بیان دوسرے حصہ میں ہو چکا ہے صفائی معاملہ و حسن معاشرت۔

جن لوگوں کو دین کا تھوڑا سا بھی خیال ہے وہ پہلی بات کا یعنی صفائی معاملہ کا تو کچھ خیال کرتے بھی ہیں اور اس کو دین کی بات بھی سمجھتے ہیں اور مسائل نہ جاننے سے کچھ کوتاہی ہونے تو اور بات ہے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ میرا رسالہ صفائی معاملات اور پانچواں حصہ بہشتی زیور کا دیکھ لیں یا سن لیں جو معاملہ پیش آیا کرے اس کا حکم کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اگر خود کوئی خیال نہیں کرتا تو دوسرا شخص جس کا حق ہے وہ تقاضا کر کے اس کو وصول کر لیتا ہے اس لیے اس جگہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں بھی۔ لیکن دوسری چیز یعنی حسن معاشرت کا بہت سے دین دار لوگ بھی خیال نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض دنیا کا ایک انتظام ہے اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں اس لیے اس کی کچھ پروا نہیں کرتے اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں (اول) بستر پر لیٹ گئے پھر اتنی ہی توقف فرمایا کہ آپ نے یہ سمجھا کہ میں سو گئی ہوں چادر آہستہ سے لی اور نعلین مبارک آہستہ سے پہنے اور دروازہ آہستہ سے کھولا اور باہر تشریف لے گئے پھر دروازہ آہستہ سے بند کر دیا (اور بقیع میں تشریف لے گئے) اور (واپس پر) اس کی وجہ میں یہ فرمایا کہ میں یہ سمجھا کہ تم سو گئیں اور میں نے تمہارا جگانا پسند نہیں کیا اور مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ تم جاگ کر اکیلی گھبراؤ گی۔ الخ (مسلم)

فائدہ: حدیث میں صاف مذکور ہے کہ آپ نے سب کام اس لیے آہستہ کیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف نہ ہو خواہ جاگنے کی وجہ سے خواہ صرف گھبرانے کی۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ہم تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے بعد عشاء آکر لیٹ رہتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا اس لیے سلام تو فرماتے کہ شاید جاگتے ہوں مگر ایسا آہستہ فرماتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ (مسلم مختصراً)

نو صفات

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاِخْلَاصُ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَالْعَدْلُ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَنْ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَنْ یَّکُوْنَ نُطْقِیْ ذِکْرًا وَصَمْتِیْ فِکْرًا وَنَظَرِیْ عِبْرَۃً۔

مجھ کو میرے رب نے نو باتوں کا حکم فرمایا ہے۔ (۱) اخلاص کا حکم دیا ہے پوشیدہ طور پر بھی، ظاہر میں بھی (۲) عدل و انصاف کا حکم دیا ہے خوشی کی حالت میں بھی اور غضب کی حالت میں بھی (۳) اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے مالداری کی حالت میں بھی اور ناداری کی حالت میں بھی (۴) اور یہ حکم دیا ہے کہ جو میرے ساتھ زیادتی کرے اسے معاف کر دوں (۵) اور جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے جوڑ کر رہوں (۶) جو مجھے محروم رکھے میں اسے محروم نہ رکھوں بلکہ اسے عطا کروں (۷) میری گویائی اور میرا بولنا اللہ تعالیٰ کا ایک ذکر رہے (۸) میری خاموشی اللہ کی فکر میں گزرے (۹) اور میری ہر نظر نظر عبرت رہے۔ (حدیث جامع الاصول فی احادیث الرسول بحوالہ ترمذی [illegible])

تشریح: حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف نو کی گنتی فرمائی۔ اس کے ساتھ معدودہ کے لئے کوئی لفظ نہیں فرمایا ہے۔ بعد میں ذکر ہونے والی نو باتیں معدود ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح فرمائی ہے۔

(۱) پہلی چیز اخلاص ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کی جائے اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے۔

(۲) دوسری چیز عدل و انصاف ہے۔ انسان کو چاہئے کہ خوشی کی حالت ہو یا غصہ و غضب کی حالت ہو ہر حال میں عدل و انصاف ملحوظ رکھے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو چاہے وہ کوئی بھی بات ہو اور کوئی بھی فیصلہ ہو۔ اور چاہے خوشی میں ہو یا غضب کی حالت میں ہو۔ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اعتدال و میانہ روی ہر بات اور ہر معاملہ میں اختیار کی جائے۔

(۴) جو کوئی ظلم و زیادتی کرے اس سے بدلہ نہ لیا جائے۔ بلکہ اسے معاف کر دیا جائے۔

(۵) جو شخص تم سے قطع تعلق کرے اس سے مل کر اور جوڑ کر رہو۔

(۶) جو شخص تم کو محروم رکھے تم اسے دیتے رہو، تم اسے محروم نہ کرو۔

یہ چھ باتیں اور ہدایتیں مکارم اخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

(۷) ساتویں بات یہ ہے کہ مسلمان کی گویائی و تکلم (اس کا بولنا) صرف اللہ کے ذکر میں ہونا چاہئے۔ اس کی ہر بات اور اس کے ہر کلام کی روح اور جان اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہونا چاہئے۔

(۸) آٹھویں بات یہ ہے کہ اس کا سکوت بھی یونہی اور بیکار نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلقت و مخلوقات میں اس کی قدرت و مصنوعات کی فکر میں مصروف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو کس طرح راضی و خوش کر سکتا ہے؟

(۹) نویں بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات و مصنوعات پر جب نظر کرے تو وہ نظر عبرت ہو۔ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح صلاح و فلاح حاصل کر سکتا ہے؟

ایمان اور استقامت

حضرت عبداللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ میں پھر اسلام کے بارے میں آپ کے بعد کسی اور سے کچھ نہ پوچھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان لے آیا۔ اور پھر اسی بات پر ثابت قدم رہو۔ اسی پر استقامت کرو (اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ کرو جو اس اعلان کے خلاف ہو) (مسلم شریف)

تشریح: آپ کی زیر نظر حدیث میں چند قابل تشریح مطلب ہیں۔

(۱) سائل (یعنی حضرت عبداللہ ثقفی) نے آپ کے معنی جملہ "یا رسول اللہ" کہہ کر آپ کو مخاطب کیا ہے۔ اس میں دو باتیں مخفی ہیں ایک تو یہ کہ اس عنوان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صاحب یعنی مسلمان ہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ دوسری بات کہ اس طرح قرآن مجید کی اس ممانعت کی تعمیل بھی ہوگی جس میں آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب کرنے سے روکا ہے۔ سائل نے بھی یہی کیا کہ آپ کے معنی جملہ "یا رسول اللہ" کہا۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں آپ کو متعدد جگہ مخاطب کیا ہے۔ لیکن "یا محمد" کہہ کر خطاب نہیں کیا ہے بلکہ "یا ایہا النبی" اور "یا ایہا الرسول" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

(۲) پوچھنے والے نے "فی الاسلام" (اسلام کے بارے میں) سوال کیا ہے جس سے مراد شریعت اسلامی ہے جس کی روشنی میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کرتے ہیں۔ یعنی اسلامی عقائد، عبادات، معاملات، آداب اور اخلاق وغیرہ۔

(۳) ان سائل صحابی نے یہ بات کیوں کہی کہ پھر آپ کے بعد کسی اور سے کچھ نہ پوچھوں؟ یعنی آپ مجھے ایسی بات بتائیں جو میری نجات دوزخ اور دخول جنت کے لئے کافی ہو جائے۔

(۴) اس سوال کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مختصر اور کافی جواب دیا ہے۔ یہ جواب جو آپ نے دیا ہے خود آپ کا اعجاز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اس کا برملا اظہار بھی کرو اور پھر اس پر استقامت بھی رکھو کیونکہ ایمان تین باتوں کا مجموعہ ہے۔ دل سے اعتقاد، زبان سے اقرار اور ارکان جسم سے اس پر عمل بھی ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کو یہ جواب دیتے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو سورۂ فصلت اور سورۂ احقاف میں آیا ہے۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" پیش نظر رکھا ہے۔

صلہ رحمی

یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا الرَّحْمٰنُ وَهٰذِهِ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمن ہوں اور میں نے اس رحم (صلہ رحمی) کے لئے اپنے اس نام سے مشتق کر کے ایک نام مقرر کر دیا ہے۔ تو جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے "رحم" کے تعلق کو جوڑ کر رکھتا ہے تو میں اس سے جوڑ کر رکھتا ہوں اور جو اسے

تو رہتا ہے میں اس سے قطع تعلق کر لیتا ہوں۔ (رواہ احمد وابو داؤد والترمذی)

تشریح: یہ حدیث حدیث قدسی ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب فرما کر کوئی ارشاد نقل فرمائیں)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات خاص کے لئے ایک نام "رحمٰن" بتایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے "هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" حدیث زیر درس کی تشریح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا جب مخلوق کا خلق ہو چکا تو "رحم" کھڑا ہو گیا اور بولا کہ میرا یہ قیام "قطع رحم" سے محفوظ رہنے کی خاطر آپ کی پناہ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں ہاں! تمہاری بات منظور ہے کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں یہ اعلان کر دوں کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس سے جوڑوں گا، اور جو تجھے قطع کرے گا میں اس سے قطع تعلق کر لوں گا، رحم نے کہا ہاں ہاں یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، تجھے یہی مقام دے دیا گیا ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ لہٰذا مبارک ہیں وہ لوگ جو قطع رحمی سے بچتے اور صلہ رحمی اختیار کرتے ہیں۔ صلہ رحمی ان مندرجہ ذیل باتوں سے برقرار و پائیدار ہوتی ہے۔

(۱) تکلیف و ایذا رسانی کو روکنا۔

(۲) اکرام و احترام کا برتاؤ کرنا۔

(۳) حسن سلوک و خیر خواہی اور ہمدردی کرتے رہنا۔

قطع رحمی ان باتوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان سے احتراز کیا جائے۔

(۱) زبان یا ہاتھ سے تکلیف پہنچانا۔

(۲) اہانت و بے حرمتی و بے عزتی کرنا۔

(۳) حسن سلوک، خیر خواہی، ہمدردی نہ کرنا۔

سچائی اختیار کرنا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَلَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا، وَاِیَّاکُمْ وَالْکَذِبَ فَاِنَّ الْکَذِبَ یَھْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا.

تم لوگ سچائی کو لازمی طور پر اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے، اگر آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں "صدیق" (بہت سچا) لکھ دیا

جاتا ہے اور تم لوگ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاتے رہو، ہرگز جھوٹ نہ بولو کیونکہ جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور برائی دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں "کذاب" (بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ" فرما کر سچائی کو لازمی طور پر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی سچائی کو اپنے لئے اس طرح لازم کر لو کہ نہ تم سچائی کو چھوڑو اور نہ سچائی تم کو چھوڑے، دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو جاؤ۔ اپنی نیت، اپنے قول، اپنے عمل ہر بات میں ظاہری طور پر بھی اور باطن میں بھی سچے بن کر رہو کہ صادقین میں تمہارا نام درج ہو جائے۔ دنیا میں بھی سب تم کو سچا سمجھیں اور آخرت میں بھی تم کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت نصیب ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق کو لازم کر لینے کا جو حکم دیا تو اس کی یہ وجہ بھی بتا دی کہ صدق کی وجہ سے تم کو نیکی کا راستہ مل جائے گا اور وہ راستہ تم کو جنت تک پہنچا دے گا۔ پھر اتنی ہی بات پر اکتفا نہیں فرمایا مزید شوق و رغبت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی سمجھا دیا کہ جو شخص ہمیشہ صدق و سچائی سے کام لیتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں "صدیق" (بہت سچا) لکھ لیا جائے گا اور پھر جنت میں صف اول کے لوگوں کے ساتھ رہے گا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ بے حد شفقت و محبت بھی ہے اس لئے آپ نے اس کے برعکس جو صورت تھی وہ بھی سمجھا دی کہ دیکھو جھوٹ سے بہت دور رہنا۔ کیونکہ جھوٹ خدا کی نافرمانی کے راستے پر تم کو ڈال دے گا اور وہ راستہ سیدھا دوزخ تک پہنچا دے گا۔ اور پھر کذب و دروغ گوئی سے مزید نفرت دلانے کے لئے یہ بھی بتا دیا کہ آدمی جب برابر جھوٹ بولتا رہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں (کذاب) (بڑا جھوٹا) لکھ لیا جائے گا اور پھر دوزخ میں ایسے جھوٹوں کے ساتھ رہے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین!)

مومن کی صفات

ایمان کے تقاضے اور لوازم

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کامل) ایمان (و یقین) کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل شعبہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ تکلیف دہ چیز کو (چلنے کے) راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیاء بھی ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے (اور حیاء سے مراد ایمان کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہونے والا وہ وصف ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم دلاتا ہے اور روکتا ہے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی کو صفت احسان حاصل ہو جائے کیونکہ اس بات کے استحضار سے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں یا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم کرے گا۔

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبوں کا ذکر کیا جن میں صرف عقائد ہی نہیں بلکہ اکثر اعمال و افعال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب ایمانیات کے تقاضے اور لوازم ہیں اور ان کو کرنے سے خود ایمان کو رونق اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نقایہ میں وہ تمام باتیں جمع کی ہیں جن کو قرآن و حدیث میں ایمان کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات و صفات پر ایمان اور عالم کے حادث ہونے پر ایمان (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان (۵) تقدیر پر ایمان (۶) قیامت کے دن پر ایمان (۷) اللہ کے ساتھ محبت (۸) اللہ کے لیے کسی سے محبت (۹) اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا (۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت (۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آپ کی سنت کا اتباع کرنا شامل ہے۔ (۱۲) اخلاص (اس میں نفاق اور ریاء سے بچنا بھی آ گیا) (۱۳) توبہ کرنا (۱۴) اللہ کی پکڑ سے خوفزدہ ہونا (۱۵) اللہ کی رحمت کی امید رکھنا (۱۶) اللہ کا شکر ادا کرنا (۱۷) وعدہ پورا کرنا (۱۸) مصائب پر صبر کرنا (۱۹) اللہ کی قضا پر راضی رہنا (۲۰) حیاء (۲۱) توکل (۲۲) دوسروں پر رحم کرنا (۲۳) تواضع و عاجزی اختیار کرنا (۲۴) تکبر سے بچنا (۲۵) عجب سے بچنا (۲۶) حسد و کینہ سے بچنا (۲۷) ناحق غضب سے بچنا (۲۸) توحید الٰہی کا اقرار کرنا (۲۹) تلاوت قرآن (۳۰) دین کا علم سیکھنا (۳۱) دین کا علم سکھانا (۳۲) دعا

کرنا (۳۳) ذکر و استغفار کرنا (۳۴) لغو باتوں سے بچنا (۳۵) ظاہری اور حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا (۳۶) ستر عورت (۳۷) فرضی و نفلی نمازیں پڑھنا (۳۸) زکوٰۃ اور صدقات دینا (۳۹) غلام آزاد کرنا (۴۰) سخاوت کرنا (۴۱) فرضی و نفلی روزے رکھنا (۴۲) اعتکاف کرنا (۴۳) لیلۃ القدر کی جستجو کرنا (۴۴) حج کرنا (۴۵) عمرہ کرنا (۴۶) طواف کرنا (۴۷) دین کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کرنا (۴۸) نذر پوری کرنا (۴۹) کفارہ ادا کرنا (۵۰) نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا (۵۱) عیالداری کے حقوق ادا کرنا (۵۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۵۳) اولاد کی تربیت (۵۴) صلہ رحمی (۵۵) بزرگوں کی اطاعت کرنا (۵۶) غلاموں پر نرمی کرنا (۵۷) حکومت عدل و انصاف کے ساتھ کرنا (۵۸) مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرنا (۵۹) حاکموں کی اطاعت کرنا (۶۰) لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کرانا (۶۱) نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا (۶۲) حدود کو قائم کرنا (۶۳) جہاد کرنا (۶۴) امانت ادا کرنا (۶۵) قرض دینا اور واپس کرنا (۶۶) پڑوسی کا اکرام کرنا (۶۷) معاملات جائز طریقے سے کرنا (۶۸) حق جگہ پر مال خرچ کرنا (۶۹) سلام کا جواب دینا۔ (۷۰) چھینکنے والے کو الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا (۷۱) لوگوں سے تکلیف و نقصان کو دور کرنا (۷۲) لہو سے اجتناب کرنا (۷۳) راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا (۷۴) جو حکومت حق ہو اس کے خلاف بغاوت یعنی ناحق خروج کرنے والوں سے لڑنا۔

احتیاط اور ہوشیاری

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ (اخرجه احمد والشيخان وابو داؤد وابن ماجة)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا آدمی ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد، بخاری و مسلم وغیرہ)

تشریح:۔ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابو عزہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لئے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقع میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے وسئل ابن وهب عن تفسيره فقال الرجل يقع في الشئ يكرهه فلا يعود فيه المعتصر ص ۲۰۵۔

سادگی و شرافت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ (رواه الحاكم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایماندار آدمی بھولا سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

دانائی اور مردم شناسی

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ. (رواه الترمذي في تفسير سورة الحجر)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذالک الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کے لئے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مومن میں نبی کی قوت ملکیہ کا ایک فیض ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اما آنکہ از جزء علمی نفس ناطقہ او منعقد باشد بایں وجہ تواند بود کہ در امت محدث و ملہم کنند و ایں معنی بدو طریق تواند بود.....

دوم آنکہ فراست صادقہ او را نصیب کنند و عقل او را از حظیرۃ القدس تائید دہند کہ غالباً صواب کند در مجتہدات خود و از لوازم ایں معنی است کہ وحی بر حسب رائے او نازل شود۔

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث و ملہم کا منصب عنایت فرما دیں اس کے دو طریقے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرما دیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۲۲)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مومن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اگر آپ کی قوت عاقلہ کی جلوت ہوتی تو آپ کے ہم نشینوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فراست کی یہ تشریح فرمائی ہے۔ یعنی فراست اسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالات اور مقامات قرائن کی مدد سے سچے دوست اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ اور مخلص اور خائن اور پست ہمت و بلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اہل اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل و فہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔

غرض اس سے مومن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مومن کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کا سودا آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیونکر بنایا جائے بلکہ جو لوگ اس گری ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانشمند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دے دیا تھا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنھوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانشمندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم یہ تھی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دو طرفہ نفع حاصل کرنے کی فکر میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لئے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانشمندوں کو سفیہ قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا۔

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب گویا ابتدا ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آ رہا ہے اور تعجب کیا ہے جبکہ رسولوں کے حصہ میں مجنون اور ساحر کا لقب رہا ہو، مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بناء پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ فَقَالَ لَهُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ سَرَقْتَ قَالَ كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيسَى آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِي۔ (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سواء معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اچھا بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان سے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دیکر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ مجبور ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو۔ بہرحال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آجائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ قصہ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور اتفاقی معاملات میں فرق کرنا چاہئے۔ ایک وقت یہ اخلاص قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے در اصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے۔ ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔ (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ ایک جگہ بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کیا آپ نے از راہ تعجب سبحان اللہ کہہ کر فرمایا مومن کبھی ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات بھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی۔ قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مومن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں۔ نجاست سے جتنا دور رہا ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک اوصاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجِّسُوْا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجِسٍ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا۔ (رواہ الدارقطنی)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

تشریح:۔ اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی

عَنْ مَكْحُولٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ كَالْجَمَلِ الْآنِفِ إِنْ قِيدَ انْقَادَ وَإِنْ أُنِيخَ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ. (رواہ الترمذی مرسلاً)

مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا ہوا شتر جدھر اس کو کھینچا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اس کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ضعیف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ. (رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان والحاکم فی المستدرک)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو سراپا محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔ حاکم۔ بیہقی)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ (متفق علیہ)

حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں نیز لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو کیا میں تمہیں بتا دوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسر منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیتے تھے۔ بہرحال مومن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی مثالی کا وہ عجیب تر نمونہ ہوتا ہے جس میں یک

وقت، شدت ولینت، سادگی وفہم، زینت وبذاذت اور فصاحت و کم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گزشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ طُوْبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ۔ (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور مخمل کا بندہ ہو (اس کی دولت پرستی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا شخص خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لئے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلود ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں پہرہ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی خوشی خوشی اپنی ڈیوٹی پوری کرے (غرض نہایت منکسر مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ۔ (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

تشریح: علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولینت تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر بسر کر لیتے ہیں اور روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاش رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ فَإِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ۔ (رواہ مسلم وفی روایۃ ولکن قولوا العنب والحبلۃ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مومن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو ہر قسم کی برائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

تشریح: نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت و کرم کی محرک ہوتی ہے اس لئے وہ انگور کو کرم کہتے تھے۔ آپ نے اس لفظ کے اطلاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہہ دیا گیا ہے جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہہ دیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں کہ یہاں درحقیقت انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم، تو اس کا حق ہونا چاہئے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سوا کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

صاف سینہ ہونا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُہٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ ھُوَ التَّقِیُّ النَّقِیُّ لَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَلَا بَغْیَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو "مخموم القلب" اور زبان کا سچا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرمائیں۔ فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو، نہ ظلم تعدی کا بار، نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد۔ (ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِیْ عَنْ اَحَدٍ شَیْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْکُمْ سَلِیْمَ الصَّدْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لئے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لئے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لئے ایمانی ضعف کا موجب ہو سکتی ہے، اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیاءہ۔ حدیث میں ارشاد ہے من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری ترا جتن اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب علیحدہ ہے۔

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى. (متفق علیہ)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمانداروں کو باہم رحم دلی، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک تن بدن، ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ. (رواہ مسلم)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ. (متفق علیہ)

ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسے مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالدیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مِنْ أَهْلِ الْإِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ يَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِأَهْلِ الْإِيْمَانِ كَمَا يَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِي الرَّأْسِ. (رواہ احمد)

سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہیے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسے درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ کبھی سچا مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے بدنما مظہر یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور

اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسنِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ یہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دورِ کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگر یہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہو تو پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چبھن مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا۔ ان کا یہ رشتۂ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور تخیل کی رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا.

یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرما دی۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ.

آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوتِ ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا.

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصانِ ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتۂ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں۔ تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ لفظ اخوت صرف [illegible] ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ

اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔

گناہوں سے ڈرنا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰکَذَا. ای بیدہ فذبہ عنہ رواہ البخاری وذکر معہ الحدیث الآخر المرفوع ایضا.

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مومن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑا دی۔ (بخاری شریف)

اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا وَکَیْفَ یُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ یَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا یُطِیْقُ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کر سکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھا لینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے)۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آ سکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو اس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے مجبور رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ. (رواہ احمد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تشریح:۔ جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہئے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ واستغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں

کیونکہ نہ پیار اہو جہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ واستغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار ہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی نفرت سے گناہ جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسے گھوڑا اپنے کھونٹے کا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلَى آخِيَّتِهِ يَجُولُ ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى آخِيَّتِهِ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَسْهُو ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى الْإِيمَانِ. (رواه احمد وسنده جيد واخرجه ايضا ابن حبان والبيهقي في الشعب وحسنه الحافظ السيوطي)

ابو سعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور ادھر ادھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخرکار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

تشریح: یعنی مومن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسے گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں جا سکتا ہے جو نفسیات کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے حریت کی آزادی کہاں۔

از سر تا قدم خیر خواہی اور نفع محض بن جانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرْ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ أَكَلَتْ طَيِّبًا وَوَضَعَتْ طَيِّبًا وَوَقَعَتْ فَلَمْ تَكْسِرْ وَلَمْ تُفْسِدْ. (رواه احمد وذكره السيوطي في الجامع الصغير وقال المناوي اسناده صحيح)

عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا مگر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مومن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں ہوتا جتنا اس کو آزماؤ اتنی ہی وہ اور کھرا نکلتا ہے وہ اس خالص سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں

کہ نہ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح بیٹھتا ہے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ. (متفق علیہ)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ہے جو مومن کی مثال ہے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کونسا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ عرب کی سرزمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پُر از منافع نہیں ہوتا۔ یہ پیڑ پوری زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جز ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ اس کی گٹھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے کام آتی ہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تنا چھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بٹی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو مرتے دم تک دورِ طفولیت سے بڑھاپے تک سرتاسر نفع ہی نفع ہوتا ہے۔

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار رہنا

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَشَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ يُؤْجَرُ فِيْ كُلِّ اَمْرِهٖ حَتّٰى فِي اللُّقْمَةِ يَرْفَعُهَا اِلٰى فِي امْرَاَتِهٖ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

سعد بن ابی وقاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی کیا ہی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آجاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہئے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور مصیبت میں حمد و شکر بھلا دیں۔

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ. (رواہ مسلم)

صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ عجیب تر اور حیرت انگیز ہے۔

مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

نرم دلی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ۔ (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں، ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح: صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بسرو چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا "جئنا لنتفقه فی الدین" ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ ذرا اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زریں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک تفقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لینے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور حسن استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقت قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل قلبی قساوت ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی ابھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوت اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ سے سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور نصیحت کی سے وہ یکسر خالی ہو

جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب تو یہ ایسے ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ تو ہدایت کا اثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت ولین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء وجوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، شیریں طبیعت صاحب محبت ومروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو اشداء علی الکفار رحماء بینھم میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت ولین کے اثرات کا ذکر ہے۔

پاکیزہ زبان ہونا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْءِ. (رواہ الترمذی)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت طعن وتشنیع کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی، بیہقی)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِیْ لِصِدِّيْقٍ اَنْ يَّكُوْنَ لَعَّانًا. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایان شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَكْرٍ وَهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَقَالَ لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اس وقت اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِيْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواہ مسلم)

ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

تشریح: لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

دور کرنے کا مدعی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا اہل کیا حق ہو سکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہو سکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدا کے تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا۔ صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لئے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں آپ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مفرقوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مفرقوں کو۔ اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب و ثمرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کو ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہے۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراک عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکشاف کرتی ہے تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا بنایا ہوا فلسفہ۔ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا. (رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا بخیل ہو سکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔ فرمایا جی نہیں۔ (مالک۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لئے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لئے اگر ایک مومن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہو سکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغگوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یکرنگی کا طالب ہے اس لئے دورخاپن اسلام و ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہو سکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس

شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں اقرار و عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَرَادٍ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ یَکْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مَنْ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ۔ (جامع الکبیر)

عبداللہ بن جراد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لئے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

عَنْ مَالِکٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ قِیْلَ لِلُقْمَانَ الْحَکِیْمِ مَا بَلَغَ بِکَ مَا نَرٰی یَعْنِی الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِیْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَۃِ وَتَرْکُ مَا لَا یَعْنِیْنِیْ۔ (رواہ فی الموطا)

امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمائیے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی، ادائے امانت اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطا)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کُنْتُ اَکْتُبُ کُلَّ شَیْءٍ اَسْمَعُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرِیْدُ حِفْظَہٗ فَنَھَتْنِیْ قُرَیْشٌ وَقَالُوْا اَتَکْتُبُ کُلَّ شَیْءٍ تَسْمَعُہٗ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ یَتَکَلَّمُ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَاَمْسَکْتُ عَنِ الْکِتَابِ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَأَ بِاِصْبَعِہٖ اِلٰی فِیْہِ فَقَالَ اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا حَقٌّ۔ (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلمبند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے گری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف و خطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے توانا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابو داؤد)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے ممکن ہے اللہ والوں میں ایسے بھی کتنے متقی ہوں گے جن میں مذاق اور غصہ کے بشری حالات میں بھی حق گوئی کی صفت برقرار رہتی تھی جب تک خدا کی طرف کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ کرے اس وقت تک کسی بشر کے لئے مصدوق ہونے کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ ظاہری نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَمَلُ

الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَإِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَإِذَا بَرَّ آمَنَ فَإِذَا آمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكَذِبُ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَإِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَإِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِي النَّارَ. (رواہ احمد)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایماندار ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا دوزخ کا عمل کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق علیہ)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہیٰ پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ۔ جب کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اسی طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے یا ایھا الذین امنوا کونوا مع الصادقین اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا. (متفق علیہ)

وزاد مسلم قالت ولم اسمعه يرخص في شيء مما يقول الناس انه كذب الا في ثلاث الحرب والاصلاح بين الناس وحديث الرجل امرأته وحديث المرأة زوجها. (وروى احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثله)

حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہہ دے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے، اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لئے۔ (مسند احمد)

تشریح۔ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہہ دینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما يقول الناس انه كذب کے لفظ میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں بھی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مشہور ہے:۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نووی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جبکہ توریہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ۱۶۲)

عن سفيان بن اسيد الحضرمي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كبرت خيانة ان تحدث اخاك حديثا هو لك به مصدق وانت به كاذب. (رواه ابوداؤد وسكت عليه قال النووي وفي اسناده ضعف)

سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ نووی فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لئے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس

لئے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۲۹۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مبالغہ اگرچہ اپنی نفس کذب میں شامل نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آسکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۲۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا ہے زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیہ یعلم خائنة الاعین میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مومن کی رگ رگ میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اسی لئے حدیث میں ہے۔ لا ایمان لہ لمن لا امانۃ لہ۔

مجبوری میں توریہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ فَأَخَذَهُ عَدُوٌّ لَهُ فَتَحَرَّجَ الْقَوْمُ اَنْ يَحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّهُ اَخِيْ فَخَلّٰى سَبِيْلَهُ فَاَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ اَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوْا اَنْ يَحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّهُ اَخِيْ فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ. (رواہ ابوداؤد واخرجہ احمد نحوہ عن ابن عمر)

سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے وہ نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں "انھا اختی" کا کلمہ نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس و آبرو کی خاطر تھا اور بلا شبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح بات نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوت اسلامی کی بناء پر یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہا دیا گیا ہوتا۔ اسی لئے مقصد اور مصلحت

کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دیندار و تقویٰ کے پلے پڑ جائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون ... لے اور بے دین گنوار کے ہاتھ آ جائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی پامالی کرے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ ثِنْتَیْنِ مِنْھُنَّ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ قَوْلُہٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُہٗ بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا وَقَالَ بَیْنَا ھُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَسَارَۃُ اِذْ اَتٰی عَلٰی جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَۃِ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّ ھٰھُنَا رَجُلًا مَّعَہُ امْرَاَۃٌ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَسَاَلَہٗ عَنْھَا مَنْ ھٰذِہٖ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰی سَارَۃَ فَقَالَ لَھَا اِنَّ ھٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ یَّعْلَمْ اَنَّکِ امْرَاَتِیْ یَغْلِبْنِیْ عَلَیْکِ فَاِنْ سَاَلَکِ فَاَخْبِرِیْہِ اَنَّکِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ لَیْسَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَیْرِیْ وَغَیْرُکِ فَاَرْسَلَ اِلَیْھَا فَاُتِیَ بِھَا قَامَ اِبْرَاھِیْمُ یُصَلِّیْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَیْہِ ذَھَبَ یَتَنَاوَلُھَا بِیَدِہٖ فَاُخِذَ وَیُرْوٰی فَغُطَّ حَتّٰی رَکَضَ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ ادْعِی اللّٰہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللّٰہَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَھَا الثَّانِیَۃَ فَاُخِذَ مِثْلَھَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ ادْعِی اللّٰہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللّٰہَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِہٖ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَیْتَنِیْ بِشَیْطَانٍ فَاَخْدَمَھَا ھَاجَرَ فَاَتَتْہُ وَھُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فَاَوْمَاَ بِیَدِہٖ مَھْیَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰہُ کَیْدَ الْکَافِرِ فِیْ نَحْرِہٖ وَاَخْدَمَ ھَاجَرَ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ تِلْکَ اُمُّکُمْ یَا بَنِیْ مَاءِ السَّمَاءِ۔ (متفق علیہ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدائے تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں۔ ایک ان کا قول انی سقیم (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بل فعلہ کبیرھم (یہ کام ان کے بڑے نے کیا جو ان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جبکہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارہ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہوا ہے اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسین ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہے انہوں نے فرمایا میری بہن۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہو گیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مومن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا وہ حاضر کر دی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بدبخت نے بدنیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلا پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہاں تک کہ وہ اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کر میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا بدبخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ وہ پھر چیخا میرے لئے دعا کر میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو تو میرے پاس کوئی انسان نہیں لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت

کے وقت حضرت سارہ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ کو پیش کیا۔ جب سارہ آگئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اشارہ سے پوچھا کہو کیا حال۔ بانہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بدنیتی کا نتیجہ اس کو دکھا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہی تمہاری ماں ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ. رواہ البیہقی فی شعب الایمان.

عبدالرحمٰن بن قراد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرام آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں ایسا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہئے کہ جب بات کیا کرے تو سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کو پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا کرے۔ (شعب الایمان)

تشریح: حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے محبت دین اور محبت کا سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبہ محبت بیشک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذبہ سے طے نہیں ہوگی۔ اس کے لئے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے۔ دوسری صفت امانتداری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آ جائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری ہمدردیوں کا مرکز بن جائے۔ ان تین خصلتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مومن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. رواہ مسلم

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ جو سنے اسی کو (بلا تحقیق) دوسروں سے نقل کر دے۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَاْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهٗ وَلَا اَدْرِيْ مَا اسْمُهٗ يُحَدِّثُ. رواہ مسلم

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اور ان سے ایک جھوٹی بات کہہ جاتا ہے جب وہ اس مجلس سے ادھر ادھر جاتے ہیں تو ان میں کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کر سکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاص کر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حدیث بیان کرے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کر لینی چاہیے وہ کون ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے۔ اب رہا شیطان کا تمثل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لاحاصل ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّۃُ الرَّجُلِ. (رواہ ابوداؤد وقال ان ابا عبداللہ حذیفۃ)

ابومسعودؓ اور حذیفہؓ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا۔ (راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا ابومسعودؓ نے حذیفہ سے یا حذیفہ نے ابومسعودؓ سے) کہ آپ نے کلمہ زعموا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت بُرا ذریعہ ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغ گوئی سے رہا کرنے کے لئے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کر دینا کافی نہیں۔ شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مؤاخذہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور اشاعت کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے۔

اچانک قتل کرنے سے بچنا

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ قَیَّدَ الْفَتْکَ لَا یَفْتِکُ مُؤْمِنٌ. (رواہ ابوداؤد)

ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کر دینا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آکر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بیباک ہو سکتی ہے صحابہ کرام کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہو گا کہ جہادوں میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں پاتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوئی تو وہی تلواریں نکالنے سے بھی باہر نہ نکلی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو غور سے پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جوابدہی کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

مومن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَکْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتی کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دیا ہے گویا اس سے تجاہل برتنا مومن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی تقاضۂ انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں تمہید وضع رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ و فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ رِجَالٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الصَّحَابَةَ کَانُوْا یَسِیْرُوْنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا. (اخرجہ الامام احمد وابو داؤد والطبرانی قال الشیخ العزیزی حدیث حسن ورمز السیوطی لصحتہ)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھیرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لیکر (سو رہا) تھا اٹھالی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد، ابو داؤد)

عَنْ اَبِی الْقُبَیْلِ قَالَ اَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهٗ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَکَانَ مِمَّنْ یَنْقُلُ التُّرَابَ یَوْمَئِذٍ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ یَوْمَئِذٍ فَرَقَدَ فَجَاءَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ فَاَخَذَ سِلَاحَهٗ وَهُوَ لَا یَشْعُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَهٗ عِلْمٌ بِسِلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ فَقَالَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَخَذْتُهٗ فَرَدَّهٗ فَنَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُرَوَّعَ الْمُؤْمِنُ اَوْ اَنْ یُؤْخَذَ مَتَاعُهٗ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا. (اخرجہ ابن عساکر)

واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں زید بن ثابت شریک ہوئے۔ غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف چند رہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں غنودگی آئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لئے۔ (جب وہ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں میں نے لے لئے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ (آئندہ) کسی مومن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔ (ابن مبارک)

مسلمانوں کے حقوق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ أَخَاکَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ أَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِکَ نَصْرُکَ إِیَّاہُ. (متفق علیہ)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں، ظالم ہونے کی صورت میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو، کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَکُمْ مِرْاٰۃُ أَخِیْہِ فَإِنْ رَأٰی بِہٖ أَذًی فَلْیُمِطْ عَنْہُ رواہ الترمذی وَضَعَّفَہٗ وفی روایۃ لہ ولابی داود اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْہُ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُہٗ مِنْ وَرَائِہٖ.

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے آئینہ کی مثل ہونا چاہئے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس کا ازالہ کر دے (ترمذی) ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ بعض علماء نے اس حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صدیقی مرآۃ امیط بھا الاذی   وعضب حسام ان منعت حقوقی

میرے لئے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جبکہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔

وان ضاق امرا والمت ملمۃ   لجات الیہ دون کل شفیق

اگر کوئی برا وقت آجائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لئے ہونا چاہئے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (متفق علیہ)

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی اسی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں صورۃً بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزاء بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دی جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِہٖ ثَلٰثٌ فَلْیَلْقَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ وَاِنْ لَّمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔ (رواہ ابو داؤد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مومن بھائی سے بات چیت کرنا بند کر دے۔ اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہئے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دیدے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ (ابو داؤد)

مسلمانوں کا اکرام

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو وہ ایک عام

اصلی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهٖ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ۔ (رواہ الترمذی)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی ایسا شخص مقدر فرما دیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِيْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِيْ عَنْهُ وَإِكْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔ (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح:۔ وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل و انصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدائے تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بوڑھا ہو گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لئے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو قطعاً پس و پیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا، اس کو جو تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرلے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدائے تعالیٰ کے خلیفہ عدل کا اکرام ہے۔ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں بجز خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور حیثیت کی گنجائش ہی نہیں اس تعلیم میں ایک بڑی گہری حکمت یہ ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم و معزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ ذلت کی ابتداء ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے وہ جو حرکت بھی کرتا ہے اسی کے لئے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوْفَ أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ إِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرِجَ وَهَلَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آیا تھا (میں نے کیا دیکھا) کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں کہ اگر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ہے یا فلاں کام پہلے کرلیا فلاں بعد میں کرلیا ہے (تو اب مجھے کیا کرنا چاہئے) آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کچھ

حرج نہیں۔ ایسا میں بھی کچھ حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کرے۔ یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہو گیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ. اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کر سکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہو سکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لئے دل کا حال بھی دیکھنا چاہئے) برائی کے لئے بس اتنی سی بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یاد رکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ بہت بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزت و احترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے دل کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتیٰ کہ ترمذی و نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فنا ہو جانا بھی معمولی بات ہے۔ ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی و ذلت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں نرمی و تواضع اور تکبر و ذلت کے بیچ فرق نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی فرقہ کے طرز عمل سے تم کو یہ شبہ ہو گیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی سرمایہ دار قوم کی نظروں میں عزت شمار ہو جائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق و ملکات ہیں جو انسان کی علمی و عملی قوت کے ثمرات ہو سکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر و باطن کو عزت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی مہذب قوم کے آداب و معاشرت اختیار کر لینے کا نام عزت نہیں ہے۔ سوچو کہ قومی سربلندی کے لئے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہو سکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت وعید قرار دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں بھی معزز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تا کہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ۔ رہبانیت کا دور ختم ہوا یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہو جانے چاہئیں۔ خود با عزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تا کہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے۔

عَنْ وَابِصَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ

الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سِعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا إِذَا رَآهُ أَخُوْهُ أَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ.

واثلہ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول اللہ (آپ تکلیف نہ فرمائیے) صف میں کافی گنجائش ہے۔ آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے۔ (بیہقی)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ اکرام مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے۔ اب بادشاہ و رعایا، والد و مولود، بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور و طریق کیا ہیں اس کیلئے متفصل ابواب کو دیکھنا چاہئے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَوا الْاِسْتِطَالَةَ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے۔ (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح:۔ اس اسلوب بیان میں ایک طرف مسلمان کی آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر و باہر مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبرو ریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرانا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ گویا دین میں یہ ایک قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہوتا اس سے ممانعت کے لئے جو سب سے قابل نفرت مثال ہو سکتی ہے وہ سود کی ہے۔

عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِي مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ. (رواہ الترمذی)

خالد بن معدان معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے۔ راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جس سے وہ غلطی سے گزر گیا تھا اور اس پر اظہار ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوت اسلامی کے خلاف ہے۔) (ترمذی)

تشریح:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لنا ولکم۔ خدا تمہیں اور ہمیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولا یثرب) اب اس کو ملامت نہ کرو اس حدیث کی شرح اور طرح بھی کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا ہمیں کیا حق ہے جبکہ صاحب حق ہی اس سے درگزر کر چکا

پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرتا ہے اور اپنے حق میں بدخلقی کا ثبوت دیتی شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عادی کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بداخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهِ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ (رواہ ابو داؤد)

معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مومن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچالیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لئے کوئی تہمت دھری اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے سے روک دے گا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا بھگت لے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو جز اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لئے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اہل جنت کو بھی باہم قصوروں کی رنجشیں یہاں صاف کرنی ہوں گی اسی لئے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اس عیب کو پھر ساتھ لیکر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ قلنا اھبطوا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، ان کو عار نہ دلاؤ، اور ان کے عیب جوئی کے درپے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا درپے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون بشر ہے جس کے اعمال کا تجسس کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لئے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے ہاں اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کرنی چاہئے لیکن اگر کوئی بد طینت دن رات بے حیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لئے سخت حرج نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہئے تاکہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے۔ حدیث کے لفظ "اتباع عورت" اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کیلئے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جدا گانہ ہے مجرم کسی رحم کا مستحق نہیں۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ امْرَأً مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللهُ تَعَالَى فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ وَمَا مِنْ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ. (رواه ابوداؤد)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقعہ پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کر دیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لئے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔ جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کرے۔ (ابوداؤد)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ. (رواه في شرح السنة)

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لئے جواب دہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتش دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ مومنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح:۔ ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران رہے۔ جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیمات اسلامی پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

زبان کی حفاظت

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے لئے اس چیز (کی حفاظت کا) ضامن بن جائے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔" (مشکوۃ المصابیح ص۴۱۱ از بخاری)

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے، جو شخص ان کی حفاظت کرے اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کے داخلہ کی ضمانت دی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تم جانتے ہو لوگوں کو جنت میں کیا چیز سب سے زیادہ داخل کرانے والی ہے؟ (پھر خود ہی جواب دیا کہ) اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق اختیار کرنا (سب سے زیادہ جنت میں داخل کرانے والی چیزیں ہیں) پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو دوزخ میں سب سے زیادہ داخل کرانے والی کیا چیز ہے؟ (اس کے بعد خود ہی جواب دیا کہ) سب سے زیادہ دوزخ میں داخل کرانے والی چیز منہ اور شرمگاہ ہے۔ (مشکوۃ)

منہ یعنی زبان اور شرمگاہ کے گناہ بہت خطرناک ہیں، ان دونوں کی حفاظت نہ کرنے سے دوزخ کے داخلہ کا سامان بن جاتا ہے، اور دوزخ کے داخلہ کا زیادہ تر سبب انہی دو چیزوں کے اعمال ہوتے ہیں، اعاذنا اللہ منہا۔

بہت سے لوگ شرمگاہ کی تو حفاظت کر لیتے ہیں مگر زبان کی حفاظت میں بہت کوتاہی اور کم ہمتی دکھاتے ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ حفاظت زبان کے موضوع کو قدرے تفصیل سے لکھا جائے۔

انسان کے اعضاء میں زبان بھی ہے لیکن اس کو بہ نسبت دوسرے اعضاء کے خاص قسم کی اہمیت حاصل ہے، اعضاء انسانی میں زبان سب سے اچھی چیز ہے، اور سب سے بُری چیز بھی ہے، اللہ کا نام زبان سے لیا جاتا ہے، اسلام کا کلمہ اسی سے پڑھا جاتا ہے، قرآن کی تلاوت اسی سے ہوتی ہے، خیر کی دعوت اسی سے دی جاتی ہے اور دوسرے اعضاء سے جو نیکیاں ہوتی ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح زبان کی شرکت ہوتی ہے۔

اور اس کے برعکس زبان ہی سے کفر کا کلمہ نکلتا ہے، اور شرکیہ الفاظ صادر ہوتے ہیں اور اسی سے گالی دی جاتی ہے لعنت کی جاتی ہے غیبت کی جاتی ہے چغلی ہوتی ہے جھوٹ بولا جاتا ہے، جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے، جھوٹی گواہی دی جاتی ہے۔

پس زبان کی حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ جس کی طرف اسے دھیان بھی نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بہت سے درجات بلند فرما دیتا ہے، اور بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ گذرتا ہے کہ اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے دوزخ میں گرتا چلا جاتا ہے۔ (بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنی زبان کی وجہ سے اس سے بھی زیادہ پھسل جاتا ہے جتنا اپنے قدم سے پھسلتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو سب اعضاء عاجزی کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر، کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں (یعنی ہماری خیر و عافیت اور دکھ تکلیف تجھ سے متعلق ہے) پس اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تجھ میں کجی آ گئی تو ہم میں بھی کجی آ جائے گی۔ (ترمذی)

کجی ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو ٹیڑھی چلی اور تو نے بے راہی اختیار کی تو ہماری بھی خیر نہیں، دیکھو گالی زبان دیتی ہے اور اس کے عوض جوتا سر پر پڑتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان کو قابو میں رکھو، اور اپنے گھر میں اپنی جگہ رکھو، (یعنی زیادہ تر اپنے گھر ہی رہو، باہر بہت کم نکلو، کیونکہ گھر کے باہر بہت سے فتنے ہیں) اور اپنے گناہ پر رویا کرو۔ (ترمذی)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف ہے؟ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا کہ سب سے زیادہ اس کا خوف ہے۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی بہت زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے، مومن بندوں پر لازم ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت ذکر و تلاوت میں مشغول رکھیں، اور بقدر ضرورت تھوڑی بہت دنیاوی ضرورتوں کے لئے بھی بات کر لیا کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا دل میں سختی پیدا ہونے کا سبب ہے، اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں یہ فرمایا کہ انسان کی ہر بات اس کے لئے وبال ہے، نفع دینے والی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ امر بالمعروف کرے (یعنی نیکیوں کا حکم دے) یا نہی عن المنکر کرے (یعنی برائیوں سے روکے) یا اللہ کا ذکر کرے۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے کرنے میں گناہ نہیں ہے اور ثواب بھی نہیں جس کو کلام مباح کہتے ہیں اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ وہ بھی وبال کا باعث ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جتنی دیر میں وہ بات کی ہے اتنی دیر میں ذکر اور تلاوت اور درود شریف میں مشغول ہو کر جو ثواب اور بلند درجات حاصل ہو سکتے تھے ان سے محرومی ہو گی، دوسرا نقصان یہ ہے کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں سختی آ جاتی ہے، اور تجربہ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دل کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

اور یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ زیادہ بولنے والا اگر جائز بات بھی کرے تو بولتے بولتے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی اس کی زبان

سے تھوڑی ہی دیر میں ایسی باتیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں جو گناہ کی باتیں ہوتی ہیں مثلاً کوئی جھوٹی بات نکل جاتی ہے اور یہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے خواہ مخواہ کسی کی غیبت شروع ہو جاتی ہے لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ انسان خاموش رہے یا اللہ کا ذکر کرے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہو گئی، تو ایک شخص نے کہا کہ تجھے جنت کی خوشخبری ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جنت کی خوش خبری دے رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہوگی، یا ایسی چیز خرچ کرنے سے کنجوسی کی ہوگی جس کے خرچ کرنے سے نقصان نہیں ہوتا۔ (ترمذی) مثلاً علم دین سکھا دینا یا سوئی تاگہ دے دینا وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من صمت نجا "یعنی جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔" (بخاری)

یعنی دنیا اور آخرت میں ان آفات اور بلیات سے محفوظ رہا جو زبان سے متعلق ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ

"یعنی جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ خیر کی بات کرے (اس میں ہر نیک بات آ گئی جس میں ثواب ہو) یا خاموش رہے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت عمران بن حطان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا وہ مسجد میں بالکل تن تنہا تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین (یعنی ساتھ کے بیٹھنے والے برے شخص سے) بہتر ہے، اور نیک ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے، اور خیر کی باتیں کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور خاموش رہنا بری باتیں زبان سے نکالنے سے بہتر ہے، (کیونکہ خاموشی پر پکڑ نہیں ہے، الا یہ کہ کسی واجب کلام سے گریز کیا ہو)۔ (مشکوٰۃ)

ان روایات و احادیث جان لینے کے بعد سمجھ لینا چاہئے کہ زبان کی آفات اور مہلکات (یعنی انسان کو برباد کرنے والی چیزیں) بہت زیادہ ہیں، بہت سے لوگوں کو بے جا بولنے کی عادت ہو جاتی ہے، خواہ مخواہ مشغلہ کرتے ہیں، اور دنیا بھر کے قصوں اور ایسی باتوں میں اپنی زبان کو استعمال کرتے ہیں جن میں اپنا کوئی نفع دینی اور آخرت کا نہیں ہوتا، بلکہ باتیں کرتے کرتے بڑے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

زبان کی آفات بہت ہیں ہم ان میں سے چند چیزوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، پہلے ان چیزوں کو بطور فہرست لکھ دیتے ہیں، پھر ان شاء اللہ تفصیل سے لکھیں گے، زبان کی آفات میں یہ چیزیں آتی ہیں:۔

(۱) جھوٹ بولنا۔ (۲) لعنت کرنا۔ (۳) چغلی کھانا۔ (۴) گالی دینا۔ (۵) غیبت کرنا۔ (۶) کسی کا مذاق اڑانا۔ (۷) جھوٹا وعدہ کرنا۔ (۸) جھوٹی قسم کھانا۔ (۹) جھوٹی گواہی دینا۔ (۱۰) دوسروں کو ہنسانے کے لئے باتیں کرنا۔ (۱۱) گانا گانا۔ (۱۲) کسی کے منہ پر تعریف کرنا۔ (۱۳) جھوٹی تعریف کرنا۔ (۱۴) کافر یا فاسق کی تعریف کرنا۔ (۱۵) جھگڑا کرنا۔ (۱۶) فحش

گالی دینا۔ (۱۷) کسی مسلمان کو کافر کہنا (۱۸) کسی کی مصیبت پر خوشی ظاہر کرنا۔ (۱۹) کسی کی نقل اتارنا۔ (۲۰) طعنہ زنی کرنا۔
ان سب چیزوں سے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:۔

جھوٹ کا وبال اور فرشتوں کو اس سے نفرت

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کذب العبد تباعد عنہ الملک میلا من نتن ما جاء بہ (رواہ الترمذی)

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بات کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳ از ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے جھوٹ کی سخت مذمت معلوم ہوئی، اور پتہ چلا کہ فرشتوں کو جھوٹ سے بہت زیادہ نفرت ہے، اور ان کو جھوٹ سے ایسی گھن آتی ہے کہ جوں ہی کسی کے منہ سے جھوٹ نکلا فرشتہ وہاں سے بھاگ رہا ہے اور ایک میل تک چلا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں، بدبو اور نفرت تو سب ہی فرشتوں کو ہوتی ہے، لیکن جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ مجبوراً ناگواری کو برداشت کرتے ہیں، اللہ کی پوری مخلوق کو تکلیف پہنچانا کتنا برا عمل ہے، اس کو خوب سمجھ لیں اور اوپر سے جھوٹ کا گناہ ہے جو اس کے علاوہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم سچ کو لازم پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ بتاتی ہے، اور انسان سچ بولتا رہتا ہے، اور سچ بولنے کا خوب دھیان رکھتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (یعنی بہت سچائی والا) لکھ دیا جاتا ہے، (پھر فرمایا کہ) جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور (یعنی گناہوں میں گھس جانے) کی راہ بتاتا ہے، اور فجور دوزخ کی راہ دکھاتا ہے، اور انسان برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کا دھیان رکھتا ہے (یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع سوچتا رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

پس مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، اور سچ ہی کو وظیفہ بنا لیں، بچوں کو سچ ہی سکھائیں، اور سچ ہی کی عادت ڈالیں، ان کے بہلانے کے لئے بھی جو کوئی وعدہ کریں وہ وعدہ بھی سچا ہونا چاہئے۔

بچوں کو منانے کے لئے جھوٹ بولنے کی ممانعت

وعن عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال دعتنی امی یوما ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد فی بیتنا فقالت ھا تعال اعطیک فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اردت ان تعطیہ قالت اردت ان اعطیہ تمرا فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انک لو لم تعطیہ شیئا کتبت علیک کذبۃ (رواہ ابو داؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ (جب میں چھوٹا سا تھا) میری والدہ نے ایک دن مجھے بلایا اور

کہا: لے آ، میں تجھے دے رہی ہوں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے آپ نے میری والدہ سے فرمایا تو نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو کھجوریں دینے کی نیت کی ہے۔ آپ نے فرمایا خبردار! اگر تو اس کو (کچھ بھی) نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ (کا گناہ) لکھ دیا جاتا۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶ از ابوداؤد و بیہقی)

تشریح: اس حدیث سے والدین کے حق میں ایک بڑی نصیحت معلوم ہوئی، بچوں کو کسی کام کے لئے بلانے کے لئے یا کہیں ہمراہ جانے کی ضد ختم کرنے کے لئے یا رونا بند کرنے کے لئے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں، اور ایک ایک دن میں کئی کئی بار ایسا ہوتا رہتا ہے وعدہ کر کے پھر وعدہ پورا کرنے کی فکر نہیں کرتے، بچہ کو بہلانے کے لئے جھوٹ بہکا دیتے ہیں کہ فلاں چیز لا کر دیں گے، ایسا کر دیں گے، وہ ویسا کر دیں گے یہ جھوٹے وعدے کرنا اور پورا نہ کرنا گناہ ہے جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔

سوتن وغیرہ کو جلانے کے لئے جھوٹ بولنے کی مذمت

وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ امْرَاَۃً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ ضَرَّۃً فَھَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِیْ غَیْرَ الَّذِیْ یُعْطِیْنِیْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ (رواہ البخاری)

"حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ بلاشبہ میری ایک سوتن ہے کیا مجھے گناہ ہوگا؟ اگر میں (اس کو جلانے کیلئے) جھوٹ موٹ یوں کہہ دوں کہ یہ چیز مجھے شوہر نے دی ہے، حالانکہ اس نے نہ دی ہو اس کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی چیز حقیقت میں نہ ملی ہو اس کے بارے میں یوں ظاہر کرنا کہ یہ مجھے ملی ہے ایسا ہے جیسے کوئی جھوٹ کے دو کپڑے پہن لے۔" (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ از بخاری و مسلم)

تشریح: مومن کے دل میں جو ایمان ہے یہ اللہ کا واعظ ہے، غلط جذبات اور غلط ارادے جو دل میں آتے ہیں یہ واعظ قلب جو اندر بیٹھا ہوا ہے متنبہ کرتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے جن کا ایمان اصلی ایمان ہے اور جنہوں نے ایمان کی روشنی کو گناہوں کی کثرت سے دھندلا نہیں کیا ان کو جب کسی خراب عمل کا خطرہ گذرے گا یا گناہ کرنے کا وسوسہ آئے گا فوراً دل میں ایک چبھن محسوس کریں گے ان کو ایسا معلوم ہوگا جیسے اندر کوئی الارم دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے، اگر ٹھیک بے ٹھیک کا فیصلہ خود نہیں کر سکتے تو جاننے والوں سے معلوم کر لیں، جب الحمد للہ ہم جیسے مسلمان کا یہ حال ہے تو حضرات صحابہؓ جن کا ایمان پہاڑ سے بھی بڑا تھا وہ ایسے خطرات اور وساوس پر کیوں متنبہ نہ ہوتے۔

حدیث بالا میں اسی طرح کا ایک واقعہ ایک صحابی خاتون کا مذکور ہے، ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اپنی سوتن کو نیچا دکھانے کے لئے جھوٹ کہہ دوں کہ مجھے شوہر نے فلاں فلاں چیزیں دی ہیں تو اس کا دل جلے گا اور اس کے جلنے سے مجھے خوشی ہوگی لیکن فوراً نفس کے اس عیب کو ان کے بیدار قلب نے پکڑ لیا اور دل میں کھٹک ہوئی کہ ایسا کرنا شاید ناجائز ہو لہٰذا ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہئے، در حقیقت مومن صادق کا دل گناہ پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ایمان (کی علامت) کیا ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مؤمن

"جب نیکی کرنے سے تیرا دل خوش ہو اور بدی سے تیرا دل بُرا محسوس کرے (تو سمجھ لے) تو مؤمن ہے۔"

اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ گناہ (کی نشانی) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اذا حاك في نفسك شيء فدعه

"یعنی جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دینا۔" (احمد، مشکوٰۃ عن ابی امامہ ص ۴۳)

مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام کے متعلق اچھا یا برا ہونے میں تردد ہو اور اس کے کرنے کے تصور سے دل میں بے چینی کی سی کیفیت معلوم ہوتی ہو تو اسے ترک کر دو کیونکہ یہ گناہ ہونے کی نشانی ہے، یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور دل کو سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں اور جو شخص گناہوں سے بچنے کی فکر نہیں کرتا اس کے دل کا ناس ہو جاتا ہے، پھر اس کو نیکی بدی کا احساس نہیں رہتا، اور گناہ پر خوش ہوتا ہے، دل کے اندر جو گناہوں کی وجہ سے خلش ہونی چاہئے وہ نہیں ہوتی۔

اسی قلبی کھٹک اور چبھن نے اس صحابی خاتون کو مسئلہ معلوم کرنے پر مجبور کیا، اور انہوں نے فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے تکلف نفس کا کھوٹ ظاہر کر دیا، اور عرض کیا کہ میرے دل میں اپنی سوتن کو جلانے کے لئے ایسا خیال آیا ہے اگر میں ایسا کروں تو کیا اس میں گناہ ہوگا؟

قربان جائیے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟ بہت پر مغز مختصر ارشاد فرمایا جس سے اس مقدس خاتون کے جزوی سوال کا جواب بھی ہو گیا اور ایک مستقل قاعدہ کلیہ امت کو مل گیا جو زندگی کے ہر شعبہ میں کام دے سکتا ہے، اور ہر صاحب فہم اس کی روشنی میں سچائی کا پتہ چلا سکتا ہے، ارشاد فرمایا:

المتشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور

"یعنی جس کو کوئی چیز نہیں ملی اور اس کے باوجود جھوٹ کہتا ہے کہ مجھے ملی ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے لئے۔"

یعنی اس نے سر سے پاؤں تک اپنے اوپر جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا، کسی کی زبان جھوٹی ہوتی ہے لیکن یہ پورا کا پورا جھوٹا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح غلط بات سے زبان جھوٹی ہو جاتی ہے غلط کردار سے دیگر اعضاء بھی جھوٹے قرار دیئے جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہر اس شخص کو نصیحت وعبرت حاصل کرنا چاہئے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور ظاہر کرتا ہو کہ میں اس کا مالک ہوں، جیسے بہت سی عورتیں مانگ کر یا شادی کے موقع پر زیور پہن کر چلی جاتی ہیں اور شیخی بگھارنے کے لئے یہ باور کراتی ہیں کہ یہ ہمارا زیور ہے، یعنی ہمارا یوں ہی ذرا سے چھا جائیں دوسرے کے مال کو اپنا بنا کر فخر کیا جائے، بعض لوگ حاجی نہیں ہوتے مگر پیچھے کرتے پہن کر حاجی ہونا بیان کرتے ہیں، اسی طرح بہت سے لوگ مرشد وصوفی نہیں ہوتے لیکن اپنے کو لوگوں کی نظروں میں بڑا ظاہر کرنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ان کا صوفی اور پیر ہونا ظاہر ہو جائے بہت سے لوگ ایسی ہی نیت سے مشائخ کا لباس پہن لیتے ہیں، ایسے لوگ بھی اس حدیث کے مضمون میں داخل ہیں، یعنی بحکم حدیث سر سے پاؤں تک جھوٹے ہیں، بہت سے لوگ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا

کسی مشہور بزرگ کی نسبت سے نہیں ہوتے لیکن اپنے نام کے ساتھ صدیقی، فاروقی لکھتے ہیں یا چشتی، قادری (۱) ہونے کے مدعی ہوتے ہیں، حالانکہ ان کو چشتیت، قادریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، یہ لوگ بھی حدیث بالا کے ذیل میں آتے ہیں، الغرض جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہے اس کا ظاہر سراپا کذب اور جھوٹ ہے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

(۱)۔ (یہاں پہنچ کر حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک ملفوظ یاد آگیا فرمایا آج کل نسبتیں لگانے کا فیشن ہوگیا ہے، میں تو ہنسی، اور بنتے ہیں رشیدی، خلیلی، امدادی، صابری وغیرہ اور غضب تو کوئی بھی نہیں ہیں کہ اشرفی بنتے ہیں (یعنی اشرف علی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں) کیا ذو معنیین جملہ ارشاد فرمایا۔)

سختی اور فحش کلامی پر تنبیہ

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ چند یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، اور اس موقع پر (دبی زبان میں انہوں) نے کہا ''السام علیکم'' (یعنی السلام کے بجائے السام کہہ دیا، سلام سلامتی کو اور سام موت کو کہتے ہیں، انہوں نے بددعا دینے کی نیت سے یہ سمجھ کر ایسا کہا کہ سننے والوں کی سمجھ میں نہ آئے گا) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لیا اور فوراً جواب دیا اور فرمایا بل علیکم السام واللعنة بلکہ تم پر موت ہو اور لعنت ہو، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! بے شک اللہ رحیم ہے، ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے تم کو اس طرح جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا میں نے اس کو جواب میں وعلیکم کہہ دیا (یعنی ان کو موت کی بددعا دے دی) میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور میرے حق میں ان کی بددعا قبول نہ ہوگی'' (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۸ بخاری ومسلم)

تشریح: صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اس موقعہ پر آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تو فحش گو مت بن، کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کو اور فحش اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتا۔

یہودی بڑے شریر تھے، ان کی شرارتیں آج تک کام کر رہی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی جانتے تھے اور واضح نشانیوں سے پہچانتے تھے لیکن مانتے نہیں تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی رہتے تھے وہ آپ کے سخت دشمن ہوگئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذاء دیا کرتے تھے۔ بلکہ شہید کرنے اور اسلام و مسلمانوں کو مٹانے کے پروگرام اور تدبیریں کیا کرتے تھے آپ کی مجلس میں بھی آتے

تھے، باتیں بھی پوچھتے تھے، لیکن اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے تھے، انہی شرارتوں میں سے ایک یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے السلام علیکم کے دبی زبان سے السام علیکم کہتے تھے، درمیان سے لام کو قصداً کھا جاتے تھے، سلام بمعنی سلامتی ہے اور السام بمعنی موت ہے، یہودی اپنی خباثت اور شرارت سے بظاہر سلام کرتے تھے لیکن دبی زبان اور دل کے ارادے سے موت کی بددعا دیتے تھے، ایک مرتبہ جو آئے اور ایسی ہی شرارت کی تو حضرت عائشہؓ نے سن لیا، اور فوراً سخت الفاظ میں ان کو جواب دیا اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے بڑھ کر بددعا دی، یہودیوں نے تو صرف موت کی بددعا دی تھی، حضرت عائشہؓ نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا، اور موت کی بددعا کے ساتھ ان پر لعنت بھیجی، اور اللہ پاک کا غضب نازل ہونے کی بھی بددعا دی۔ (ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں۔ السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم، کما فی المشکوٰۃ ص ۳۹۸)۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اے عائشہؓ ٹھیر، اور نرمی اختیار کر، سختی اور فحش کلامی سے پرہیز کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ بدکلامی کو اور بدکلامی اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپؐ نے ان کی حرکتوں کی طرف توجہ نہیں فرمائی آپؐ نے فرمایا ہاں مجھے پتہ ہے انہوں نے کیا کہا، میں نے بھی تو وعلیکم السلام نہیں کہا بلکہ صرف وعلیکم کہہ کر جواب دیا، جو کچھ انہوں نے میرے لئے کہا وہ میں نے ان پر الٹ دیا، ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہ ہوگی اور میری بددعا ان کو لگ کر رہے گی، مطلب یہ ہے کہ جو انہوں نے کہہ دیا وہ ان پر الٹ دیا گیا، اور مزید سخت کلامی اور بدکلامی کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو نرمی پسند ہے، سختی اور سخت کلامی اور فحش کلامی پسند نہیں ہے۔

دیکھو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسی مبارک نصیحت فرمائی، یہودی جو دشمن خدا اور دشمن دین تھے ان کو جواب دینے میں بھی پسند نہ فرمایا کہ سختی کی جائے اور بدکلامی اختیار کی جائے، جب دشمنوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو آپس میں مسلمانوں کو سخت کلامی اور بدکلامی اختیار کرنے کی کہاں گنجائش ہوسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ "مومن طعنہ زنی کرنے والا اور لعنت بکنے والا اور فحش باتیں کرنے والا اور بے حیا نہیں ہوتا۔" (ترمذی)

مومن کی شان ہی دوسری ہے، وہ تو نرم مزاج، نرم زبان، میٹھے الفاظ والا ہوتا ہے، انتقام اور جواب میں کوئی لفظ نکل جائے تو وہ بھی اسی قدر ہوتا ہے جتنا دوسرے نے کہا ہے، ہم سب اس سے سبق لیں اور اپنی زبان پر کنٹرول کریں۔

لعنت کرنے کی ممانعت

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ

اَلْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، قَالَ أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا (رواه البخاری و مسلم)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) عید یا بقر عید کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جارہے تھے، (راستہ میں) عورتوں پر گذر ہوا، آپ نے ان کو خطاب کرکے فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کرو، کیونکہ مجھے دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں ہی کی دکھائی گئی ہے، عورتوں نے سوال کیا یہ کس وجہ سے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ تم لعنت بہت کرتی ہو، اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، (پھر فرمایا کہ) میں نے عورت سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ہوتے ہوئے بہت ہوشیار مرد کی عقل کو ختم کردے، عورتوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر ہے؟ عرض کیا، جی ہاں ایسا تو ہے، فرمایا یہ اس کی عقل ہی کی کمی (کے باعث) ہے پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو (ان دنوں میں حسب حکم شرع) نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا تو ہے، فرمایا یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث بہت سی نصیحتوں پر مشتمل ہے سب کی تشریح خوب غور سے پڑھیں۔

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاً فرمایا کہ عورتو! صدقہ کرو، کیونکہ دوزخ میں زیادہ تر میں نے عورتوں کو دیکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں ہی کی ہوگی، جو انسان (مرد یا عورت) کافر یا مشرک یا منافق یا بے دین ہوں گے وہ تو ہمیشہ ہی دوزخ میں رہیں گے، اور بہت سے مسلمان (مرد و عورت) بھی اپنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ پھر جب خدا تعالیٰ کی مرضی ہوگی ان کو وہاں سے نکال کر جنت میں داخل فرمادیں گے، دوزخ کے داخل ہونے والوں میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی اور ان کے دوزخ میں جانے کی کئی وجہیں ہیں، عورتوں کا جو عام حال ہے نمازوں کو قضا کرنا، زیور کی زکوٰۃ نہ دینا اور بدگوئی و بدزبانی میں لگا رہنا، یہ سب بڑے بڑے گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے اور جن لوگوں کی برائیاں کرتی تھیں وہ معاف نہ کریں تو عذاب بھگتنا پڑے گا۔

اس حدیث میں ایک خاص عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔ یعنی صدقہ کرنا، صدقہ کو دوزخ سے بچانے میں بہت دخل ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے:۔ اتقوا النار ولو بشق تمرة (مشکوٰۃ شریف)

''یعنی صدقہ کرکے دوزخ سے بچو، اگرچہ آدھی کھجور ہی دے دو۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اس میں فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ اور نفلی صدقہ یعنی عام خیر خیرات سب داخل ہوگئے، ان سب کو دوزخ سے بچانے میں خاص دخل ہے، جس قدر ہو سکے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اپنے مال میں تو پورا اختیار ہے، اور شوہر کا مال ہو تو اس سے اجازت لے کر خرچ کرو۔

زیادہ تعداد میں عورتوں کے دوزخ میں جانے کا ایک سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ لعنت بہت کرتی ہیں، یعنی کوسنا، پیٹنا، برا بھلا کہنا، الٹی سیدھی باتیں زبان سے نکالنا یہ عورتوں کا ایک خاص مشغلہ ہے، شوہر، اولاد اور بھائی بہن،

گھر در جانور، چوپایہ، آگ پانی ہر چیز کو کوستی رہتی ہیں، اسے آگ لگے، وہ ٹکٹی لگا ہے، یہ ناس پٹی ہے، اسے ڈھائی گھڑی کی آئے، وہ موت کا لیا ہے، اس کا ناس ہو، اس طرح کی ان گنت باتیں عورتوں کی زبان پر جوڑی رہتی ہیں، ان میں بددعا کے کلمات بھی ہوتے ہیں، گالیاں بھی ہوتی ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دوزخ میں جانے کا سبب بتایا، لعنت کرنا یعنی یوں کہنا کہ فلاں پر لعنت ہے یا فلاں ملعون ہے، یا مردود ہے یا اس پر اللہ کی مار یا پھٹکار ہو، بہت سخت بات ہے، اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا کو لعنت کہا جاتا ہے، عام طور سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہو، اور جھوٹوں پر اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، لیکن کسی پر نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، جب تک یہ یقین نہ ہو کہ وہ کفر پر مر گیا، آدمی تو آدمی بخار کو، ہوا کو، جانور کو بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ہوا پر لعنت کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے حکم دی ہوئی ہے، اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی مستحق نہیں ہے تو لعنت اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کی۔ (ترمذی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ انسان جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے، وہاں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں (اوپر کو جانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا) پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے، زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، (کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جہاں وہ نازل ہو) پھر وہ دائیں بائیں کا رخ کرتی ہے، جب کسی جگہ کوئی راستہ نہیں پاتی تو پھر اس شخص پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت کی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے ورنہ اسی شخص پر آ کر پڑتی ہے جس نے منہ سے لعنت کے الفاظ نکالے تھے۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ایک دوسرے پر نہ ڈالو، اور نہ آپس میں یوں کہو کہ تجھ پر اللہ کا غصہ ہو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے یوں کہو کہ جہنم میں جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایک موقع پر بعض غلاموں کے بارے میں لعنت کے الفاظ نکل گئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے گذر رہے تھے، آپ نے (کراہت اور تعجب کے انداز میں) فرمایا لعانین وصدیقین کلا ورب الکعبۃ" یعنی لعنت کرنے والے اور صدیقین (کیا یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں) رب کعبہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (کہ کوئی شخص صدیق بھی ہو اور لعنت کرنے والا بھی ہو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اسی روز انہوں نے اپنے بعض غلام (بطور کفارہ) آزاد کر دیئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ (بیہقی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن کسی کے حق میں گواہ نہ بن سکیں گے، اور نہ سفارش کر سکیں گے۔ (صحیح مسلم)

دوسری بات حدیث میں یہ بتائی (جو دوزخ میں داخل ہونے کا باعث ہے) کہ عورتیں شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح اس طرح وارد ہوئی ہے:

سے گناہ شوہر سے کراتی ہیں، شوہر اپنے اخراجات سے عاجز ہوتا ہے تو رشوت لیتا ہے یا بہت زیادہ محنت کر کے رقم حاصل کرتا ہے، جس سے صحت پر اثر پڑتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ رشوت لینا حرام ہے اور یہ عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے اور زیادہ محنت کرنے سے صحت پر برا اثر پڑے گا اچھا خاصا ہوشمند آدمی بیوقوف بن جاتا ہے اور عورت کی ضد پوری کرنے کے لئے سب کر گزرتا ہے۔

عورت کو زیور پہننا جائز تو ہے مگر اس جائز کیلئے اتنے بکھیڑے کرنا اور شوہر کی جان پر قرض چڑھانا اور اس کو رشوت لینے پر مجبور کرنا، اور پھر دکھاوے کیلئے پہننا اسلام میں اس کی گنجائش کہاں ہے؟

بیاہ شادی کے موقع پر عورتوں نے بہت سی بری رسموں کا رواج ڈال رکھا ہے جو غیر شرعی ہیں، ان رسموں کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں، مرد کیسا ہی علم والا اور دیندار ہو اس کی ایک نہیں چلنے دیتیں، آخر وہی ہوتا ہے جو یہ چاہتی ہیں۔

مرنے جینے میں بھی بہت سی بدعات اور شرکیہ رسمیں نکال رکھی ہیں ان کی پابندی نماز سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھی جاتی ہے، اگر مرد سمجھائے کہ یہ شریعت سے ثابت نہیں انہیں چھوڑ دو تو ایک نہیں سنتیں، بالآخر مرد مجبور ہو کر ان رسموں میں خرچ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

یہ سب مثالیں ہم نے حدیث کا مطلب واضح کرنے کیلئے لکھ دی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ دین اور عقل میں ناقص ہوتے ہوئے بہت بڑے ہوشمند آدمی کو بیوقوف بنا دیتی ہے بالکل حق ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ جب عورتوں نے یہ دریافت کیا کہ ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ تو آپ نے فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ شریعت نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ
إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوْا ۚ وَلَا تَسْأَمُوْا أَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا أَوْ كَبِيْرًا إِلَىٰ
أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوْا إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۗ وَأَشْهِدُوْا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا
شَهِيْدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوْا فَإِنَّهُ فُسُوْقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

"پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھول جائے تو ان میں کی ایک دوسری کو یاد دلا دے۔" (سورۂ بقرہ رکوع ۳۹ آیت ۲۸۲)

اور عورت کے دین کا نقصان یہ ہے کہ ہر مہینہ جو خاص ایام آتے ہیں ان میں نمازوں سے محروم رہتی ہیں، اور ان میں روزہ بھی نہیں رکھ سکتیں (اگر رمضان میں یہ دن آ جائیں تو رمضان میں روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں قضا رکھ لیں)۔

شاید کوئی عورت دل میں یہ سوال اٹھائے کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ خاص ایام کی مجبوری قدرتی ہے، اور شریعت نے ان دنوں میں خود ہی نماز روزہ سے روکا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجبوری اگرچہ فطری اور طبعی ہے اور شریعت نے بھی ان دنوں میں نماز روزے سے روکا ہے مگر یہ بات بھی تو ہے کہ نماز روزہ کی ادائیگی کی جو برکات ہیں ان سے محرومی رہتی ہے، فطری مجبوری ہی کی وجہ سے تو یہ قانون ہے کہ

ان ایام کی نمازیں بالکل معاف کردی گئی ہیں جن کی قضا بھی نہیں اور رمضان کے روزوں کی قضا تو ہے مگر رمضان میں روزہ نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں، اب اگر کوئی عورت یوں کہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مجبوری کیوں لگائی ہے؟ تو یہ اللہ کی حکمت میں دخل دینا اور اس کی قدرت و مشیت پر اعتراض کرنا ہوا، یہ ایسی ہی بات ہے کہ جو شخص حج کرے گا اسے حج کا ثواب ملے گا جو نہ کرے گا اسے یہ ثواب نہیں ملے گا جس کے پاس حج کرنے کا پیسہ نہیں ہے اگر وہ کہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پیسہ کیوں نہیں دیا تو یہ اس کی بیوقوفی ہے اور اس کے کم عقل ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

"یعنی تم لوگ کسی ایسی چیز کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔" (سورہ نساء)

گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیں سب کا وبال اسی پر ہوگا جس نے گالی دینے میں پہل کی ہے، جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از مسلم)

تشریح: زبان کے گناہوں میں گالی دینا بھی ہے، یہ بھی ایک ایسی بری چیز ہے جو کسی طرح سے بھی مومن کے شایان شان نہیں ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔ سباب المسلم فسوق و قتاله کفر (بخاری، مسلم)

"یعنی مسلمان کو گالی دینا بڑی گنہگاری کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر کی چیز ہے۔" (بخاری، مسلم)

بہت سے مردوں اور عورتوں کو گالی دینے کی عادت ہوتی ہے اور بعضے تو اس کو برا بھی نہیں سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ جہالت اور جاہلیت کی بات ہے، اور اس میں سخت گناہ بھی ہے اور اس کی وجہ سے آپس میں تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے کرتے مردوں تک پہنچ جاتے ہیں، ایک نے کسی کو گالی دی دوسرے نے اس کے باپ کو گالی دی، پھر پہلے والے نے جواب میں دوسرے والے کے باپ کے ساتھ دادا کو بھی لپیٹ لیا، اس طرح سے اپنے ماں باپ کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! کوئی کسی آدمی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کے باپ کو گالی دے گا، اور کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کی ماں کو گالی دے دے گا۔ (بخاری و مسلم)

یعنی خود گالی نہ دی دوسرے سے گالی دلوادی، اور اس کا سبب بن گیا تو وہ ایسا ہی ہوا جیسے خود گالی دے دی، اور یہ بھی اس زمانہ کی بات ہے کہ صحابہؓ کو تعجب ہوا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آج کل تو بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو ماں باپ کو بالکل سیدھی صاف ستھری گالی دے دیتے ہیں، گالی یوں بھی کبیرہ گناہ ہے لیکن ماں باپ

کو گالی دینا اور بھی شدید ہے، اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے۔

اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے دے تو اچھی بات یہ ہے کہ جس کو گالی دی ہے وہ خاموش ہو جائے اور صبر کرے، اور گالی دینے کا وبال اسی پر رہنے دے لیکن اگر صبر نہ کرے اور جواب دینا چاہے تو صرف اسی قدر جواب دے سکتا ہے جتنا دوسرے نے کہا ہے اگر آگے بڑھ گیا تو یہ ظالم ہو جائے گا، حالانکہ اس سے پہلے مظلوم تھا اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو آدمی گالم گلوچ کر رہے ہوں تو سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوگا اور اگر مظلوم نے زیادتی کر دی (جسے اولاً گالی دی تھی) تو پھر دونوں گناہ میں شریک ہو گئے۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بڑی شخصیت ہے کہ سب لوگ ان کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جو بھی کچھ فرمایا جھٹ لوگوں نے عمل کر لیا، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا علیک السلام یا رسول اللہ دو مرتبہ ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا علیک السلام مت کہو، کیونکہ علیک السلام (زمانہ جاہلیت میں) میت کے لئے کہا جاتا تھا تم السلام علیک کہو، میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ ایسا صاحب قدرت ہے کہ اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے پھر تم اس سے دعا کرو تو تمہاری تکلیف رفع کر دے، اور اگر تم کو قحط سالی پہنچ جائے اور تم اس سے دعا مانگو تو وہ تمہارے لئے (ضرورت کی چیزیں زمین سے) اگا دے اور جب تم کسی جنگل زمین میں ہو جہاں گھاس پانی اور آبادی نہ ہو اور ایسے موقع پر تمہاری سواری گم ہو جائے پھر تم اس سے دعا کرو تو تمہاری سواری تمہارے پاس واپس لوٹا دے، میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے: آپ نے فرمایا ہرگز کسی کو گالی مت دینا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی میں نے کسی آزاد کو یا غلام کو یا اونٹ کو یا بکری کو گالی نہیں دی، (پھر تین نصیحتوں کے بعد فرمایا کہ) اگر کوئی شخص تم کو گالی دے اور تم کو اس چیز کا عیب لگائے جو تمہارے اندر ہے تو تم اسے اس چیز کا عیب نہ لگاؤ جو عیب اس کا تم اس کے اندر جانتے ہو۔ (مشکوۃ المصابیح عن ابی داؤد)

دیکھو! اس حدیث میں کیسی سخت تنبیہ فرمائی کہ ہرگز کسی کو گالی نہ دینا جن صحابی کو نصیحت کی تھی انہوں نے اسی سختی کے ساتھ اس کو پلہ باندھا اور ایسی مضبوطی کے ساتھ اس پر عمل کیا کہ کبھی کسی انسان کو یا حیوان کو گالی نہیں دی، اونٹ، بکری، گدھا، گھوڑا کبھی کسی کو گالی کا نشانہ نہیں بنایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

"اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے"

دیکھئے! آیت شریفہ میں مشرکین کے بتوں کو گالیاں دینے سے بھی منع فرمایا اور وجہ یہ بتائی کہ جب تم ان کے بتوں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے معبود برحق اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں گستاخی کریں گے، پس تم اس کا ذریعہ کیوں بنتے ہو؟

اسی طرح سے مسلمانوں کو آپس میں کسی کے خاندان کے بڑوں کو (خاندانی نسبی ہو یا دینی ہو یا علمی ہو) گالی دینے یا بُرا کہنے سے پرہیز کرنا لازم ہے، کیونکہ ایک فریق دوسرے فریق کے بڑوں کو بُرا کہے گا تو دوسرا فریق بھی جواب میں بُرا کہے گا اور

گالی دے گا۔ اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا تو جواب میں دوسرا شخص گالی دینے والے کے باپ دادا اور پردادا کو گالی دے گا۔ اس میں بسا اوقات ان لوگوں کو گالی دینے کی بھی نوبت آجاتی ہے جو دنیا سے گذر گئے ہیں، مُردہ لوگوں کو بُرا کہنے کی ممانعت خصوصیت کے ساتھ وارد ہوئی ہے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ مر گئے ان کو گالی مت دو یعنی بُرائی کے ساتھ یاد نہ کرو کیونکہ وہ ان اعمال کی طرف پہنچ گئے جو انہوں نے پہلے سے آگے بھیجے۔ (بخاری)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مُردوں کو گالی نہ دو جس کی وجہ سے تم زندوں کو ایذا دو گے۔ (ترمذی)

یعنی جب مُردوں کو گالی دوگے تو ان کے متعلقین جو زندہ ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی اور اس سے دوہرا گناہ ہوگا، ایک اموات کو گالی دینے کا دوسرا ان کے متعلقین کا دل دکھانے کا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی بُرائیوں سے (زبان کو) روکے رکھو۔ (ابو داؤد و ترمذی)

اسلام پاکیزہ دین ہے، اس میں جانوروں کو گالی دینے تک کی بھی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مرغ کو گالی نہ دو، کیونکہ وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ (ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو پسّو نے کاٹ لیا، (یہ جوں سے ذرا بڑا جانور ہوتا ہے جو اونٹ وغیرہ کے جسم میں ہوتا ہے) اس شخص نے پسّو کو گالی دے دی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو گالی نہ دے، کیونکہ اس نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کو نماز کے لئے جگایا تھا۔ (مجمع الزوائد)

فائدہ: لفظ سب کا ترجمہ جگہ جگہ ہم نے گالی دینے سے کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فحش بازاری گالی دی جائے وہی گالی ہے، بلکہ کسی کو کسی بھی بُرے لفظ سے یاد کرنا بھی گالی میں شامل ہے خوب سمجھ لیں، اگر ماں بہن کی گالی نہ دی بلکہ بے ہودہ، گدھا، کمینہ کہہ دیا یہ بھی ان احادیث کے مفہوم میں آتا ہے جن میں سب و شتم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

کسی مسلمان کو فاسق یا کافر یا اللہ کا دشمن کہنے کا وبال

وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الا حار علیہ (رواہ البخاری و مسلم)

"حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا یوں کہا کہ اے اللہ کے دشمن اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کلمہ اسی پر لوٹ جاتا ہے جس نے ایسا کہا۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی ہے کہ مسلمان کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا جائے دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر کہہ دے اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ بات اسی پر لوٹ آتی ہے جس نے زبان سے نکالی۔ (بخاری)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا عجیب طرز اختیار فرمایا، آپ نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا، اور وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے تو جس نے کہا اسی کی بات اسی پر لوٹ آئے گی، بہت سے مرد اور عورتیں غصے کے جنون میں آپس میں ایک

دوسرے کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ دیتے ہیں، اس کا وبال بہت سخت ہے، بات واقعی ہے کہ زبان پر ہر شخص کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے ذرا ذرا سے کلمہ میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے، انسان کو اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا، یہ بات خوب خوب ذہن نشین کر لو۔

چغلی کھانے والوں کا عذاب اور وبال

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے، اور اللہ کے برے بندے وہ ہیں جو چغلی لے کر چلتے پھرتے رہتے ہیں (اور چغلی کی وجہ سے) محبت کرنے والوں میں جدائی کرنے والے ہوتے ہیں (اور) جو لوگ برائی سے بیزار ہیں ان کے لئے فساد کی تلاش میں رہتے ہیں۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵ عن احمد والبیہقی)

تشریح: اس حدیث مبارک میں چغلی کی مذمت فرمائی اور جو لوگ چغلی کرتے پھرتے ہیں ان کو برے انسانوں میں شمار فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ اہل محبت اور اہل تعلق میں چغلی کھا کھا کر جدائی پیدا کرنے کا سامان پیدا کر دیتے ہیں، اور جو لوگ شر اور فساد سے بری ہیں ان کے فساد اور بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

درحقیقت چغلی کھانا بدترین چیز ہے، جو چغلی کھاتا ہے اسے کچھ نفع نہیں ہوتا، بلکہ اس کے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور اس کی بری حرکت اور شرارت سے اچھے خاصے اہل محبت اور اہل وفاء میں جنگ ہو جاتی ہے، اور دلوں میں اور نفرت کے شعلے بھڑک کر برائیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور افراد کی لڑائیاں خاندانوں کو لے پہنچتی ہیں، چغلخور ذرا سا شگوفہ چھوڑتا ہے اور یہاں کی بات وہاں پہنچا کر جنگ و جدال کی آگ کو سلگاتا ہے، لوگوں میں لڑائی ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے، گویا اس نے بہت بڑا کام کیا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ دوسروں کے لئے جو لڑائی کی آگ سلگائی اس سے اپنی قبر میں بھی انگارے بھر دیئے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہے (کہ جس کے چھوڑنے میں کوئی مشکل اٹھانی پڑے اگرچہ گناہ میں وہ بڑی چیز ہے) اس کے بعد فرمایا کہ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا شخص چغلی لے کر چلتا تھا، (یعنی فساد کیلئے ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات ادھر لے جاتا تھا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲)

اس حدیث کے پیش نظر علماء نے بتایا ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا (یعنی استنجاء نہ کرنا) اور بدن پر پیشاب کے چھینٹے آنے سے نہ بچنا اور پیشاب کے وقت پردہ نہ کرنا اور چغلی کھانا عذاب قبر لانے کا بہت بڑا سبب ہے۔

چغلخور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لا یدخل الجنۃ قتات "یعنی جو شخص تجسس میں ہو جو دوسروں کی باتیں کان لگا کر سنتا ہے اور ان کو خبر بھی نہیں پھر چغلی کھاتا ہے ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

اور ایک حدیث میں قتات کی جگہ نمام آیا ہے نمام چغلخور کو کہتے ہیں، ترجمہ یہ ہوا کہ چغلخور جنت میں داخل نہ ہوگا، علماء نے

نے قتات اور نمام میں یہ فرق بتایا ہے کہ نمام وہ ہے جو بات کرنے والوں کے ساتھ موجود ہو پھر وہاں سے اٹھ کر چغلی کھائے اور قتات وہ ہے جو چپکے سے بات سن لے، جس کا بات کرنے والوں کو علم بھی نہ ہو، اس کے بعد چغلی کھائے۔

مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں۔ جب کسی مجلس میں موجود ہو خواہ ایک دو آدمی ہی ہوں وہاں اگر کسی کی غیبت ہو رہی ہو تو منع کر دے، اور نہ روک سکے تو وہاں سے اٹھ جائے اور مجلس میں جو باتیں ہوں ان کو مجلس سے باہر کسی جگہ نقل نہ کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (مجلس میں جو بات کان میں پڑے اس کو اِدھر اُدھر نقل کرنا امانت داری کے خلاف ہے) ہاں اگر کسی مجلس میں کسی جان کو قتل کرنے کا مشورہ ہوا ہو یا زنا کاری کا مشورہ ہوا ہو، یا کسی کا ناحق مال لینے کا مشورہ ہوا ہو تو یہ بات نقل کر دے۔ (ابو داؤد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے جب کوئی شخص کوئی بات کہے پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو اس کی یہ بات امانت ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد)

یعنی کسی شخص نے کسی سے کوئی خاص بات کہہ دی پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کسی نے سنا تو نہیں، تو اس کا یہ دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی کو سنانا نہیں چاہتا لہٰذا جس سے کہی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ بات کسی سے نہ کہے، بہت سے لوگ مجلس کی بات یہاں سے وہاں پہنچا دیتے ہیں جو غلط فہمی اور لڑائی کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور یہ شخص چغلخور بن جاتا ہے اور خود اپنا بُرا کرتا ہے، نہ بات نقل کرتا نہ خرابی کا ذریعہ بنتا۔

بعض مردوں اور عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جن دو شخصوں یا دو خاندانوں یا دو جماعتوں کے درمیان اَن بَن ہو ان کے ساتھ ملنے جلنے کا ایسا طور طریق اختیار کرتے ہیں کہ ہر فریق کے خاص اور ہمدرد بنتے ہیں، اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم صحیح راہ پر ہو، اور ہم تمہاری طرف ہیں، ہر فریق ان کو ہمدرد سمجھ کر اپنی سب باتیں اُگل دیتا ہے، پھر ہر طرف کی باتیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر پہنچاتے ہیں، جس سے دونوں فریق کے درمیان اور زیادہ لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ بدترین آدمی اس کو پاؤ گے جو (دنیا میں) دو چہرے والا ہے ان لوگوں کے پاس ایک منہ سے آتا ہے اور ان لوگوں کے پاس دوسرا منہ لے کر جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جس کے دو چہرے تھے قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابو داؤد)

دو چہرہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ درحقیقت پیدائشی طور پر اس کے دو منہ تھے بلکہ چونکہ ہر فریق سے اس طرح بات کرتا تھا جیسے خاص اسی کا ہمدرد ہے اس لئے ایسے شخص کو دو منہ والا فرمایا، گویا کہ فریق اول سے جو بات کی وہ اس منہ سے کی اور دوسرے فریق کے ساتھ دوسرا منہ لے کر کلام کیا اور بات میں دوغلہ پن اختیار کیا، ایسے شخص کے ایک ہی چہرے کو دو چہرے قرار دیا گیا، کیونکہ غیرت مند آدمی اپنی زبان سے جب ایک بات کہہ دیتا ہے تو اس کے خلاف دوسری بات اسی زبان سے کہتے ہوئے شرم کرتا ہے، بے ضمیر اور بے غیرت آدمی ایک چہرے کو دو چہروں کی جگہ استعمال کرتا ہے، چونکہ زبان کی الٹا پلٹی کی وجہ سے ایک چہرے کے دو چہرے قرار دیئے گئے اور ایک زبان سے دو شخصوں کا کردار ادا کیا اس لئے قیامت کے دن اس حرکت بد کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ

ایسے دو منہ والے شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں پیدا کردی جائیں گی، جن کے ذریعے جلتا بھنتا رہے گا اور اس کا یہ خاص عذاب دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ شخص دو منہ والا اور دو رخا تھا، اعاذنا اللہ من ذلک۔

جھوٹ ایسی حرکت بد سے بچو، جن لوگوں میں رنجش اور پرخاش ہو ان سے ملنے میں تو کوئی حرج نہیں، لیکن ہر فریق کو اس کی غلطی سمجھاؤ، اور دونوں میں میل ملاپ کی کوشش کرو، ادھر کی بات ادھر پہنچا کر اور ہر ایک کی بات سچ کہہ کر بغض و دشمنی کو، اور لڑائی کے بڑھ جانے کا ذریعہ نہ بنو، اور اللہ سے ڈرو جو علیم بذات الصدور ہے۔

غیبت کسے کہتے ہیں؟....اور اسکا نقصان اور ضرر وبال کیا ہے؟

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ، قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ قِیْلَ اَفَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ صحابہؓ سے) فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ تو) اپنے بھائی کو اس طریقے سے یاد کرے جو اسے بُرا لگے، اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہی ہو جو میں بیان کر رہا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو نے بھائی کا وہ عیب بیان کر دیا جو اس میں ہے) تب تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اسے بہتان لگایا۔" (مشکوٰۃ ص ۴۱۲ عن مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو، اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کسی کی بُرائی کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ ہم نے غلط تو نہیں کہا جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بُرائی یا عیب کسی کے اندر موجود ہو پھر اس کو بیان کرو گے تو غیبت ہوگی، اور اگر اس کے اندر وہ خرابی اور عیب و بُرائی نہیں ہے جو بیان کر رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا جو غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے، بعض جاہل کہتے ہیں کہ میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا یا میں نے اس کے منہ پر کہا ہے پیٹھ پیچھے غیبت نہیں کی ہے، یہ دلیل شیطان نے سمجھائی ہے، اس دلیل سے غیبت کرنا جائز نہیں ہو جاتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو، معلوم ہوا کہ گناہ کی بنیاد دل دکھانے اور ناگوار ہونے پر ہے، سامنے بُرائی کی جائے تب گناہ ہے، پیچھے کی جائے تب گناہ ہے۔

کیا کیا چیز غیبت ہے؟ علماء نے فرمایا ہے کہ کسی کے گناہ کا ذکر کرنا، کپڑے میں عیب نکالنا، نسب میں کیڑے نکالنا، برے القاب سے یاد کرنا، اس کی اولاد کو کالا، بدصورت، گنجا بتانا اور ہر وہ چیز جس سے دل دُکھے اس سب کا کرنا حرام ہے اور غیبت میں داخل ہے۔

عورتوں میں یہ بڑا مرض ہے کہ بات بات میں الزام دھرتی ہیں، اور طعن و تشنیع کرتی ہیں، جہاں دو چار مل کر بیٹھیں عیب لگانے شروع کر دیئے، فلاں کالی ہے، اور وہ بھونڈی ہے، اور وہ پھوہڑ ہے، اسے خاندان کے رسم و رواج کا علم نہیں، کپڑے ڈھنگ کے نہیں پہنتی، نہ کپڑا سینا جانتی ہے، سنگار میں پان کھانے کے سوا کچھ نہیں جانتی، ایسی ہے ویسی ہے، یہ سب باتیں سراسر غیبت ہیں۔

غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ اور وبال کی چیز) ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ ارشاد فرمایا انسان توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے اور غیبت والے کی اس وقت تک بخشش نہ ہوگی جب تک وہ شخص خود معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غیبت کرنا مردہ کا گوشت کھانے کے برابر ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (سورۂ حجرات ۱۲)

غور فرمائیے قرآن مجید کی اس آیت میں غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے، یعنی جب کسی کی غیبت کی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے موت کے بعد اس کا گوشت کھایا، مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت ہے ایسا ہی اس کو غیبت سے سخت نفرت ہونی چاہئے۔

احیاء العلوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے (غیبت کر کے) دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا آخرت میں اس کا (جسم والا گوشت) غیبت کرنے والے کے قریب لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کو کھالے، اس حالت میں کہ وہ مردہ ہے، جیسا کہ تو نے اس کا زندگی کی حالت میں گوشت کھایا تھا، اس کے بعد وہ اس گوشت کو کھائے گا اور چیختا جائے گا اور اپنا منہ بگاڑتا جائے گا۔

حضرت عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہاں دو عورتیں ہیں جنہوں نے روزہ رکھا ہے اور قریب ہے کہ وہ پیاس سے مر جائیں، یہ سن کر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، وہ شخص دوپہر کے وقت پھر آیا اور عرض کیا یا نبی اللہ اللہ کی قسم وہ مر چکی ہیں یا مرنے کے قریب ہیں، تو آپ نے فرمایا ان دونوں کو بلاؤ، چنانچہ دونوں حاضر ہو گئیں، اور ایک پیالہ لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک عورت سے فرمایا قے کر، چنانچہ اس نے قے کی تو پیپ اور خون اور گوشت کے ٹکڑے نکلے جس سے آدھا پیالہ بھر گیا، پھر دوسری عورت کو قے کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس نے بھی پیپ اور خون اور ادھ کچرے گوشت وغیرہ کی قے کی، یہاں تک کہ پورا پیالہ بھر گیا، آپ نے فرمایا کہ ان دونوں نے حلال چیزوں کو ترک کر کے روزہ رکھ لیا، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی تھیں ان کے چھوڑنے کا روزہ نہ رکھا، (بلکہ اس میں مشغول رہیں) ان میں سے ایک دوسری کے پاس بیٹھی اور دونوں لوگوں کے گوشت کھاتی رہیں، (یعنی غیبت کرتی رہیں)۔ (کذا فی مجمع الزوائد)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے، ان سے ایک مرتبہ گناہ (یعنی زنا) صادر ہو گیا، انہوں نے بارگاہ

رسالت میں آ کر چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کیا، ہر بار آپ ان کی طرف سے بے توجہی برتتے رہے لیکن وہ برابر اقرار کرتے رہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس بات کے کہنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے پاک فرمادیں اس پر آپ نے فرمایا ان کو سنگسار کرنے یعنی پتھروں سے مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کو سنگسار کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کی یہ بات سنی کہ ایک دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ اس کو دیکھو! اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی، پھر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ (اس نے خود ہی آ کر گناہ کا اظہار اور اقرار کیا اور) اس کو سنگسار کر دیا گیا، جیسے کتے کو سنگسار کیا جاتا ہے، اس کی یہ بات سن کر اس وقت آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، پھر تھوڑی دیر چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک مردہ گدھے پر گذر ہوا جس کی ٹانگ اوپر کو اٹھی ہوئی تھی، آپ نے ان دونوں شخصوں کو بلایا (جنہوں نے مذکورہ کلمات کہے تھے) اور فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں، فرمایا تم دونوں اترو، اور اس مردہ گدھے کی لاش میں سے کھاؤ، ان دونوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اس میں سے کون کھائے گا؟ فرمایا وہ جو تم نے ابھی اپنے بھائی کی بے آبروئی کی (یعنی غیبت کی اور برا کہا) وہ اس کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ یہ شخص (یعنی حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سچی توبہ و ندامت کی وجہ سے) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

غیبت کئی طرح سے ہوتی ہے اور اس کا سننا بھی حرام ہے

غیبت بہت بری بلا ہے جس طرح غیبت کرنا منع ہے۔ غیبت سننا بھی منع ہے اور آخرت میں اس کا وبال بھی بہت بڑا ہے، بعض مردوں اور عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ غیبت کا ان کو ایسا چسکا لگ جاتا ہے کہ ہر مجلس اور ہر موقع میں غیبت ہی کرتے یا سنتے رہتے ہیں، جب تک کسی کی غیبت نہ کریں ان کی روٹی ہی ہضم نہیں ہوتی، کسی کی زبان سے غیبت کر دی اور کسی کی آنکھ کے اشارہ سے، اور کسی کی نقل اتار کر، کسی کی خط لکھ کر اور کسی کی غیبت اخبار میں مضمون دے کر کر دی، غیبت کے شوقین مردوں کو بھی تھکا نہیں، جو لوگ اس دنیا سے گذر گئے ان کی بھی غیبتیں کرتے ہیں، حالانکہ یہ اس اعتبار سے بہت خطرناک ہے کہ دنیا میں نہ ہونے کی وجہ سے ان سے معافی نہیں مانگی جاسکتی، پھر اس میں دوہرا گناہ ہے، کیونکہ میت کی غیبت کے ساتھ ان لوگوں کی دل آزاری بھی ہوتی ہے جو مرنے والے سے نسب کا یا کسی طرح کی نسبت کا تعلق رکھتے ہیں، جو شخص دنیا سے چلا گیا اگر اس کا کوئی مالی حق رہ گیا ہو تو وہ اس کے وارثوں کو دیکر جان چھوٹ سکتی ہے لیکن مرنے والے کی غیبت کو ورثہ بھی معاف نہیں کر سکتے۔

غیبت کرنے یا سننے میں جو نفس کو مزہ آتا ہے اس مزہ کا نتیجہ جو آخرت میں بصورت عذاب ظاہر ہوگا اس وقت نفس کی اس لذت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جو بہت برا ہوگا، جس طرح کسی کا مالی حق دبا لینے حتیٰ کہ روپیہ پیسہ یا کوئی چیز غیر شرعی طور پر لے کر قبضہ کر لینے سے میدان قیامت میں نیکیوں اور گناہوں سے لین دین ہوگا اسی طرح جس نے کسی کی غیبت کی ہوگی یا غیبت سنی ہوگی، یا کسی بھی طرح سے کسی کی بے آبروئی کی ہوگی بے جا ڈانٹ ڈپٹ کی ہوگی، گالی دی ہوگی، تہمت لگائی ہوگی، ان صورتوں میں بھی نیکیوں اور برائیوں سے

لیکن یہ یوں ہوگا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جس کا حق دبایا ہوگا یا کسی بھی طرح سے اس کی بے آبروئی کی ہوگی تو جس نے ایسی حرکت کی ہوگی اس کو ظالم قرار دیا جائے گا اور جس کا پیسہ یا کوئی حق دبایا یا غیبت کی ہو یا کسی بھی طرح سے بے آبروئی کی تو اس کے عوض ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلا دی جائیں گی اگر نیکیوں سے پورا نہ پڑا تو مظلوم کی برائیاں یعنی گناہ دے کر ظالم کے سر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ مضمون حدیث شریف میں بہت واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۵)

ہوشمند بندے وہی ہیں جو اپنی زبان پر قابو رکھتے ہیں، تیری میری برائی میں نہیں پڑتے، نہ غیبت کرتے ہیں نہ غیبت سنتے ہیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے خوب زیادہ ذکر و تلاوت کرتے ہیں، نمازیں بھی لمبی لمبی پڑھتے ہیں، اور بھی طرح طرح کی نیکیوں میں مشغول رہتے ہیں، لیکن چونکہ غیبتوں اور تہمتوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لئے اپنی ساری نیکیوں کو اپنے حق میں مٹی کر دیتے ہیں، جن کے حق دبائے، غیبتیں کیں یا غیبتیں سنیں یہ ساری بوجھل نیکیاں ان کو دے دی جائیں گی اور ان کے گناہ اپنے سر پر اٹھائیں گے اور پھر حیران کھڑے رہ جائیں گے، پھر دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

جو غیبت کی ہے یا سنی ہے اس دنیا میں معافی مانگ کر اس سے سبکدوش ہو جائے

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ آئندہ کے لئے غیبت کرنے، غیبت سننے، تہمت لگانے، گالی دینے، کسی کی نقل اتارنے، کسی کا مذاق بنانے سے اپنی حفاظت کرلے، اور جن لوگوں کے حقوق دبائے ہیں یا غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں، یا کسی کے حق میں کسی بھی طرح سے آگے یا پیچھے کوئی کلمہ ایسا کہا ہے جو ناگواری کا باعث ہو تو ان سب سے معافی مانگے، اگر ملاقات ہونے کی صورت نہ ہو تو خط کے ذریعہ معافی طلب کریں، اگر کوئی شخص مر گیا ہو تو مالی حق اس کے وارثوں کو دے دے اور دوسری چیزوں کی معافی کے واسطے مرنے والے کے لئے اتنی زیادہ دعائے مغفرت کرے جس سے یقین ہو جائے کہ اس کی جو غیبت یا برائی کی تھی، یا غیبت سنی تھی یا تہمت لگائی تھی اس کی تلافی ہو گئی۔

بعض علماء نے یوں فرمایا ہے کہ جس کی غیبت کی یا سنی اگر اسے پتہ چل گیا ہو تو اس سے معافی مانگ لے، اور اگر اسے پتہ نہ چلا ہو تو اسے بتائے بغیر اس کے لئے اس قدر دعائے مغفرت کرے کہ غیبت وغیرہ کی پوری طرح سے تلافی ہو جائے۔

کسی جگہ غیبت ہونے لگے تو دفاع کرے ورنہ اٹھ جائے

ہمارے ایک استاد غیبت سے بچنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کسی کا اچھا تذکرہ بھی اپنی مجلس میں نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ آج کل کسی کی تعریف کے کلمات کہنا بھی مشکل ہے، اگر کوئی شخص کسی کے حق میں اچھے کلمات کہنا شروع کرے تو فوراً ہی دوسرا شخص اس کی برائی شروع کر دیتا ہے، پھر سب حاضرین غیبت سننے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ غیبت کرنا، غیبت سننا، دونوں گناہ کبیرہ ہیں، لہٰذا اگر کسی موقع پر کسی کی غیبت ہونے لگے تو حاضرین کو چاہئے کہ اس کو روک دیں اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کا دفاع کریں، اگر تردید کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے برا سمجھتے ہوئے وہاں سے اٹھ جائیں، اٹھنا تو اپنے اختیار میں ہے، غیبت سننے میں کوئی مجبوری نہیں، جیسا کہ غیبت کرنے والے کے

لئے بھی کوئی مجبوری نہیں ہوتی، دوزخ کی آگ کا تصور کریں تو ہر گناہ چھوڑنا آسان ہوجاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور وہ اس کی مدد کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے مدد کردیتا ہے (یعنی اس کی حمایت کرتا ہے اور اس کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کو روک دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر قدرت ہوتے ہوئے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی گرفت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

جس کی غیبت ہورہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرنے کا اجر

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کے گوشت کی طرف سے دفاع کیا جو غیبت کے ذریعہ کھایا جارہا تھا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ اس کو دوزخ سے آزاد فرمادے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے (یعنی اس کی بے آبروئی کے موقع پر جو غیبت وغیرہ کے ذریعہ ہورہی ہے اس کی حمایت کرے، اور جو لوگ بے آبروئی کررہے ہوں ان کی کاٹ کرے) تو اللہ جل شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس سے دور فرمادے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

پس اے بھائیو! غیبت کرنے اور غیبت سننے، کسی کا مذاق بنانے اور نقل اتارنے اور ہر اس فعل سے سختی سے بچو اور اپنی اولاد کو اور سہیلیوں کو اور ملنے والیوں کو بچاؤ جس سے کسی مسلمان کی آگے یا پیچھے بے آبروئی ہوتی ہو۔

تانبے کے ناخنوں سے چہروں اور سینوں کو چھیلنے والے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میرے رب نے مجھے معراج کرائی تو میں ایسی قوم پر گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبتیں کرتے ہیں) اور لوگوں کی آبروریزی کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

بہت سے مرد اور عورت مجلس والوں کو ہنسانے کے لئے کسی حاضر یا غائب کی غیبت کرتے ہیں یا مسخرا پن کرتے ہیں یا نقل اتارتے ہیں اس وقت تو ذرا سی دیر کی ہنسی میں نفس کو ذرا مزہ آجاتا ہے لیکن جب اس کی سزا ملے گی تو اس مزہ کا پتہ چلے گا فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بے شک بندہ کبھی کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس سے لوگوں کو صرف ہنسانا مقصود ہوتا ہے اس کلمہ کی وجہ سے اتنا نیچا گہرائی میں گرتا چلا جاتا ہے کہ اس گہرائی کا فاصلہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے جتنا فاصلہ آسمانوں وزمین کے درمیان میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

کسی کو تہمت لگانے کا عذاب

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى

مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مومن کو منافق سے بچایا (یعنی غیبت کرنے والے کی تردید کی، اور جس کی غیبت ہو رہی ہو اس کی حمایت کی) تو اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجیں گے جو حمایت کرنے والے کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ (یعنی یا تو اسے دوزخ میں داخل نہ ہونے دے گا اور اگر وہ داخل ہو گیا تو اسے عذاب نہ ہونے دے گا) اور جس کسی نے کسی مسلمان کو تہمت لگا دی اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر ٹھہرائے رکھیگا، یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے (صاف ستھرا) ہو کر نکل جائے گا۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث پاک میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اول یہ کہ جو کوئی کسی کی غیبت کرے تو جس کی غیبت کی جا رہی ہو اس کی طرف سے دفاع کیا جائے، اور اس کا بہت بڑا فائدہ بتایا ہے، یہ مضمون غیبت کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو کسی طرح سے بھی تہمت لگانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اگر کسی نے کسی کو تہمت لگا دی تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس کی وجہ سے قیامت کے دن بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی، جس کسی کو تہمت لگائی تھی اس سے چھٹکارا کرنا ضروری ہوگا، دوزخ کی پشت پر پل صراط قائم کی جائے گی سب کو اس پر سے گذرنا ہوگا، جو اس سے پار ہو جائے گا جنت میں داخل ہو جائے گا، تہمت لگانے والا شخص پل صراط پر روک لیا جائے گا اور جب تک تہمت لگانے کے گناہ سے پاک و صاف نہ ہوگا جنت میں نہ جائے گا۔ پاک صاف ہونے کے دو طریقے ہیں، یا تو وہ شخص معاف کر دے جس کو تہمت لگائی، یا اپنی نیکیاں اس کو دے کر اور اس کے گناہ اپنے سر لے کر دوزخ میں جائے، چونکہ وہاں بندے حاجت مند ہوں گے اس لئے یہ امید تو بہت کم ہے کہ کوئی شخص معاف کر دے، اب دوسری صورت یعنی دوزخ میں جلنا ہی رہ جاتا ہے، کس کو ہمت ہے جو دوزخ میں جلنے کا ارادہ کرے، جب اس کی ہمت نہیں تو اپنے نفس، اور زبان پر قابو پانا ضروری ہوا، بہت سی عورتیں اور مرد اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے کہ کسی کے حق میں کیا کہہ گذرے، کس پر کیا تہمت لگا دی، اور کس کو کس بہتان سے نواز دیا، جہاں ساس بہوؤں میں لڑائی ہوئی جھٹ کہہ دیا کہ بدچلن ہے، سوکنیں لڑنے لگیں تو ایک نے دوسری کو بدکار کہہ دیا، بہن بھاوج میں لڑائی ہوئی تو کہہ دیا کہ یار کھیرے پھرتی ہے، کسی کو چور بتا دیا، کسی کے بارے میں کہہ دیا کہ شرابی ہے، اور تہمت لگانے میں ان لوگوں تک کو نہیں بخشا جاتا، جن سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی بلکہ جو لوگ مر گئے دنیا سے جا چکے ان پر بھی تہمتیں دھر دیتے ہیں، یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، جس کی پاداش بہت سخت ہے۔

جو لوگ دنیا میں کمزور ہیں، وہ دبے ہوئے ہیں یا مر گئے ہیں، بدلہ نہیں لے سکتے ہیں ان کے آگے یا پیچھے اگر ان کو کوئی تہمت لگا دی اور وہ بدلہ نہ لے سکے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا، آخرت کا دن آنے والا ہے جہاں پیشی ہوگی، حساب کتاب ہوگا مظلوموں کو بدلے دلائے جائیں گے، اس دن کیا ہوگا؟ اس کو غور کرنا چاہئے، عام لوگ تو پھر بھی کچھ نہ کچھ حیثیت رکھتے ہیں، اپنا زر خرید غلام تو دنیا کے رواج میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اگر کسی نے اپنے زر خرید غلام کو زنا کی تہمت لگا دی تو

تہمت لگانے والوں پر قیامت کے دن حد قائم کی جائے گی، الا یہ کہ وہ تہمت لگانے میں سچا ہو۔ (کذا فی الترغیب والترہیب عن البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے (خاص خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ) بچو، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ وہ سات ہلاک کرنیوالی چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا:

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) اس جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام فرمادیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو (جس کو علماء اور شرعی قاضی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں) (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جہاد سے پشت پھیر کر بھاگ جانا۔ (۷) پاک باز مؤمن عورتوں کو تہمت لگانا، (جو برائیوں سے) غافل ہیں۔ (بخاری و مسلم)

یعنی جو عورتیں پاک باز اور عصمت والی ہیں ان کو تہمت لگانا ان بڑے بڑے گناہوں میں شامل ہے جو ہلاک کر دینے والے ہیں، یعنی دوزخ میں پہنچانے والے ہیں، ان کو تہمت لگانا اس لئے سخت ہے کہ انہیں برائی کا دھیان تک نہیں ہے، اور جنہیں زبان پر قابو نہیں مرد ہوں یا عورت وہ ان بے چاریوں پر تہمتوں کے گولے پھینکتے رہتے ہیں، اگرچہ کسی ایک عورت پر بھی تہمت لگانا درست نہیں جس کا چال چلن مشکوک ہو۔

نقل اُتارنے پر تنبیہ

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ قَالَتْ وَحَكَيْتُ لَهُ إِنْسَانًا فَقَالَ مَا أُحِبُّ أَنِّيْ حَكَيْتُ إِنْسَانًا وَأَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ کسی موقع پر) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ صفیہ بس اتنی سی ہے (یعنی اس کے حسن وغیرہ کی کوئی مزید خامی بتانے کی ضرورت نہیں ہے پستہ قد ہونا ہی کافی ہے) یہ سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو سمندر کو بھی بگاڑ ڈالے۔ یہ واقعہ بتا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، اس پر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مجھے پسند نہیں ہے کہ کسی شخص کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے ایسا کرنے پر (دنیا کی) اتنی اتنی دولت مل جائے۔" (سنن ابوداؤد ص ۳۰۷ ج ۲ باب فی الغیبۃ کتاب الادب)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے قد و قامت، ہاتھ پاؤں، ناک کان وغیرہ کو عیب دار بتانا (اگرچہ واقعۃً عیب دار ہو) اور کسی کی بات یا چال ڈھال کی نقل اتارنا گناہ ہے، اور سخت ممنوع ہے، عام طور سے کسی کے ہکلانے یا لنگڑا کر چلنے یا تو تلانے یا تلفظ کرنے کی نقل اتاری جاتی ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا جس کی وجہ سے سخت گنہگار ہوتے ہیں چونکہ یہ بات حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک بندہ سے معافی نہ لی جائے توبہ سے بھی معاف نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قد کی کوتاہی کو خاص انداز میں ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ ایسا خراب ہے کہ اگر اس کو جسم کی صورت دے کر سمندر میں گھول دیا جائے تو سمندر کو بھی گدلا کر کے رکھ دے اور اس کے موجودہ رنگ و بو اور مزہ کو بدل ڈالے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے لئے کس قدر باعث عبرت ہے، ہر شخص غور کرے، کتنے انسانوں کے اعضاء جسم میں اب تک کیڑے ڈالے ہیں، اور کتنے لوگوں کی چال ڈھال کو عیب دار بتایا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو لنگڑے کو لنگڑا کہا ہے اور بہرہ کو بہرہ بتایا ہے اور اندھے کو اندھا کہہ کر بلایا ہے، اور یہ بات حقیقت اور واقعہ کے خلاف نہیں ہے، جھوٹ ہوتا تو قابل گرفت ہوتا، مگر یہ حیلہ شرعاً بے معنی ہے۔ پہلے حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ غیبت کا مدار ناگواری پر ہے، بات کے جھوٹا سچا ہونے پر نہیں ہے، دیکھو! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو قد چھوٹا بتایا ہے غلط بات نہ تھی، پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

بندوں کی تعریف کرنے کے احکام

وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ أَخِيكَ ثَلَاثًا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيبُهُ إِنْ كَانَ يَرَى أَنَّهُ كَذٰلِكَ وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا. ([illegible])

"حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کر دی، اس پر آپ نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا تیرے لئے ہلاکت ہے تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، اور (پھر فرمایا) کہ جس کو کسی کی تعریف کرنی ہو تو یوں کہے میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے، اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اس کو واقعۃً ایسا سمجھتا ہو (پھر فرمایا) اور خدا کے ذمہ لگا کر کسی کا تزکیہ نہ کرے۔" ([illegible])

تشریح: اگر کسی کی تعریف میں کچھ کلمات کہے تو اس کے سامنے نہ کہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس کے اندر کہیں خود پسندی اور بڑائی آ جائے، جب ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، یعنی اس کے سامنے تعریف کر کے اس کو غرور اور خود پسندی میں ڈالنے کا انتظام کر دیا، پھر یہ اس صورت میں ہے جبکہ تعریف سچی ہو، اگر جھوٹی تعریف ہو تو اس کی گنجائش بالکل نہیں، کیونکہ وہ تو گناہ عظیم ہے۔

پھر دوسری تنبیہ یہ فرمائی کہ کسی کی تعریف کرنی ہی ہے (اس میں آگے پیچھے کا کوئی فرق نہیں) تو یوں کہے کہ میں تو فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اور صحیح صورت حال اللہ کو معلوم ہے، وہی اس کا حساب لینے والا ہے، ان کلمات کے کہنے سے یوں تو وہ شخص نہیں پھولے گا جس کی تعریف میں یہ الفاظ کہے اور اس میں تعریف کرنے والے کی طرف سے اس کا دعویٰ بھی نہ ہوگا کہ وہ واقعۃً ایسا

ہی ہے، کیونکہ بندہ صرف ظاہر کو جانتا ہے اور پورے کمالات اور حالات ظاہری ہوں یا باطنی ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور آخرت میں ہر شخص کس حال میں ہوگا اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لہٰذا یقین کے ساتھ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ایسا ایسا ہے اس کے پورے حالات سے واقف ہونے کا دعویٰ ہے، جب اللہ پاک کی جانب سے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی گئی تو پختہ یقین اور جزم کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ ایسا ایسا ہے گویا اللہ کے ذمہ یہ بات لگا دینا کہ اللہ کے نزدیک بھی یہ شخص ایسا ہی ہے جیسا میں بتا رہا ہوں، اسی کو فرمایا ولا یزکی علی اللہ احداً یعنی اللہ کے ذمہ رکھ کر کسی کا تزکیہ نہ کرے۔

فاسق اور کافر کی تعریف- یہ جو کچھ بیان ہوا اچھے بندوں کی تعریف اور سچے بندوں کی تعریف میں بیان ہوا اور جھوٹی تعریف اور کافر و فاسق کی تعریف کی تو اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو پروردگار عالم جل مجدہٗ غصہ ہوتے ہیں، اور اللہ کا عرش حرکت کرنے لگتا ہے۔ (بیہقی)

عرش کا حرکت کرنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت کی وجہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اس کی تعریف کرنا ایک بہت بڑی چیز ہے جس کے سامنے اللہ کی عظمت نہیں ہوتی وہی ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہے عرش الٰہی کو یہ تعریف ناگوار ہے، اس لئے وہ حرکت میں آ جاتا ہے۔

کافروں اور فاسقوں کی تعریف بہت بڑا اور بہت پرانا مرض ہے، شاعروں کا کام ہی یہ ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملایا کریں، اور جھوٹی تعریفیں کرکے روٹی حاصل کیا کریں اور دنیائے سیاست میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جس کو لیڈر بنالیا وہ چاہے کافر ہو چاہے بہت بڑا فاسق فاجر ہو اس کی تعریف اور توصیف کرنے کو فرض کا درجہ دیتے ہیں، اول تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے صالح بندوں کو اپنا مقتدا بنائے، اور ان کے ساتھ چلے، اور ان کی نگرانی کرتا رہے کہ شریعت کے مطابق کہاں تک چل رہے ہیں، کافروں اور فاسقوں کو مقتدا بنانا ہی گناہ ہے، اور کافروں اور فاسقوں کی تعریف تو اور زیادہ گناہگاری کی بات ہے، الیکشن کے مواقع میں تو اپنے لیڈر اور اپنی جماعت کے لوگوں کو سپورٹ کرتے ہیں، اور جسے جتانا مقصود ہو اس کی جھوٹی سچی تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں، خواہ وہ کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اور اس کے برعکس دوسرے فریق کا امیدوار خواہ کیسا ہی نیک، صالح ہو، مجمعوں میں اور جلسوں میں اور کانفرنسوں میں اس کی تنقیص کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور تہمتیں رکھتے ہیں اور نا کردہ گناہ اس کے ذمہ عائد کرتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ ان تعریفوں اور مذمتوں کا انجام آخرت میں کیا ہے، یہ زبان کی لگائی ہوئی کھیتیاں جب کاٹنی پڑیں گی اور انجام بھگتنا ہوگا تو کیا ہوگا؟ خوب غور و فکر کرنے کی بات ہے۔

جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی کا وبال

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ (رواہ البخاری و مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) ماں باپ کو ستانا (۳) کسی جان کو قتل کرنا اور (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

تشریح: کبیرہ گناہ بہت سے ہیں لیکن اس حدیث میں چند ایسے گناہ ذکر فرمائے جو بہت بڑے ہیں اور جن میں عام طور سے لوگ مبتلا رہتے ہیں، چونکہ اس موقع پر ہم زبان کی آفتیں ذکر کر رہے ہیں اس لئے اس حدیث میں جھوٹی قسم کی مناسبت سے یہ حدیث یہاں نقل کی ہے۔

اللہ کے ساتھ شرک کرنا تو سب سے بڑا گناہ ہے، جس کی کبھی بھی بخشش نہیں ہے۔ اس کو تو سب مسلمان جانتے ہیں، والدین کی نافرمانی اور ان کو ستانا اور تکلیف دینا بھی بڑے گناہوں میں ہے اور اس حدیث میں اس کو شرک کے بعد ذکر فرمایا ہے جس سے اس کی قباحت خوب ظاہر ہو رہی ہے، اور اس بارے میں ہم اس کتاب میں تفصیل سے لکھ بھی چکے ہیں، اور ایک مستقل رسالہ بھی "حقوق الوالدین" کے نام سے لکھا ہے، اور جھوٹی قسم کے بارے میں ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

جھوٹی قسم کا تعلق گذشتہ زمانہ کے واقعات سے ہوتا ہے جو کوئی واقعہ ہوا ہو اس کے بارے میں کہہ دیا کہ نہیں ہوا، اور اس پر قسم کھالی، اور کسی نے کوئی کام نہیں کیا اس کے بارے میں کہہ دیا کہ اس نے ایسا کیا ہے، اور اس پر قسم کھالی، اسی طرح اپنے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر جھوٹی قسم کھالی، یہ بہت بڑا گناہ ہے، اول تو جھوٹ پھر اوپر سے جھوٹی قسم یعنی اللہ کے نام کو جھوٹ کے لئے استعمال کرنا، گناہ در گناہ ہو جاتا ہے، بہت سے مرد اور عورت جھوٹی قسم سے بالکل پرہیز نہیں کرتے، بات بات میں قسم کھاتے چلے جاتے ہیں، اور اس کو گناہ اور وبال جو دنیا اور آخرت میں ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

عورتوں میں تیری میری برائی کرنے کی عادت ہوتی ہے، خواہ مخواہ لڑائی جھگڑوں میں اپنے آپ کو پھنساتی ہیں، تیرے میرے بارے میں کچھ نہ کچھ کہہ دیتی ہیں، جب کوئی موقع آتا ہے تو مکر جاتی ہیں اور صاف انکار کر دیتی ہیں کہ میں نے نہیں کہا اور اس پر قسم بھی کھا جاتی ہیں، بہت سے لوگ مال بیچتے وقت جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ یہ اتنے کا لیا ہے اور اتنے کا پڑا ہے، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں، کہ یہ میری ہے حالانکہ اپنی نہیں ہوتی، یہ سب گناہ اس لئے سرزد ہوتے ہیں کہ آخرت کی پیشی کا خیال نہیں ہوتا۔

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کسی شخص نے اللہ کی قسم کھائی اور اس میں مچھر کے پر کے برابر (ذرا سی بات غلط) داخل کر دی تو یہ قسم اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ بن جائے گی جو قیامت تک رہے گا۔ (ترمذی)

جھوٹی قسم کے ذریعہ مال حاصل کرنے کی سزا

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کے ذریعہ کوئی مال حاصل کر لیا، وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ کوڑھی ہوگا۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ تاجر لوگ فاجر ہیں

(یعنی بڑے گنہگار ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اللہ نے خرید و فروخت کو حلال نہیں قرار دیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں حلال تو ہے، لیکن تاجر لوگ قسم کھاتے ہیں، گنہگار ہوتے ہیں، اور باتیں کرتے ہیں، اور جھوٹ بولتے ہیں۔ (رواہ احمد)

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو جمروں (حج کے موقع پر جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں، یہ تین جگہیں ہیں ۱۲) کے درمیان یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کا مال جھوٹی قسم کے ذریعہ حاصل کر لیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ اس کے بعد دو یا تین مرتبہ فرمایا جو حاضر ہیں غائبوں کو پہنچا دیں۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم آبادیوں کو کھنڈر بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ (الترغیب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم سودا تو بکوا دیتی ہے (اور) کمائی کی برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

جس طرح اپنا مال بیچنے کے لئے یا کسی کا کوئی حق مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھانا حرام ہے اسی طرح کسی دوسرے کو کسی کا مال ناحق دلانے کے لئے یا مقدمہ میں جتانے کے لئے جھوٹی گواہی دینا حرام ہے، بڑے بڑے گناہوں کی فہرست میں بخاری و مسلم کی بعض روایات میں شہادۃ الزور کا لفظ آیا ہے، جھوٹی گواہی دینا بھی سخت گناہ ہے۔ بہت سے لوگ کسی کی دوستی میں، یا رشتہ داری کے تعلقات کی وجہ سے جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں، جھوٹی گواہی خود بہت بڑا گناہ ہے، پھر اس کے ساتھ حاکم قسم بھی کھلواتا ہے، جو جھوٹی ہوتی ہے، اس لئے گناہ دو گنا ہوتا ہے اور حرام پر حرام ہوتا چلا جاتا ہے، تعجب ہے کہ لوگ دنیا کے تعلقات اور رشتہ داری کو دیکھتے ہیں اور آخرت کے عذاب کی طرف دھیان نہیں دیتے، بہت سے لوگوں نے تو جھوٹی گواہی کو پیشہ ہی بنا رکھا ہے، پولیس سے اور وکیلوں سے جوڑ رکھتے ہیں اور روزانہ کورٹ کچہری میں پہنچ جاتے ہیں، پولیس اور وکیل الفاظ رٹا دیتے ہیں اور اسی وقت نقد گواہی دے کر نقد دام لے آتے ہیں، ان کا یہ پیشہ حرام ہے اور آمدنی بھی حرام ہے۔ حرام کے ذریعہ حرام کماتے ہیں، ان میں بڑے بڑے نمازی تک مبتلا ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی ہے اس کو تین بار فرمایا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ

"سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۸)

قرآن مجید میں شرک سے بچنے کا اور جھوٹی بات سے بچنے کا حکم ایک ساتھ ایک جگہ بیان فرمایا ہے اس سے جھوٹی گواہی کی مذمت اور قباحت ظاہر ہے۔

فائدہ:۔ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے، اگرچہ سچی قسم کھائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

بہت سی عورتیں غیر اللہ کی قسم کھا جاتی ہیں، اور یہ بھی کہتی رہتی ہیں کہ تیرے سر کی قسم، دودھ کی قسم، بیٹے کی قسم، عزت دولت کی قسم، باپ کی قسم یہ سب شرک ہے، اول تو جہاں تک ممکن ہو قسم کھائے ہی نہیں، اگر کسی موقع پر سچی قسم کھانی پڑ جائے تو صرف اللہ کی قسم کھائے۔

گانا گانے کی مذمت اور حرمت

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَّرِيْهِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا (رواہ بخاری ومسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے انسان کا باطن (پیٹ وغیرہ) پیپ سے بھر جائے جس سے اسکے معدہ وغیرہ کو خراب کر کے رکھ دے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا باطن شعروں سے بھر جائے۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹ از بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں شعر پڑھنے کی مذمت فرمائی ہے اور توضیح اس کی یہ ہے کہ اشعار معنی کے اعتبار سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں، برے شعر پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، جن شعروں میں جھوٹ ہو، جھوٹی تعریف ہو، کسی کی مذمت یا غیبت ہو، جہالت وجاہلیت کی حمایت ہو، کفر اور شرک کے مضامین ہوں، ایسے اشعار کہنے پڑھنے لکھنے سننے میں گناہ ہونا ظاہر ہے، اور عموماً ایسے اشعار سے نفس کو مزہ آتا ہے، پھر ان کے ساتھ ہارمونیم، سارنگی، باجہ گاجا بھی ہو تو گناہ دوگنا اور دوہرا ہو جاتا ہے، اور جو اشعار اچھے ہوں ان کو پڑھنا زبان پر لانا درست ہے، لیکن ساز، سارنگی اور بیچ کے باجے اور ہارمونیم، الغوزہ اور ڈھول کے ساتھ ان کا پڑھنا بھی گناہ ہے اور یہ چیزیں اگر نہ ہوں تب بھی عورتوں کو بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے، ہاں تنہائی میں کوئی شعر پڑھ لے تو درست ہے، نامحرموں کو نرم لہجہ والی یا گانے کے طرز والی آواز سنانا ممنوع ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

"یعنی تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے۔"

یہ جو عورتوں میں رواج ہے کہ منگنی یا بیاہ شادی یا بچہ کی پیدائش پر گاتی ہیں، جس میں بجانے کی چیزیں بھی استعمال ہوتی ہیں اور نامحرم کو آواز بھی جاتی ہے، یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے، سخت افسوس کی بات ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں موسیقی کے لئے مستقل وقت دیا جاتا ہے، اور گانا بجانا سیکھنے سکھانے بلکہ ناچ سکھانے کے لئے مستقل پیریڈ رکھے جاتے ہیں، پھر یہ لڑکیاں یہ سب کچھ سیکھ کر اسٹیج پر آتی ہیں، مجمعوں اور محفلوں میں ڈانس اور موسیقی کا مظاہرہ کرتی ہیں، اس بیہودگی اور بدکرداری کو فنون لطیفہ کا نام دیا جاتا ہے اور ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ اکبر! نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی عورتیں اور یہ جاہلیت کی حرکتیں؟ پھر اوپر سے شریف ہونے کا دعویٰ! اہل دین اور اہل فہم غور کریں کہ ان حرکات میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کا کیا منہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ میرے رب

نے مجھے گانے باجے کی چیزیں مٹانے کا حکم دیا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸) اور نالائق اُمتی گانے بجانے کو اور آلاتِ موسیقی کو زندگی کا جزو بنالیں، یہ کہاں تک زیب دیتا ہے، اسے ایمان کے دعویدار خود غور کریں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں نفاق کو اُگاتا ہے، جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

افسوس! کہ جن ممالک کی حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں، وہ ریڈیو اور ٹی وی پر گانے بجانے کے خصوصی اور ہمہ وقتی پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور ٹی وی پر تو ناچ بھی دکھاتے ہیں، مسلمان حاکموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ عوام کو منکرات و فواحش سے روکیں، نہ یہ کہ خود خلافِ شرع پروگرام پیش کریں، اور اُمت کی آنے والی نسلوں کو بگاڑ کر رکھ دیں، ٹی وی نے تو ہر گھر کو فواحش کا مرکز بنا کر رکھ دیا ہے، چھوٹے بڑے سب مل کر بے حیائی کے پروگرام دیکھتے ہیں اور مزے لیتے ہیں، ٹی وی پر چونکہ تصویر ہوتی ہے اس لئے اس کو تو اچھی باتیں سننے کے لئے بھی استعمال نہ کریں۔

لوگوں نے گانے بجانے کو ایسا جزوِ زندگی بنا رکھا ہے کہ کھا رہے ہیں تو گانا سن رہے ہیں، اور لیٹے بیٹھے ہیں تو گانا سن رہے ہیں، عورتیں کھانا پکا رہی ہیں یا دوسرے مشغلے میں ہیں تو ریڈیو کھول رکھا ہے، یا ٹیپ ریکارڈ چالو کر رکھا ہے، اسی لئے تو عملی نفاق ہو رہا ہے۔ شیطان نے قابو پایا ہوا ہے اور نیکی کی طرف طبیعت نہیں آتی، اللہ سمجھ دے، اور ہدایت دے۔

بسوں میں سفر کرو تو گانا، ٹیکسی میں بیٹھو تو گانا، ایک سچے مسلمان کے لئے سفر حضر سب مصیبت بن کر رہ گیا ہے، کالجوں میں مستقل موسیقی روم ہیں جس کو جس وقت گانا سننا ہو وہاں چلا جاتا ہے، مسجدوں کا انتظام نہیں ہوتا، مگر گانے بجانے کا انتظام ضرور ہوتا ہے اور اساتذہ و طلبہ سب اسلام کا دم بھرتے ہیں اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں، ہداہم اللہ۔

عشقیہ گانوں اور غزلوں اور ناولوں، افسانوں نے قوم کی نسلوں کو تباہ کر دیا ہے، اور خاندان کے بڑوں کو اس پر خوشی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هٰذِهِ الْآيَةِ (فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ) إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ إِنَّكُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُوْنَا لَا نَدْرِيْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَبْقُرُوْنَ بُيُوْتَنَا وَيَسْرِقُوْنَ أَعْلَاقَنَا قَالَ أُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ أَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهُ. (رواه البخاری فی التفسیر)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہا فقاتلوا ائمة الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ہم سے الگ ہیں، ہمیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو پہچانتے نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کے لے جانے والے لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ أَرَأَيْتُمْ صَنِيْعَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتُمْ فِيْ أَمْرِ عَلِيٍّ أَرَأْيًا رَأَيْتُمُوْهُ أَوْ شَيْئًا عَهِدَهُ إِلَيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَلٰكِنْ حُذَيْفَةُ أَخْبَرَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَصْحَابِيْ اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِيْهِمْ ثَمَانِيَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْكَهُمُ الدُّبَيْلَةُ وَأَرْبَعَةٌ لَمْ أَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِيْهِمْ. (رواه مسلم)

قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمایئے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ ان میں ایسے ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کی پشت پر ایک کی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔ (ان

کے شر سے حفاظت کے لئے انہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق مجھے یاد نہیں، یا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا۔ (مسلم شریف)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ آخِذًا بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقُوْدُ بِهٖ وَعَمَّارٌ يَسُوْقُ النَّاقَةَ أَوْ أَنَا أَسُوْقُهٗ وَعَمَّارٌ يَقُوْدُهٗ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَإِذَا أَنَا بِاثْنَيْ عَشَرَ رَاكِبًا قَدِ اعْتَرَضُوْهُ فِيْهَا قَالَ فَأَنْبَهْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَانُوْا مُتَلَثِّمِيْنَ وَلٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ مَا أَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ أَرَادُوْا أَنْ يُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفَلَا تَبْعَثُ إِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا أَكْرَهُ أَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى إِذَا أَظْهَرَهُ اللهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ. ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ. (رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة واخرجه ابن كثير في تفسير سورة براءة)

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمارؓ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں تک کہ ہم چلتے چلتے جب ہم گھاٹی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آ رہے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا تم نے ان کو پہچانا؟ ہم نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرا دینا چاہتے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کہلا بھیجئے کہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غلبہ کر دیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ نے بددعا فرمائی خدایا ان کو دبیلہ میں مبتلا فرما۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دبیلہ کیا چیز ہے فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے۔ (دلائل النبوۃ)

تشریح: طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل نام روایت فرمائے ہیں۔ معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن عبداللہ، حارث بن یزید، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن فہد، سوید، داعس، قیس بن عمرو، زید بن اللصیت، جلاس بن الصامت۔ (تفسیر ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر ومن حولكم منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں "وهذا تخصيص لا يقتضي انه

اطلع علی اسمائهم واعیانهم کلهم (ج ۲ ص ۳۸۴) اس تفصیل کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیئے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد زیادہ آئی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کل بڑے منافقوں کی تھی۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا کَانَ قُرْبَ الْمَدِیْنَةِ هَاجَتْ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ تَکَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاکِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّیْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِیْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ قَدْ مَاتَ. (رواہ مسلم)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آ رہے تھے اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کر دے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے جب آپ مدینہ شریف تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مر گیا ہے۔ (مسلم شریف)

حَدَّثَنَا اِیَاسٌ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَوْعُوْکًا فَوَضَعْتُ یَدِیْ عَلَیْهِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ کَالْیَوْمِ رَجُلًا اَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَشَدَّ حَرًّا مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ هٰذَیْنِکَ الرَّجُلَیْنِ الرَّاکِبَیْنِ الْمُقَفِّیَیْنِ لِرَجُلَیْنِ حِیْنَئِذٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ. (رواہ مسلم)

ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتادوں جو روز محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔ (مسلم شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ یَقُوْلُ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَیٍّ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ عَلَیْهِ فَقَامَ اِلَیْهِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلَیْهِ یُرِیْدُ الصَّلٰوةَ تَحَوَّلْتُ حَتّٰی قُمْتُ فِیْ صَدْرِهٖ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلٰی عَدُوِّ اللّٰهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَیٍّ اَلْقَائِلِ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا یَعُدُّ اَیَّامَهٗ قَالَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَبَسَّمُ حَتّٰی اِذَا اَکْثَرْتُ عَلَیْهِ قَالَ اَخِّرْ عَنِّیْ یَا عُمَرُ اِنِّیْ قَدْ خُیِّرْتُ فَاخْتَرْتُ قَدْ قِیْلَ لِیْ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ لَوْ اَعْلَمُ اَنِّیْ لَوْ زِدْتُ عَلَی السَّبْعِیْنَ غُفِرَ لَهٗ لَزِدْتُ ثُمَّ صَلّٰی عَلَیْهِ وَمَشٰی مَعَهٗ فَقَامَ عَلٰی قَبْرِهٖ حَتّٰی فُرِغَ مِنْهُ قَالَ فَعَجَبٌ لِیْ وَجُرْاَتِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَوَاللّٰهِ مَا کَانَ اِلَّا یَسِیْرًا حَتّٰی نَزَلَتْ هَاتَانِ الْاٰیَتَانِ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ قَالَ فَمَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ عَلٰی مُنَافِقٍ وَلَا

قَامَ عَلٰى قَبْرِهٖ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ. (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا آپ تشریف لے گئے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے سامنے آ گیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبداللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر بتائے) راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتی کہ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمر! جانے بھی دو مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے تو جو میرے لئے ان میں مناسب تھی وہ میں نے اختیار کر لی ہے (مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ خواہ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ستر بار ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ضرور اس سے زیادہ استغفار کروں گا یہ کہہ کر آپ نے اس کی نماز پڑھا دی اور اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی تشریف لے گئے اور اس وقت تک برابر قبر پر کھڑے رہے جب تک اس سے فراغت نہ ہو گئی۔ بخدا! ابھی ذرا سا وقفہ ہی گذرا ہو گا کہ یہ دو آیتیں نازل ہو گئیں۔ ولا تقم علی قبرہ الآیۃ۔

اس کے بعد آخری دم تک پھر تو آپ نے کسی منافق کی نماز پڑھائی نہ کسی کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے۔ (ترمذی)

تشریح۔ علماء کو یہاں یہ سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کی اصلی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلانی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں۔ امام غزالی اور داؤدیؒ جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا رمز شناس زمخشری جیسا شخص ہو سکتا ہے علماء کرام یہاں اپنی علمی رفتوں میں ہی الجھے رہا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ رمز شناس امور کو آپ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس بے انتہائی دلسوزی کی بناء جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے نبی قصداً الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لئے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی وسعتوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر چنانچہ اسی واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آ گئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ مَاتَ اَبُوْهُ فَقَالَ اَعْطِنِيْ قَمِيْصَكَ اُكَفِّنْهُ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهٗ فَاَعْطَاهُ قَمِيْصَهٗ وَقَالَ اِذَا فَرَغْتُمْ فَاٰذِنُوْنِيْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يُّصَلِّيَ جَذَبَهٗ عُمَرُ وَقَالَ اَلَيْسَ قَدْ نَهَى اللّٰهُ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ فَقَالَ اَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَتَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمْ. (رواہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اپنی قمیص مرحمت فرمادیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دیدوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت بھی فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا قمیص دیدیا اور فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دیدینا۔ جب آپ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کو کھینچ لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپ منافقین کی نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھا دی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوگئی ولا تصل علی احد الخ پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرما دی۔

تشریح:۔ شارحین بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اس منافق کو دی ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا وما یغنی عنہ قمیصی وصلوتی من اللہ واللہ انی کنت ارجوان یسلم بہ الف من قومہ وروی انہ اسلم الف من قومہ لما رأوہ یتبرک بقمیص النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز اس کو کیا فائدہ دے سکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپ کی شفقت ورحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگائے بیٹھے تھے یا یہ کہ در حقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا گویا اسی کی غمازی کررہا تھا کہ آپ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آیت کی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ عمرؓ اپنی طبعی صلابت کی وجہ سے جس طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہئے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بڑھتی ہوئی الحاح وزاری سے دردمند ہو کر اور زیادہ الحاح وزاری سے آپ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوتے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپ کے شانوں سے گری جارہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ كُنَّا فِيْ غَزَاةٍ قَالَ سفيان يرون انها غزوة بني المصطلق فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ وَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَا لَلْاَنْصَارِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوْا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَسَعَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلَ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ

اَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو فَقَالَ لَهٗ اِبْنُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اَنَّكَ الذَّلِيْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيْزُ فَفَعَلَ. (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ۔ غزوۂ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے لات ماردی اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاریوں کو۔ آپ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانۂ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر یہ ہنگامہ برپا ہوگیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔ یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا کیا مہاجر نے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو با عزت فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا رہنے دو۔ کہیں لوگ یہ مشہور نہ کردیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کررہا ہوں۔ عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن ابی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر اس نے اس کا اقرار کرلیا۔

تشریح: امام بخاریؒ نے ابواب المناقب کے باب ما ینھی عنہ من دعوی الجاھلیۃ کے ضمن میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کئے ہیں۔ وکان من المھاجرین رجل لعاب شارحین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور مذاق کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے۔ عمرؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب حل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا مخفی ایمان و نفاق معلوم کرنے کے لئے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگادیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقعہ مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ کرکے جب چاہتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں اس لئے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال سے بھی کفر ثابت نہ ہوجائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهٗ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهٗ اِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ

فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَأَنْ أَجِدَ ضَالَّتِيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِيْ صَاحِبُكُمْ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ. (رواہ مسلم)

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ٹیلے پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری بخشش کی بھی دعا کرا لیں۔ وہ بولا خدا کی قسم تمہارے اس صاحب کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مل جائے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ (مسلم شریف)

عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِيْ حَلْقَةِ عَبْدِ اللّٰهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٍ مِنْكُمْ قَالَ الْأَسْوَدُ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ فَتَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ فَرَمَانِيْ بِالْحَصَا فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ عَجِبْتُ مِنْ ضِحْكِهِ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ كَانُوْا خَيْرًا مِنْكُمْ ثُمَّ تَابُوْا فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (رواہ البخاری فی الصحیح)

اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سلام کیا اس کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہد صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر اسود نے ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان میں فرماتا ہے ان المنافقین الخ وہ دوزخ کے سب سے تحتانی طبقے میں ہوں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے۔ حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبداللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی منتشر ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد سمجھ گئے تھے۔ بیشک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انہوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (پہلے حضرت حذیفہؓ نے بغرض تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرما دیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلٰى أُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ. (رواہ مسلم)

زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لئے نکلے تو بعض منافقین جو آپ کے ساتھ آ گئے تھے واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تم کو کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہو گئیں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رِجَالاً مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْغَزْوِ تَخَلَّفُوْا عَنْهُ وَفَرِحُوْا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَذَرُوْا اِلَیْهِ وَحَلَفُوْا وَاَحَبُّوْا اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ۔ (رواہ مسلم)

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپ واپس تشریف لے آتے تو آپ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کر سکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں۔ (مسلم شریف)

عملی نفاق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دو رخا ہو ان کے پاس آئے تو ان کی سی باتیں بنا دے اور ان کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنا دے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ ذَا وَجْهَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ۔ (رواہ الدارمی)

عمار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو رخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (دارمی)

تشریح:۔ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں۔ واتفقوا علی ان ملاقاة الاثنین بوجهین نفاق۔ یہ متفق علیہ بات ہے کہ دو طرفہ باتیں بنانا نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغل خوری سے بدتر ہے کیونکہ چغل خوری تو صرف ایک دشمن کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دو طرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر اس نے دو دشمنوں کے کلمات نقل تو نہیں کئے مگر ان کے ملاقات کرت کو ہر ایک کی دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا

اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا۔ یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذوالوجہین اور ذواللسانین کہا جائے گا اسے چاہئے کہ تو بجائے ہمدردی خاموش رہے۔ یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی، پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۰۹)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قِيْلَ لَهُ اِنَّا نَدْخُلُ عَلٰى سُلْطَانِنَا فَنَقُوْلُ لَهُ بِخِلَافِ مَا نَتَكَلَّمُ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا. (رواہ البخاری)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں کرتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں (اس اختلاف بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انہوں نے فرمایا اس حرکت کو ہم ایک قسم کا نفاق شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے انكم متكلمون كلاما ان كنا لنعده على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم النفاق وفي رواية قال ان كان الرجل ليتكلم بالكلمة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يصير بها منافقا واني لا سمعها من احدكم في اليوم والمجلس عشر مرات. تم آج ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالتے پر آدمی منافقوں میں شمار ہو جاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اسی کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں۔ (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق کی جاری تھی آج وہ زبانوں پر بے تکلف آ رہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تفاوت جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہوگا جبکہ ان کے پاس جانے کی اور خوشامد کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب اس شخص کا جانا کہ ان کی تعریفیں کرتا اور باہر آ کر مذمت کرنا یقیناً بلا ضرورت ہے اور نفاق ہے۔ کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی۔ یعنی یہ دو خصلتیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو۔ لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گذر نہ ہو اور ان کی تعریف کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو بہ دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہوگی وہ نفاق شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے۔ سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ، مسکراہٹ اور کشادہ روئی کے اندر محدود ہے۔ صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے۔ (احیاء ج ۳ ص ۱۱۰)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى هٰذِهِ الْأُمَّةِ كُلَّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَيَعْمَلُ بِالْجَوْرِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں بڑی پُر حکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے منبر پر فرمایا تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو، لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پُر حکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے الذی یصف الایمان ولا یعمل به. بلال بن سعد فرماتے ہیں المنافق یقول ما یعرف ویعمل ما ینکر (جامع العلوم والحکم) یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزلہ الفاظ حضرت عمرؓ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاق عملی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّوْنَ وَالْيَوْمَ يَجْهَرُوْنَ. (رواہ البخاری فی الفتن)

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بے حیاء ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپائے پھرتے تھے آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں)۔ (بخاری شریف)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ. (رواہ البخاری)

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہو گیا۔ اب ہم اسکو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد کہیں گے۔ (بخاری شریف)

نفاق کے شعبے

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گزرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مومن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مومن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مومن کی شان یہی ہونی بھی چاہیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے تکلف نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اور اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آ چکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا

نادر موقع اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہئے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لئے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ. (رواہ الترمذی)

ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم و کم گوئی اور جھجک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بدزبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔ (ترمذی شریف)

منافق کی صفتیں

عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الْخَامَۃِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَیِّئُھَا الرِّیَاحُ تَصْرَعُھَا مَرَّۃً وَتَعْدِلُھَا اُخْرٰی حَتّٰی یَاْتِیَہٗ اَجَلُہٗ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ الْاَرْزَۃِ الْمُجْذِیَۃِ الَّتِیْ لَا یُصِیْبُھَا شَیْءٌ حَتّٰی یَکُوْنَ انْجِعَافُھَا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً. (متفق علیہ)

کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس کچی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں ادھر ادھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دے پٹخا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یونہی رہا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے چیڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں مومن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مومن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مومن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مد مقابل بنا لیتا ہے پھر رحمت اس کی تکمیل کوتاہیوں کی طرح طرح سے مکافات کرتی رہتی ہے اس لئے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتظار کا اہل ہے اس کے لئے استدراج و امہال کا قانون ہے وہ ایک ہاتھی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزا موت پا لیتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَالشَّاۃِ الْعَائِرَۃِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً وَّاِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً. (رواہ مسلم)

ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بہتر کہیں ہو سکتی جو نر کی تلاش میں کبھی ادھر کبھی ادھر پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطہ نظر

صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کیلئے اس سے زیادہ موثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى مِنْ ذُنُوبِهِ وَمَوْعِظَةً لَهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرِضَ ثُمَّ أُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيرِ عَقَلَهُ أَهْلُهُ ثُمَّ أَرْسَلُوهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوهُ وَلِمَ أَرْسَلُوهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْأَسْقَامُ وَاللهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔ (رواه ابوداؤد)

عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ مومن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیدیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لئے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز، خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپ نے فرمایا جا تو ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی۔ باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ شرعی قیودات اور آخرت کا غم مومن کے لئے ایک بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرنے نہیں دیتے۔ منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جبکہ آپ کی مجلس میں مومن و منافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کردی مگر لسان نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (رواه النسائي)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کرکر کے علیحدہ کر لیتی ہیں یہ بھی منافق ہیں۔ (نسائی)

تشریح:۔ جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تو راضی ہوتی ہیں ان کا ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا۔ اگر وہ دل میں رضا مند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں۔ یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلعات و منافقات کا لقب دیدیا گیا ہے۔ مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا

گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِّنْ نِيَّتِهٖ وَكُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى نِيَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ۔ (رواہ الطبرانی)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوشنما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لئے اس کا عمل بے نور رہتا ہے) (طبرانی)

تشریح:۔ حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلحاظ مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے اہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور محدثین کی تحقیق ہیں معتبر علماء نے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات و طاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مرکب ہے۔ عمل جوارح اور نیت یہ دونوں اس کے عمل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا۔ اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے۔ لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عمل جوارح سے بہتر ہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کا جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہار عجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کیلئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا گہرا علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف و صدمہ آ پڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و بے کس کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضاء کا جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہو سکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت تو باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو گئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش اور ریا کی نیت کر لی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل تو معصیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ مومن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۴)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری شریف)

دروغ گوئی

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لئے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کر دے اور ان کو ذرا ہنسا دے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ. (رواہ الترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے آپ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی ہی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دی جاتی۔ (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح:۔ اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہئے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گزرتا۔ اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ. (احمد والترمذی)

خریم بن فاتک بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہو کر فرمایا (آج) جھوٹی شہادت شرک کے برابر کر دی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ. بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد، ترمذی)

تشریح:۔ قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا

کہ شرعی نظر میں ان چیزوں کے درمیان کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بناء پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادت زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ أَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِي هٰذَا عَلٰى يَمِينٍ آثِمَةٍ وَلَوْ عَلٰى سِوَاكٍ أَخْضَرَ إِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواہ مالک و ابو داؤد و ابن ماجہ)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آ کر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک ہرے مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لیا یا اس کے لئے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کو شک ہے) (مالک، ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح:۔ غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی نوعیتیں جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائیگا۔ جھوٹی شہادت زور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اس کے ساتھ نظام عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سبب انسانوں سے شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لئے جا بجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ خُلُقٌ أَبْغَضَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَذِبِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِذْبَةَ فَمَا يَزَالُ فِي نَفْسِهِ عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ بِهَا تَوْبَةً. (رواہ احمد)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے بدتر کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کر لیتا آپ کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے ناخوشی کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

عَنْ صَفْوَانَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْذِبُ امْرَأَتِي قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا خَيْرَ فِي الْكَذِبِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَعِدُهَا وَأَقُولُ لَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ. (رواہ مالک)

صفوان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں، اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کر لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (مالک)

تشریح:۔ زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لئے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکال دے تو خاص اس موقعہ کے لئے اس کو وسعت دی گئی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا. (رواہ الترمذی)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا محل جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لئے وسط جنت میں مکان

بنے گا۔ اور جس نے اپنے اخلاق درست کرلئے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح:۔ جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی بد اخلاقی سے گری ہوئی بات ہے اسی لئے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کرلیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک بدترین جھوٹ ہے دوسروں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو، دھوکا بازی مت کرو۔ باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مومن کی صدق و صفا کی منزل اس کے نطق پر جاکر ختم ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گذر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے۔ کسی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی چھان بین کی جائے۔ اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی نقطہ سے جو عیوب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے باہمی محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت و کرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بناء پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے۔ معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلاوجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیات کا ایک اہم اصول ہے۔ سورۂ حجرات میں آیت ولا تجسسوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ یَرَهُ کُلِّفَ اَنْ یَعْقِدَ بَیْنَ شَعِیْرَتَیْنِ وَلَنْ یَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی حَدِیْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ کَارِهُوْنَ اَوْ یَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنَیْهِ الْاٰنُکُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَکُلِّفَ اَنْ یَنْفُخَ فِیْهَا وَلَیْسَ بِنَافِخٍ۔ (رواہ البخاری)

ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں

(راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (یا لا محالہ اس کو بھی عذاب ہوگا)۔ (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْرَى الْفِرَى اَنْ يُّرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا. (رواہ البخاری)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بدتر بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے)۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق و صفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حالت نوم تک بھی پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹ کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اس کی بھی تکذیب کرتا ہے۔

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صدق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مومن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ ہے وہ مومن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مومن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین.

وعدہ خلافی

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ اَنْ يَّفِيَ لَهُ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

زید بن ارقمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر نہ تو پورا کر سکے اور وقت مقرر پر نہ آسکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ. (رواہ الترمذی)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آجائے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِي الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ اَنْ اٰتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُكَ (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن ابی الحمساءؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات

یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

لڑائی اور جھگڑا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (رواه ابوداؤد)

ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تا آنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَ تَرْفَعُهُ قَالَ اَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ. (رواه الشيخان)

حضرت عائشہؓ مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو سخت قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ. (رواه الدارمي)

زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیز کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

تشریح: منافق کی جتنی خصلتیں ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی سے ملتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ دل کی علتیں جب راسخ ہو جاتی ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور آخر ان کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

نمازوں میں کاہلی اور سستی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ. (رواه مسلم)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہ جاتے تھے، یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آ کر نماز ادا کی جائے جہاں پنج وقتہ اذان دی جاتی ہو۔ (مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ

حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. (رواہ مسلم)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت آ جائے تو اب اٹھے اور (جلدی جلدی) چار چونچیں مار لے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی سا رہ جائے۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر بہ ہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جبکہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے سجدوں کی حقیقت صرف پرندے کے چونچ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لئے اس کے دو سجدے گویا ایک چونچ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولذکر اللہ اکبر فرمایا گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی روح بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتی ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوٰتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَإِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو نمازیں سب نمازوں سے زیادہ بار گذرتی ہیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف، کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ (ابوداؤد نسائی)

تشریح:۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کہ کون کون ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بے ضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ

حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یکجا نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مومن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اور یہاں ان خصائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پہلی حدیثوں کا منشاء یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہو: چاہئے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا بھی نہ رہنا چاہئے جس میں یہ خصائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ تمام خصائل ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو۔

دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری اعمال کو بھی حسین و خوبصورت بنا لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسن باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو شخص کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے تقاضے کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم القسمت ہے اور نفاق کی ایک شاخ اس میں بھی ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں بلکہ ظاہری شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا خوبصورت ہونا بھی اس کا ایک جزء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمانوں ہی کو میسر آ سکتی ہے۔ جو فرقہ صرف اصلاح باطن کے درپے ہے اور صلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگا رہتا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهِ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ (رواہ ابوداؤد)

معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جس نے کسی مسلمان کے سر کوئی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر پار نہ ہو سکے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھنا چاہئے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں میں آیا ہے۔ غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی دو والوجہین ہوتا ہے۔ غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی کا ثمرہ ہے غیبت کے مقاصد بھی وہی ہوتے ہیں جو نفاق کے۔ اس لئے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل غیبت کی عادت سے نفرت دلانے کیلئے سب سے زیادہ موثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لئے سب سے قریب بھی۔

نفاق کے چند اسباب

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (شعب الایمان)

تشریح۔ صرف خوش آوازی سے نہیں مراد سرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ وَنَاءَ عَنِ الطَّرِیْقِ اِلَی الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِیْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ یَا نَافِعُ ھَلْ تَسْمَعُ شَیْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَیْہِ مِنْ اُذُنَیْہِ قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ یَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَکُنْتُ اِذْ ذَاکَ صَغِیْرًا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایک راستہ پر جا رہا تھا کہ انھوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستے سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا)۔ (ابوداؤد)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ۔ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلَاثًا۔ (رواہ الشافعی کما فی المشکوٰۃ)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

نفاق سے علیحدہ ہونا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ الترمذی وقال صحیح وغیرہ)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا ہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ عذاب دوزخ سے اور مرض نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے جس کا تذکرہ آپ کی حرام میں خلوتوں تک میں ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں۔ حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا

ہے صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ با جماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو برائتیں نصیب ہو جاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کر سکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعادتیں لکھی جا چکی ہیں۔

منافق کی تعظیم کرنا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ فَاِنَّہٗ اِنْ یَّکُنْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّکُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر وہ حقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کر لیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یعنی اگر شومئی قسمت سے منافق سردار بن بھی جائے تب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزۃ کی ناراضگی کا موجب ہے یاد رکھئے جس طرح اکرام مومن دین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے خدایا میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک و صاف کر دے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون سی ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

تشریح:۔ قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا ریا، زبان کا دروغگوئی اور آنکھوں کا نظریں چرا کر حرمات کو دیکھنا سبحان اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھا دی۔ جو انسانی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ۔ (رواہ الترمذی)

عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنا دے خدایا میں تجھ سے وہ تمام اچھی اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو

لوگوں کو عطا فرماتا ہے، نیک بی بی، حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لئے آپ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کیلئے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرما دے گویا انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو۔ منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ وہ نفاق عملی یا نفاق کلی سے متصف ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔ (رواہ ابوداؤد و نسائی)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے خدایا میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف، نفاق اور برے اخلاق سے۔

تشریح:۔ شقاق اور بدخلقی نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے۔ اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپ صحابہ کرام کے خوف و خشیت کا حال پڑھ چکے ہیں۔ جو اعمال نفاق آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقعہ پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی برہناء بشریت انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کے معیار دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو در حقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ذات گرامی کو ملاحظہ کیجئے انہوں نے کیسی کیسی سچی باتوں کو بھی اپنی شان رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اٹھائیں گے۔

❀❀❀

كِتَابُ الذِّكْرِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کر کچھ بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

''اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت وسکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ص: ۷۰ جلد ۲)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجے کے طور پر تیسری نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر ''سکینت'' نازل ہوتی ہے، جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے۔ اسی کو اہل سلوک ''جمعیت قلبی'' بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: ''دیکھو آدم ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنھوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں، اس کے باوجود محبت وخشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق وشوق اور کیسے سوز وگداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ أَنَا مَعَ

عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے جو اس کائنات کی ہر اچھی بری چیز کو اور ہر مومن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ سے دور نہیں، اللہ ہر چیز کو محیط ہے، ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے وہ یہی رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اور حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کیلئے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً مل جاتی ہے جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب، اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُقَالُ لَہٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الذّٰکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لئے جا رہے تھے، راستے میں جمدان نامی پہاڑ پر سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ پہاڑ جمدان ہے، مفرّدون سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا: مفرّدون کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں۔ (صحیح مسلم)

تشریح:۔ جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصہ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟" جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا تو وہ کہتا ہے کہ "تجھے بشارت ہو، مبارک ہو!" معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انہوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی کہ مفرّدون یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔

مفرّدون کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور یکا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تبتل ہے (وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا) پس "الذّٰکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتُ" کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہو اور جنہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہ کو اپنا قبلہ مقصود بنا لیا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَةٌ

وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: "ہر چیز کی صفائی کیلئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر موثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز موثر نہیں۔" لوگوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں، وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر موثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں "ذکر اللہ" افضل اور عنداللہ محبوب تر ہے (وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت وخشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) اور حدیث قدسی: "اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ"...... "وَاَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ" (میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہم نشین رہتا ہوں)۔۔۔ اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں) بہرحال قرآن وحدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عنداللہ محبوب تر اور اس کے قرب ورضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ "یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہونے والا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔" پھر انہوں نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ کہ تم دنیا کو چھوڑو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔ بلاشبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے،

اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کیلئے خوشی سے آمادہ ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہوگی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کرلے اور ذکر خدا اس کی روح کی غذا بن جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی بے حسی اور بے نوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ذکر کے کلمات اور ان کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایان شان نہ ہوتا، یا جس سے بجائے حمد و ثناء کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں: یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب و نقص کا شائبہ بھی ہو ("سُبْحَانَ اللّٰهِ") کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اس لئے حمد و ثناء اسی کو سزاوار ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کی یہی خصوصیت ہے یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شان یکتائی کا بیان ہے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ کی یہی خصوصیت ہے یا ان میں اللہ تعالیٰ کی شان بے عدیلی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں عقلی اور قیاسی طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے اللہ اکبر کا یہی مفہوم و مدعا ہے۔ یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔

اس طرح کے کلمات ذکر کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف حاجتوں کے لئے دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائیں۔ ان کے بارے میں ان شاء اللہ آگے مستقل کلام ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے درج ہونے والی حدیثوں میں جن کلمات ذکر کی تلقین فرمائی ہے وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس اور تحمید وتوحید اور اس کی شان کبریائی وصمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَأَنْ أَقُوْلَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ" کہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ثبوتی وسلبی صفات کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کاملین نے لکھا ہے کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ جو اس کی تمام صفات کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً اَلْقُدُّوْسُ، اَلسَّلَامُ، اَلطَّاهِرُ جیسے اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہر عیب ونقص کی نفی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِيْمُ، اَلْكَرِيْمُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلْقَدِيْرُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ، اَلْعَزِيْزُ، اَلْحَكِيْمُ جیسے وہ تمام اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب الحمد للہ کے احاطے میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماء حسنیٰ اس کی وحدانیت ویکتائی اور اس کی شان لاشریکی وبے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ وغیرہ، ان کی پوری ترجمانی کلمہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کرتا ہے۔ علیٰ ہذا اَلْعَلِيُّ، اَلْاَعْلٰى، اَلْكَبِيْرُ، اَلْمُتَعَالِيْ جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم ومدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند وبالا اور وراء الوراء ہے۔ بلاشبہ "اَللهُ أَكْبَرُ" اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور ویقین کے ساتھ کہا "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ" اس نے اللہ کی ساری ثناء وصفت بیان کر دی اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفات کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اس لئے یہ چار کلمے اپنی قدر وقیمت اور عظمت وبرکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا "سُبْحَانَ

اللہ وبحمدہ) اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کا مطلب وہی ہے جو "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا ہے۔ یعنی یہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس جو اس کے شایانِ شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور و عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اس کے ساتھ تمام صفاتِ کمال کا اس کی ذاتِ عالی کے لئے اثبات اور اس کی بناء پر اس کی حمد و ثناء، اس طرح یہ مختصر کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" اس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت کہا جا سکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں مختصر و جامع کلمہ کی یہ خاصیت بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد و حساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش پانی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو "کبیرہ" درجہ کی نہ ہوں، اس سے بڑے درجے کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں "گناہ کبیرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کی معافی کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے، میزان اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ." (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن میزان اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان (ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے۔ وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک، ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرما میٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلمات ذکر کا وزن ہوگا، تلاوت قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا، ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ بعض بہت ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی نہ ہوگی۔ لا يزن مع اسم الله شيء اس کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ." کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد و ستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ

يُسَبِّحُ بِهَا نَوًى أَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهِ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هَذَا أَوْ أَفْضَلُ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ مِثْلَ ذٰلِكَ. (رواہ الترمذی وابو داؤد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہنچے ایک بیوی کے پاس اور ان کے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں (یا کنکریاں تھے) اور ان گٹھلیوں (یا کنکریوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا میں تم کو وہ نہ بتلاؤں جو تمہارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو

سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ . وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ.....

وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ .. وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ.

سبحان اللہ ساری مخلوق کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان کی ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابد الآباد تک پیدا فرمانے والا ہے۔

اور (اللہ اکبر) اسی طرح، اور (الحمد للہ) اسی طرح اور (لا الہ الا اللہ) اسی طرح اور (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) اسی طرح (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرت ذکر ہے اسی طرح ایک آسان تر طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو کثرت تعداد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔

یہاں یہ بات محفوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض حدیثوں میں کثرت ذکر کی ترغیب دی ہے اور قریب ہی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزانہ سو دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہنے والے کو گناہوں کے معاف کئے جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے کثرت ذکر کی نفی یا ناپسندیدگی سمجھنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اس حدیث کا منشاء اور مدعا در اصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور جو کمزور لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذکر اللہ کے لئے زیادہ وقت فارغ نہ کر سکیں وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ "جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرت ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے، اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثواب اخروی حاصل کرنا ہو اس کو ایسے کلمات ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے حدیث میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض

حضرات اس مقصد کے لئے گٹھلیاں یا کنکریوں سے استعمال کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور تسبیح کے دانوں کے ذریعے شمار میں کوئی فرق نہیں، بلکہ تسبیح دراصل اسی کی ترقی یافتہ اور بہتر شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے یا شاید انہوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا رَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ أَوْ أَدْعُوكَ بِهِ فَقَالَ يَا مُوسَى قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هَذَا إِنَّمَا أُرِيدُ شَيْئًا تَخُصُّنِي بِهِ قَالَ يَا مُوسَى لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه البغوي في شرح السنة)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعے میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے موسیٰ! لا إله إلا الله کہا کرو۔" انہوں نے عرض کیا کہ "اے میرے رب یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو کوئی کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا إله إلا الله دوسرے پلڑے میں تو لا إله إلا الله کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بناء پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو لا إله إلا الله بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمے کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمہ لا إله إلا الله کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا۔ اس لئے ان کو بتایا گیا کہ لا إله إلا الله کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہنچا دی ہے۔ بہرحال انبیاء و مرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ "لا إله إلا الله" سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس سے بہ صراحت خود معلوم ہو گیا ہے کہ اس کلمہ پاک کو اپنا ورد بنالیا جائے اور اس کی کثرت کی جائے۔ وفقنا اللہ تعالیٰ۔ [illegible] کا اہتمام کیا جائے۔

"لا حول ولا قوة إلا بالله" کی خاص فضیلت

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلَى فَقَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (رواه مسلم والبخاري)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک دن فرمایا "میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "ہاں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور

جائیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔ اس کلمہ کے "خزانۂ جنت" میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر و ثواب کا خزانہ ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ایسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر و قیمت بتانا ہے، یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے سعی و حرکت اور اس کے کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "گناہ سے بازرہنا اور طاعت کا حوصلہ اللہ کی مدد و توفیق کے بغیر بندہ سے ممکن نہیں۔"

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِيْ وَاسْتَسْلَمَ. رواه البيهقي في الدعوات الكبير

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور خزانۂ جنت میں سے ہے، وہ ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر) میرا تابعدار اور بالکل فرمانبردار ہو گیا۔" (دعوات کبیر بیہقی)

تشریح۔ اس حدیث میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" کو "مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ" کے علاوہ "مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ" بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ جو اس کا نزول عرش الٰہی سے ہوا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ۔ بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ "جس طرح ضرب جلی و خفی اور قلب و نفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان و معرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" خاص اثر کرتا ہے، اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" خاص اثر رکھتا ہے۔"

اسمائے حسنیٰ

حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے "اللہ"، البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عیینہ اور بعض دوسرے اکابر امت سے نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں۔" اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل کی ہے۔ اس کے بعد حافظ موصوفؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر اخذ کئے گئے ہیں، ان کے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے اسماء الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی

اصل شکل میں مذکور ہیں اور ان کی پوری فہرست دی ہے جو ان شاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔ ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دو سو سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اسماءِ حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کیساتھ ان اسماء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یعنی ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔ صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، ان ننانوے ناموں کی تفصیل اور تعیین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ شارحین حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماءِ الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے۔ کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں۔ ایک مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماءِ حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعے اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاریؒ نے "مَنْ أَحْصَاهَا" کی تشریح "مَنْ حَفِظَهَا" سے کی ہے، بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "مَنْ أَحْصَاهَا" کی جگہ "مَنْ حَفِظَهَا" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اس لئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے اس کے ننانوے نام محفوظ کر لے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ الْخَافِضُ، الرَّافِعُ الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ

السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَکَمُ، الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْعَلِیُّ، الْکَبِیْرُ
الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْکَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَکِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ
الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَکِیْلُ الْقَوِیُّ، الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیُ الْمُبْدِئُ، الْمُعِیْدُ
الْمُحْیِیُ، الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ، الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ، الْمُقْتَدِرُ
الْمُقَدِّمُ، الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ، الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ، الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالِیُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ
الرَّءُوْفُ مَالِکُ الْمُلْکِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ، الْمُغْنِی الْمَانِعُ الضَّارُّ،
النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ (رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے۔)
وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں ہے، الرَّحْمٰنُ (بڑی رحمت والا) الرَّحِیْمُ (نہایت مہربان) الْمَلِکُ (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) الْقُدُّوْسُ (نہایت مقدس اور پاک) السَّلَامُ (جس کی ذاتی صفت سلامتی ہے) الْمُؤْمِنُ (امن و امان عطا فرمانے والا) الْمُهَیْمِنُ (پوری نگہبانی فرمانے والا) الْعَزِیْزُ (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے، اور جو سب پر غالب ہے) الْجَبَّارُ (صاحب جبروت ہے، ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے) الْمُتَکَبِّرُ (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) الْخَالِقُ (پیدا فرمانے والا) الْبَارِئُ (ٹھیک بنانے والا) الْمُصَوِّرُ (صورت گری کرنے والا) الْغَفَّارُ (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) الْقَهَّارُ (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں) الْوَهَّابُ (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) الرَّزَّاقُ (سب کو روزی دینے والا) الْفَتَّاحُ (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا) الْعَلِیْمُ (سب کچھ جاننے والا) الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ (تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کر دیتا ہے) الْخَافِضُ، الرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا) الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا) (یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعر ذلت میں گرا دینا اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے) السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا) الْحَکَمُ، الْعَدْلُ (حاکم حقیقی سراپا عدل و انصاف) اللَّطِیْفُ (لطافت اور لطف و کرم جس کی ذاتی صفت ہے) الْخَبِیْرُ (ہر بات سے باخبر) الْحَلِیْمُ (نہایت بردبار) الْعَظِیْمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ و برتر) الْغَفُوْرُ (بہت بخشنے والا) الشَّکُوْرُ (حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزا دینے والا) الْعَلِیُّ، الْکَبِیْرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا) الْحَفِیْظُ (سب کا نگہبان) الْمُقِیْتُ (سب کو سامان حیات فراہم کرنے والا) الْحَسِیْبُ (سب کے لئے کفایت کرنے والا) الْجَلِیْلُ (عظیم القدر) الْکَرِیْمُ (صاحب کرم) الرَّقِیْبُ (نگہدار اور محافظ) الْمُجِیْبُ (قبول فرمانے والا) الْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) الْحَکِیْمُ (سب کام حکمت سے

کرنے والا) اَلْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) اَلْمَجِيْدُ (بزرگی والا) اَلْبَاعِثُ (اٹھانے والا یعنی موت کے بعد مردوں کو جلانے والا) اَلشَّهِيْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) اَلْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) اَلْوَكِيْلُ (کارساز حقیقی) اَلْقَوِيُّ، اَلْمَتِيْنُ (صاحب قوت اور بہت مضبوط) اَلْوَلِيُّ (سرپرست مددگار) اَلْحَمِيْدُ (مستحق حمد و ستائش) اَلْمُحْصِيْ (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِيْدُ (پہلا وجود بخشنے والا، دوبارہ زندگی دینے والا) اَلْمُحْيِيْ، اَلْمُمِيْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) اَلْحَيُّ (زندہ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْقَيُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) اَلْوَاجِدُ (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ (ایک اپنی ذات میں اور یکتا اپنی صفات میں) اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کر دینے والا اور جسے چاہے پیچھے کر دینے والا) اَلْاَوَّلُ، اَلْآخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا۔) اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکارا اور بالکل مخفی) اَلْوَالِيْ (مالک و کارساز) اَلْمُتَعَالِيْ (بہت بلند و بالا) اَلْبَرُّ (بڑا محسن) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) اَلْمُنْتَقِمُ (مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے والا) اَلْعَفُوُّ (بہت معافی دینے والا) اَلرَّؤُوْفُ (بہت مہربان) مَالِكُ الْمُلْكِ (سارے جہاں کا مالک) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانے والا، جس کے جلال سے بندے ہمیشہ خائف رہیں اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھیں) اَلْمُقْسِطُ (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل و منصف) اَلْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا) اَلْغَنِيُّ، اَلْمُغْنِيْ (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کر دینے والا) اَلْمَانِعُ (روک دینے والا، ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے) اَلضَّارُّ، اَلنَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہنچانے والا اور نفع پہنچانے والا) اَلنُّوْرُ (سراپا نور) اَلْهَادِيْ (ہدایت دینے والا) اَلْبَدِيْعُ (بغیر مثال سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا) اَلْبَاقِيْ (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) اَلْوَارِثُ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) اَلرَّشِيْدُ (صاحب رشد و حکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے) اَلصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا) (جامع ترمذی، دعوات کبیر بیہقی)

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں ننانوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے اسی بنا پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی: "إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصاء کیا وہ جنت میں جائے گا) اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کے یا راوی

یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن وحدیث میں وارد شدہ یہ اسماء الٰہیہ ذکر کر دیئے ہیں، محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماء حسنیٰ کی مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے اسماء حسنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس کی لِم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ: "جو صفات کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس ذات پاک سے نفی کی جانی چاہیے وہ ان ننانوے اسماء حسنیٰ میں وہ سب پائی جاتی ہے، اس بنا پر یہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اصل اور صالح نصاب ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے، اور عالم قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماء الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمت الٰہی کے فیضان کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ. (رواه الترمذى والدارمى والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے، میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں، اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت وفضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

قرآن کے فضائل واحکام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صرف دو آدمی قابل رشک ہیں (اور ان پر رشک آنا برحق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال ودولت سے نوازا اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعْجَلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بناؤ، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو دلچسپی سے اور مزے لے لے کر پڑھا کرو، اور اس میں تدبر کرو، امید رکھو کہ تم اس سے فلاح پاؤ گے، اور اس کا عاجل معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب اور معاوضہ (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں، بلکہ انہیں چاہئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں، رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کیا کریں، اس کو اور اس کے پیغام ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں، اس کو مزے لے لے کے پڑھیں، اس کے احکام، اس کی ہدایات، اس کے قصص اور نصائح پر غور و فکر کیا کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری امید ہے۔ اور انہیں چاہئے کہ وہ قرآن کے اس پڑھنے اور پڑھانے اور اس کی خدمت کا معاوضہ دنیا میں نہ چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اپنے وقت پر اس کا بڑا غیر معمولی معاوضہ اور عظیم صلہ ملنے والا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ. (رواه مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔" (صحیح مسلم)

تشریح ۔۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جماعت خواہ وہ کسی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا رہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا، اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے گرا دی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس تکوینی آئین کا آئینہ ہے۔ اس حدیث میں اقواما کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ "الٓمٓ" حَرْفٌ، أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ. (رواه الترمذی والدارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ (مزید وضاحت کے لئے آپ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے

اور میم ایک حرف ہے۔ (اس طرح "الم" پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا) (جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح ...... اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (الانعام ع: ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروف تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اسی حدیث کی تکمیل کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ "ب" ایک حرف ہے "س" ایک حرف ہے "م" ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ "ال م" الگ الگ حروف ہیں۔" اللہ پاک ہمیں اس کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلام پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ فطوبیٰ لہم۔

اس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھ کر ہی ہو۔ کیونکہ "الم" اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے، اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم۔

تلاوت کے ذریعے دلوں کی صفائی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آ جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بےفکر ہو جائے، یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے، اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو ان شاء اللہ قلب کے زنگ کو دور کر کے اس کو نور سے بھر دے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "احسان" کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور اجمالی تعظیم و اجلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن

پاک کی تلاوت کرے اور اس کے جو احکام اور معانی ہیں ان پر غور کرے اور ان سے اثر لینے کی کوشش کرے اور اس کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم سے مرتب تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے "سبحان اللہ" اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو اللہ سے پناہ مانگے۔" الغرض اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے۔ اور جس بندہ کو کسی وجہ سے بھی ایسی تلاوت نصیب ہو گئی یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔ ۱۲)

ماہر قرآن کا مقام

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے قرآن میں مہارت حاصل کر لی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو حفظ یا ناظرہ بہتر طریقے پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو) وہ معزز اور وفادار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت و مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت و مشقت کا)۔ (بخاری و مسلم)

قرآن پاک کی شفاعت و وکالت

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ "قرآن پڑھا کرو وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا۔ (خاص کر) "زہراوین" یعنی اس کی دو نورانی سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لئے اس طرح آئیں گی کہ جیسے کہ وہ ابر کے ٹکڑے ہیں یا سائبان ہیں یا صف باندھے پرندوں کے پرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی۔ (آپ نے فرمایا) پڑھا کرو سورۃ البقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن

اپنے "اصحاب" کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ "اصحاب قرآن" وہ سب لوگ ہیں جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور ربط رکھیں، جس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر و تفکر، اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، یا اس کی تعلیم ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جدوجہد کریں ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہو گا۔ ہاں اخلاص یعنی اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآن پاک کی قرأت و تلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت و قرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہو گا، یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کئے رہیں گی اور ان کی طرف سے وکالت اور جواب دہی کریں گی، اور آخر میں سورۂ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے، اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد "ساحرین" ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا۔

سورۂ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ان الشيطان ينفر من البيت الذي يقرء فيه سورة البقرة. رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ) جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے، شیطان اس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہل بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۂ بقرہ کی برکات حاصل نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کو دروازہ بند کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض سورتوں اور آیات کے فضائل

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پورے قرآن کی فضیلت کے ساتھ خاص طور سے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لِأُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ أَتُحِبُّ أَنْ أُعَلِّمَكَ سُورَةً لَمْ يُنْزَلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلوٰةِ قَالَ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي

الزَّبُورِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُهُ۔ (رواہ ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ: "کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن ہی میں؟" ابی نے عرض کیا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ سورت بتا دیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو؟" ابی نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں اور اس طرح پڑھتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ توریت، انجیل، زبور سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، یہی وہ "سبع من المثانی و القرآن العظیم" ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... قرآن مجید میں سورۂ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے خاص الخاص انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ" (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآن عظیم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ "سبع" من المثانی و القرآن العظیم سورۂ فاتحہ ہی ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پچھلی آسمانی کتاب میں بھی نازل نہیں کی گئی اور قرآن میں بھی اسکے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے۔ اسی لئے اس کو "ام القرآن" بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس کو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ جس بندے کو سورۂ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے۔ چاہئے کہ وہ اس کی قدر و عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

سورۂ بقرہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَسَنَامُ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ آيَةُ الْكُرْسِيِّ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر چیز کی کوئی چوٹی ہوتی ہے (جو سب سے زیادہ اوپر اور بالاتر ہوتی ہے) اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے، اور اس میں ایک آیت (آیت الکرسی) تمام آیات قرآنی کی گویا سردار ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اسلام کے بنیادی اصول وعقائد اور دکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ میں کیا گیا، اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا۔ غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن مجید میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں "سنام القرآن" کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ الْبَقَرَةُ فِيهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ (یعنی جس طرح قبرستانوں میں مُردے تو کر و تلاوت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے قبرستانوں کی فضا ذکر و تلاوت کے انوار و آثار سے خالی رہتی ہے، تم اس طرح اپنے گھروں کو نہ بناؤ بلکہ گھروں کو ذکر و تلاوت سے معمور رکھا کرو) اور جس گھر میں (خاص کر) سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ۔۔۔ بعض سوروں کے اور اسی طرح بعض آیات کے کچھ خواص ہیں۔ اس حدیث میں سورۂ بقرہ کی خاص برکت اور تاثیر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جائے وہ شیطان کے شرارت اور تسلط سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی بعض دوسری فضیلتوں کا بیان اس سے پہلے بھی بعض حدیثوں کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

سورۃ الکہف

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ النُّورُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ. (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے اس کے لئے نور روشن ہوگا دو جمعوں کے درمیان۔ (دعوات الکبیر للبیہقی)

تشریح ۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ "هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه"

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے) سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ "جو ان کو یاد کرے گا اور پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔" اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۂ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو توحیدی مضمون ہے اور اس کے ساتھ اصحاب کہف کا جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہر دجالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے اور جس دل و دماغ کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہو جائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کریں گے اور ان کی تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سورۂ یٰسین

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لئے سورۂ یٰسین پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے لہٰذا یہ مبارک سورت مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ۔ اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یٰسین شریف پڑھنے کے لئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورت پڑھی جائے۔ اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اسی لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مر جانے والے کی قبر پر یہ سورہ پڑھی جائے تا کہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ. (رواه الدارمي مرسلاً)

عطاء بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا۔ (سنن دارمی)

سورۂ واقعہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتِهٖ يَقْرَأْنَ بِهَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے اسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ (ابن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعودؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتی تھیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

الٓمٓ تنزیل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (رواه احمد والترمذي والدارمي)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ "الٓمٓ تَنْزِيْلُ اور تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" نہ پڑھ لیتے۔ (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

سورۃ التکاثر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلَا یَسْتَطِیْعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقْرَءَ اَلْفَ اٰیَۃٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ؟ قَالُوْا وَمَنْ یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَقْرَءَ اَلْفَ اٰیَۃٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ، قَالَ اَمَا یَسْتَطِیْعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقْرَءَ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرے؟" صحابہؓ نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس میں یہ طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھے (یعنی یہ بات ہماری استطاعت سے باہر ہے)" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم میں کوئی اتنا نہیں کر سکتا کہ سورۃ "الھٰکم التکاثر" پڑھ لیا کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح۔ قرآن مجید کی بعض بہت چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو اپنے مضمون اور پیغام کی اہمیت کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں آیتوں کے برابر ہیں۔ انہی میں سے سورۃ التکاثر بھی ہے۔ اس میں دنیا پرستی اور آخرت فراموشی پر سخت ضرب لگائی گئی ہے اور آخرت کے محاسبہ اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر دل بالکل مردہ نہ ہو گیا ہو تو اس میں فکر اور بیداری پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لحاظ سے اس کے پڑھنے کو ہزار آیتیں پڑھنے کے قائم مقام بتایا ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں میں جن دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کو نصف قرآن یا تہائی قرآن یا چوتھائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے ان کے بارے میں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے اور ممکن ہے ان کی تلاوت کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ عطا فرمایا جائے۔ اللہ کا خزانہ ہمارے وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہے۔

سورۂ زلزال، سورۂ کافرون، سورۂ اخلاص

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "اِذَا زُلْزِلَتْ" تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَ"قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَ"قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سورۃ "اذا زلزلت" نصف قرآن کے برابر ہے اور "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے اور "قل یایھا الکفرون" چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔ سورۂ اذا زلزلت" میں قیامت کا بیان اور اس کی منظر کشی نہایت ہی مؤثر انداز میں کی گئی ہے اور اسی طرح اس کی آخری آیت: "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ" میں جزا و سزا کا بیان اختصار کے باوجود ایسے مؤثر طریقہ میں کیا گیا ہے کہ اگر اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی جائے تو اس سے زیادہ مؤثر نہ ہوگی۔ غالباً اس سورت کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس حدیث میں اس کو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ اخلاص (قل

ھو اللہ احد) میں انتہائی اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی تنزیہ، اور اس کی صفاتِ کمال جس معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کو تہائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔ اور "قل یا ایھا الکفرون" میں واشگاف طریقے پر شرک اور اہل شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

شرک سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر کے جس طرح خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے (جو دین کی جڑ بنیاد ہے) اور اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس سورت کو اس حدیث میں چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ. (رواه مالك والترمذي والنسائي)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس کے لئے واجب ہو گئی ہے" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا چیز واجب ہو گئی؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جنت" (موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے تعلیم و تربیت براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی تھی اور جو ہر عمل میں آپ کی تقلید اور پیروی کے حریص تھے، ظاہر ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی اور خاص کر ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کرتے ہوں گے جن میں اللہ کی توحید اور صفات کا بیان نہایت موثر انداز میں کیا گیا ہے تو دوسروں کو بھی صاف محسوس ہوتا ہوگا کہ یہ ان کے دل کا حال ہے اور ان کی زبان پر اللہ بول رہا ہے۔ اس حدیث میں جن صحابیؓ کے (قل ھو اللہ احد) پڑھنے کا ذکر ہے ان کا حال اس وقت یہی ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوا ہوگا کہ یہ پوری ایمانی کیفیت اور ایمانی ذوق کے ساتھ "قل ھو اللہ احد" پڑھ رہے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا کچھ حصہ ہم کم نصیبوں کو بھی نصیب فرمائے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشِهِ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِي ادْخُلْ عَلَى يَمِينِكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذي)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے، پھر وہ (سونے سے پہلے) سو دفعہ سورۂ "قل ھو اللہ احد" پڑھے تو جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: "اے میرے بندے! اپنے داہنے ہاتھ پر جنت میں چلا جا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... "علی یمینک" (اپنے داہنے ہاتھ پر) کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بندہ حساب کے موقف میں جہاں ہوگا وہاں سے جنت اس کے داہنی جانب ہوگی اور اس سے فرمایا جائے گا کہ: "اپنے داہنے رخ پر چل کر جنت میں چلا جا" دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود جنت کا جو داہنی جانب کا حصہ ہوگا وہ بائیں جانب کے حصہ سے افضل ہوگا، اور اس بندے سے فرمایا جائے گا کہ: "تو داہنی جانب والی جنت میں چلا جا" بلاشبہ بڑا سستا ہے یہ سودا کہ سونے سے پہلے صرف سو دفعہ

قل ھو اللہ شریف پڑھنے پر یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اللہ کے بعض بندوں کو دیکھا ہے کہ ان کا رات کو سونے سے پہلے کا روزمرہ کا معمول اس سے بہت زیادہ ہے۔

معوذتین

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. (رواہ مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ ان کی مثل نہ کبھی دیکھی گئیں نہ سنی گئیں) ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس''۔ (صحیح مسلم)

تشریح یہ دونوں سورتیں اس وجہ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اول سے آخر تک تعوذ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے، گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ حصن حصین ہیں۔ اور دونوں مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث میں جس طرح خاص خاص سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص آیات کی فضیلت اور ان کا امتیاز بھی بیان فرمایا گیا ہے اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

آیۃ الکرسی

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ "اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" قَالَ فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کی کنیت ابو المنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: ''اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مکرر) فرمایا: ''اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟'' میں نے عرض کیا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا: ''اے ابو المنذر! تجھے یہ علم مبارک ہو۔'' (صحیح مسلم)

تشریح۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں ابی بن کعب نے پہلے عرض کیا: ''اللہ ورسولہ اعلم''

(اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو ابی بن کعب نے اپنے علم و فہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" یعنی آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غالباً اس لئے ٹھونکا کہ قلب (جو کہ علم و معرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور صفات کمال اور اس کی شان عالی کی عظمت و رفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد و بے مثال ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیات

عَنْ اَيْفَعَ بْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَاُمَّتَكَ؟ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ. (رواہ الدارمی)

ایفع بن عبد الکلاعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قل ھو اللہ احد" اس نے عرض کیا: "اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آیۃ الکرسی اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" اس نے عرض کیا: "اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو پہنچیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورہ تک) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان خاص اعلیٰ خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ (مسند دارمی)

تشریح ... قل ھو اللہ احد اور آیۃ الکرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے بلاشبہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے خاص اعلیٰ خزائن رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" سے "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے اس کے بعد "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" میں اسلام اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لیا گیا ہے۔ اس کے بعد "غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" میں ان کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہد اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور

اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا جاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے بعد "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" سے آخر سورت تک نہایت جامع دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمت الٰہی کا خزانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

لغت قریش ہی میں قرآن سات طریقے سے نازل ہوا

إِنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَوْمًا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ أُذَكِّرُ اللّٰهَ رَجُلًا سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ لَمَّا قَامَ فَقَامُوْا حَتّٰى لَمْ يُحْصَوْا فَشَهِدُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنَا أَشْهَدُ مَعَهُمْ۔ (مسند ابو یعلی)

ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کہ وہ منبر پر تھے کہا میں اس شخص کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا اور وہ تمام حروف کافی و شافی ہیں کہ وہ کھڑا ہو جائے تو بے شمار لوگ کھڑے ہو گئے اور ان سب نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اور وہ سب حروف کافی و شافی ہیں تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتّٰى سَلَّمَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ أَوْ بِرِدَائِيْ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ فَقَالَ أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ فَوَاللّٰهِ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَقْرَأَنِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُكَ تَقْرَؤُهَا فَانْطَلَقْتُ أَقُوْدُهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُوْرَةِ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوْفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيْهَا وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِيْ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ۔ اِقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَؤُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم هٰكَذَا أُنْزِلَتْ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سورت فرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قرأت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن میں نے

استغفار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا: اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم! یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ان کو سورت فرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے مجھے سورہ فرقان پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام! تم پڑھو تو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم (ان حروف میں سے) جو چاہو پڑھو۔

نازل شدہ سات حروف سے مراد

ان سے مراد قرأت کی سات نوعیتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسماء کا اختلاف جس میں افراد، تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے۔ مثلاً "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" اور "تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ" "کلمۃ" واحد ہے اور "کلمات" جمع ہے۔

۲۔ افعال کا اختلاف یعنی ماضی، مضارع اور امر کا اختلاف مثلاً "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا" بھی ہے اور "رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ أَسْفَارِنَا" بھی ہے۔ باعد امر ہے جب کہ بعّد فعل ماضی ہے۔

۳۔ اعراب یعنی حرکتوں کا اختلاف مثلاً "لَا يُضَارُّ" (راء کی تشدید پیش کے ساتھ) "كَاتِبٌ" اور "لَا يُضَارَّ" (راء کے زبر کے ساتھ) "كَاتِبٌ"

۴۔ الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف مثلاً "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى" بھی ہے یعنی "مَا خَلَقَ" کے الفاظ کے ساتھ اور "وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى" بھی ہے یعنی "مَا خَلَقَ" کے الفاظ کے بغیر۔

۵۔ الفاظ کے مقدم و مؤخر ہونے کا اختلاف مثلاً "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" بھی ہے اور "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" بھی ہے۔

۶۔ لفظ بدل کر ہو مثلاً "نُنْشِزُهَا" بھی ہے اور "نَنْشُرُهَا" بھی ہے۔

۷۔ لہجوں کا اختلاف جس میں تفخیم و ترقیق (یعنی حرف کو موٹا یا باریک پڑھنا) اور مد و قصر (حرف کو لمبا کرنا یا نہ کرنا) اور اظہار و ادغام اور امالہ سب شامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ بھی ہے اور موسے بھی ہے۔

ان سات قسم کے اختلافات میں چونکہ کوئی خاص ترتیب واجب نہیں تھی اس لیے خیر القرون میں آئمہ قرأت نے شرائط کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی ترتیب دی مثلاً کسی نے تین اختلاف کی ایک صورت کو لیا کسی نے دوسری کو۔ اسی طرح اختلاف کی باقی ترتیبوں میں کسی نے کوئی صورت لی کسی نے کوئی۔ اس طرح سے پڑھنے یعنی قرأت کرنے کی بہت سی ترتیبیں بنتی گئیں۔ ان میں سے دس اب تک تواتر سے موجود ہیں جن میں سے سات زیادہ مشہور ہیں اور یہ سبعہ قرأت اور عشرہ قرأت کہلاتی ہیں۔

نازل شدہ سات حروف کے چند فوائد

اس امت کے لیے خصوصاً اہل عرب کے لیے سہولت و آسانی جو خاص طور سے لہجوں میں نمایاں ہے۔

۲۔ حکم کا بیان

قرآن پاک میں ہے: "وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ" اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں ہے: "وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنْ أُمٍّ" اس قرأت میں "مِن أُمٍّ" کے زائد ہونے سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ حکم میں بھائی بہنوں سے ماں شریک بھائی بہن مراد ہیں۔

۳۔ دو مختلف حکموں کو جمع کرنا

مثلاً قرآن پاک میں ہے: "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ" ایک قرأت میں طاء کے سکون کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں طاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ مشدد کا صیغہ عورتوں کے فعل سے طہارت میں مبالغہ کا معنی دیتا ہے جس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ قربت سے پہلے ایک تو عورت حیض سے پاک ہو جائے، دوسرے وہ غسل بھی کرے۔

۴۔ دو مختلف حالتوں میں دو مختلف شرعی حکموں پر دلالت

قرآن پاک میں ہے: "فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ" اس آیت میں ارجلکم کے لام پر ایک قرأت میں نصب ہے اور دوسری قرأت میں جر ہے۔

نصب کی صورت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے جس وقت پاؤں ننگے ہوں اور جر کی صورت میں مسح کرنے کا حکم ہے جب کہ پاؤں پر چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حکموں کو اسی طرح بتایا ہے۔

۵۔ جو مراد نہ ہو اس کے وہم کا دفعیہ

آیت ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ" اور دوسری قرأت میں ہے: "فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ"

"فَاسْعَوْا" سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ تیز تیز چلنے کا حکم ہے حالانکہ وہ مراد نہیں ہے۔ اس وہم کا دفعیہ "فَامْضُوا" کے لفظ سے ہو گیا کیونکہ اس کے معنی میں تیزی اور سرعت شامل نہیں ہے۔

۶۔ کسی لفظ کا بیان

"وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ" اور ایک اور قرأت میں ہے: "كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ" دوسری قرأت سے معلوم ہوا کہ عھن سے مراد صوف (اون) ہے۔

۷۔ کسی عقیدے کی وضاحت

جنت کے بارے میں آیت ہے: "وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا"

ایک قرأت میں ملکاً کی میم کا ضمہ اور لام کا سکون ہے جب کہ دوسری قرأت میں میم کا فتحہ اور لام کا کسرہ ہے۔ دوسری قرأت سے جنت میں مؤمنین کیلئے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہوا کیونکہ الفاظ یہ ہیں: "مَلِكًا كَبِيرًا" یعنی تم جنت میں بڑے بادشاہ کو دیکھو گے۔

اللہ کا ذکر

(۱) مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (بخاری)

(۲) مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللَّهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذْكَرُ اللَّهُ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (مسلم)

(۱) اس شخص کی کیفیت و حالت جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہو اور اس شخص کی کیفیت و حالت جو اپنے پروردگار کا ذکر نہ کرتا ہو ایسی ہے جیسے زندہ آدمی ہو اور مردہ آدمی ہو۔ (۲) اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہو اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو ایسی ہے جیسے ایک زندہ ہو اور دوسرا مردہ ہو۔

تشریح: زیر درست حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کی حالت و کیفیت زندہ انسان جیسی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو اس کی حالت و کیفیت مردہ انسان جیسی ہے۔

ان احادیث بالا کی وضاحت یوں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی ہوتا ہے۔ تو ذکر کی وجہ سے اس کی زندگی کا ثبوت ہمیں مل جاتا ہے۔ چونکہ علم و ادراک اور کسی بات کو سمجھنا اور پھر اسے محفوظ کر لینا دل سے متعلق ہے۔ اور کسی بات کو بیان کرنا، مافی الضمیر کو ادا کرنا دل کی بات کو ظاہر کر دینا یہ سارے کام زبان سے متعلق ہیں تو جب کوئی ذکر کرتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا دل بھی زندہ ہے اور اس کی زبان میں بھی جان ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ زندہ ہے۔

دوسری ظاہری وجہ یہ ہے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اشرف مخلوق انسان کے لئے یہ پوری کائنات پیدا فرمائی ہے کہ انسان کی ضروریات زندگی اس سے فراہم ہوں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس نے انسان کی غرض تخلیق یہ بتائی کہ خود انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی و غلامی کریں۔

اور اللہ تعالیٰ کی یہ بندگی و غلامی اگرچہ سرانجام تو اسی طرح پاتی ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور اس کے محرمات و ممنوعات سے پرہیز و گریز کیا جائے، اور اس سب کا مدار مختصر لفظوں میں اسی ذکر و شکر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر دل میں رچ بس جائے گا تو مومن کامل الایمان، کامل الاعمال بھی ہو جائے گا۔

دوسری حدیث شریف جو مسلم شریف کے حوالے سے نقل کی گئی ہے وہ بھی پہلی حدیث بخاری جیسی ہے فرق صرف یہ ہے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ذکر اللہ سے غافل انسان اور ذکر اللہ میں مشغول انسان کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ذکر اللہ سے غافل مکان اور ذکر اللہ سے معمور مکان کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ ذکر اللہ سے معمور مکان آباد و زندہ ہے اور ذکر اللہ سے غافل مکان ویران اور مردہ ہے۔

دعا کی عظمت اور اس کے احکام

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سرافگندگی، عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اس کے در کی فقیری و گدائی۔ اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقام عبدیت ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں، اور اسی لئے افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتلایا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" اس لئے سب سے افضل و اشرف انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "عبد" ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اسراء میں فرمایا گیا ہے: "سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ النجم میں فرمایا گیا: "فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى" اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآن حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا: "تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ" اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ."

ان میں سے کچھ دعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی اور لاچاری اور اس

مالک الملک کی قدرت کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا آپ کے لئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سینکڑوں دعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر غور کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دعا معرفت الٰہی کا شاہکار اور آپ کے کمال روحانی و شعور آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثورہ دعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ. (رواہ احمد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دعا عین عبادت ہے" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ الخ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے ان کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (احمد)

تشریح ..... اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دعا عین عبادت ہے" غالباً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے جو اگر قبول ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا، اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا عین عبادت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْاَلَ الْعَافِيَةَ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دعا کریں، یعنی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمال عبدیت ہے، اسی لئے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔

دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہو گئی اور اللہ سے مانگنا

آ گیا اس کے لئے رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے۔ جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا جامہ یا قالب کہا جا سکتا ہے۔ دعا کی حقیقت زبان کے نہیں دل اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے اور حدیث پاک میں اسی کیفیت کے نصیب ہونے کو دعا کا دروازہ کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. (رواه الترمذي)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔" (جامع ترمذی)

تشریح۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو۔ ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑ جاتے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے والے پر اسے پیار آتا ہے۔ لک الحمد یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین!

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ. (رواه الترمذي واحمد عن معاذ بن جبل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دعا کام آتی ہے اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو! دعا کا اہتمام کرو۔" (جامع ترمذی)

(اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبداللہ بن عمر کے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، ان شاء اللہ نفع ہوگا۔ اور جو بلا و مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، ان شاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يُنْجِيكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيُدِرُّ لَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ تَدْعُونَ اللّٰهَ فِي لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَإِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه ابو يعلى في مسنده)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے، وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دعا مومن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔" (مسند ابو یعلیٰ موصلی)

تشریح... دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، وہ اپنے در کے سائلوں اور مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا

فرمائے گا اس کے در کے سوا اس کو کہیں سے کچھ نہیں مل سکتا۔ اس یقین اور اپنی محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دعا کی روح ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملے سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعت رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام و خاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور مضبوط قلعہ ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي إِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: "اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے" بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔۔ مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے۔ اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغناء کا شائبہ ہے اور یہ مقام عبدیت اور دعا کے منافی ہے، نیز ایسی دعا گویا جاندار دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ: "میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔" بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ. (رواہ الترمذی)

جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دعا زیادہ کیا کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔ یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے وہ اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کی دعا قدرتی طور پر جاندار ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ

پریشانیوں اور تکلیفوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو ان کی دعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ پیش ہے، اور وہ مالک کل اور قادر مطلق ہے، چاہے تو ہی دعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلدی پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہوکر دعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیت دعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَالَمْ يَعْجَلْ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِيْ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور لگا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا جو وہ بڑے اخلاص اور اضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دعا جلدی قبول کرلی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم ہو جائیں۔

انسان بے صبرا اور جلد گھبرا جانے والا ہے اور اس کا علم بھی بہت محدود و ناقص ہے اس لئے بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اس کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا تَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلَا تَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَابُدَّ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ. (رواہ النسائی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو اور کوئی آدمی ایسی دعا کے لئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کیلئے وبال ہو) تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے: "اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھا لے۔" (سنن نسائی)

تشریح... اس حدیث میں موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آکر زبان پر آجاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں: "لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ" الحدیث (تم میں سے کوئی کسی پیش آنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے)۔

اس صورت میں موت کی تمنا اور دعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کے لئے توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے گناہ معاف کرنے کا اور حسنات اور عبادات کے ذریعہ اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دعا اس کے دروازے کو بند کرنے کی دعا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاء الٰہی کے غلبہ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: "(ا)فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ" (اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں، مجھے اٹھا لے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں، اور مجھے ملحق کر دے اپنے اچھے نیک بندوں کے۔ ۱۲) اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی" (اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں) اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دعا مانگنا

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجاب للعبد ما لم يدع بالاثم او قطيعة رحم ما لم يستعجل قيل يا رسول الله ما الاستعجال قال يقول قد دعوت وقد دعوت فلم ار يستجاب لي فيستحسر عند ذلك ويدع الدعاء (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچاوے کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا سو دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

یعنی جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب اللہ تعالیٰ سے مانگا کرے۔ لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اس میں سب باتیں آگئیں، جیسے کوئی کھیتی کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا۔ یا کوئی دشمن ستاوے خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا ہو ہے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کر دے یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھو دے یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہیے، جیسے مضبوط مکان میں صندوق یا قفل لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا اور دیکھ بھال رکھنا، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ۔ یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہیے وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیے مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا۔ یا قرآن اور علم دین حاصل کر رہے تو اس میں جی لگا کر پابندی سے

محنت بھی کرنا چاہیے مگر اس کے ساتھ دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو آسان کر دے اور میرے ذہن میں اس کو بٹھا دے۔ یا مثلاً روزہ وغیرہ شروع کیا ہے یا بزرگوں کے بتلانے سے اوراد و وظائف میں لگ گیا اور سستی اور نفس کے حیلے بہانے کا مقابلہ کر کے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہیے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھ کو اس کی ہمیشہ توفیق دے اور اس کو قبول فرما۔ یہ نمونے کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں۔ ہر کام اور ہر مصیبت میں کسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیماری کا علاج بیماری سے اچھا ہو جانا یا نفس و شیطان کا نہ بہکانا۔ یا وبا اور ظالموں سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا۔ ان کاموں کا بنانے والا تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی ہے ہی نہیں۔ اس لیے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دعا ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔ غرض تدبیر کے کاموں میں تو آدھی تدبیر اور آدھی دعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دعا ہی ہے۔

تو اس میں زیادہ دعا ہی ہوئی اور دعا کا مطلب یہ نہیں کہ جو رٹا ہوا ہو تو یاد کر لیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے رٹے ہوئے کی طرح پڑھ دیا۔ سو یہ دعا نہیں ہے بلکہ دعا کی نقل ہے۔ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے۔ سو جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دعا اسی طرح تو کرنا چاہیے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں، دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے، صورت بھی عاجزوں کی سی بنائے ہیں، اگر زبانی بھی عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرضی منظور ہونے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں اور حاکم کو یقین دلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری امید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جاوے گی، پھر بھی عرضی کے موافق حکم نہ ہوا اور حاکم عرضی دینے والے کے سامنے افسوس ظاہر کرے کہ تمہاری مرضی کے موافق تمہارا کام نہ ہوا تو یہ شخص فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ جناب مجھ کو کوئی رنج یا شکایت نہیں، اس معاملہ میں قانون ہی سے جان ڈھیلی یا میری پیروی میں کمی ہو گئی تھی جناب نے کچھ کمی نہیں فرمائی اور اگر اس حادثہ کی آئندہ بھی ضرورت ہوئی تو کہتا ہے کہ مجھ کو ناامیدی نہیں پھر عرض کرتا رہوں گا اور اصلی بات تو یہ ہے کہ مجھ کو جناب کی مہربانی کام ہونے سے زیادہ پیاری چیز ہے، کام تو تھوڑے وقت یا محدود وقت کی چیز ہے جناب کی مہربانی تو عمر بھر کی اور غیر محدود بڑی دولت اور نعمت ہے۔

تو اے مسلمانو! دل میں سوچو کیا تم دعا مانگنے کے وقت اور دعا مانگنے کے بعد جب اس کا کوئی ظہور نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہو۔ سوچو اور شرماؤ۔ جب یہ برتاؤ نہیں کرتے تو اپنی دعا کو دعا یعنی درخواست کس منہ سے کہتے ہو۔ واقع میں کمی تمہاری ہی طرف سے ہے جس سے وہ دعا درخواست نہ رہی اور اس طرف سے تو اتنی رعایت ہے کہ درخواست دینے کا وقت بھی معین نہیں فرمایا۔ جس وقت جب چاہو عرض معروض کر لو۔ نمازوں کے بعد کا وقت بھی تم ہی نے ٹھہرا رکھا ہے۔ البتہ وہ وقت دوسرے وقتوں سے زیادہ برکت کا ہے۔ سو اس وقت زیادہ دعا کر لو لیکن اور وقتوں میں بھی اس کا سلسلہ جاری رکھو۔ جس وقت جو حاجت یاد آوے فوراً دل سے یا زبان سے بھی مانگنا شروع کر دو۔ جب دعا کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اس حقیقت کے موافق دعا مانگو پھر دیکھو کیسی برکت ہوتی ہے اور برکت کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو گے وہی مل جاوے گا، کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے جیسے کوئی آخرت کی چیز مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے

بھلائی ہی بھلائی ہے۔ البتہ اس میں ایمان اور اطاعت شرط ہے کیونکہ وہاں کی چیزیں تو اُسی شخص کو مل سکتی ہیں اور بعض وہ چیز مانگی ہوئی نہیں ملتی جیسے دنیا کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے کبھی بھلائی ہے کبھی برائی۔ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ہوتی ہے اس کو مل جاتی ہے اور جب برائی ہوتی ہے تو نہیں ملتی۔ جیسے باپ بچہ کو پیسہ مانگنے پر کبھی دے دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا جب وہ دیکھتا ہے کہ اس سے یہ ایسی چیز خرید کر کھاوے گا جس سے حکیم نے منع کر رکھا ہے۔ تو برکت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مانگی ہوئی چیز مل جاوے۔ بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ دُعا کرنے سے حق تعالیٰ کی توجہ بندہ کی طرف ہو جاتی ہے اگر وہ چیز بھی کسی مصلحت سے نہ ملے تو دُعا کی برکت سے بندہ کے دل میں تسلی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اور پریشانی اور کمزوری جاتی رہتی ہے علاوہ یہ اثر حق تعالیٰ کی اس خاص توجہ کا ہوتا ہے جو دُعا کرنے سے بندہ کی طرف حق تعالیٰ کو ہو جاتی ہے اور یہی توجہ خاص اجابت کا وہ حقیقی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے والے کے لیے ہوا ہے اور اس حاجت کا عطا فرما دینا اجابت کا دوسرا درجہ ہے۔

(جیسے کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج شروع کر دینا ہے وہ مسہل نہ دے اور دوسری منظوری مسہل دینا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے ۱۲)

جس کا وعدہ بلا شرط نہیں بلکہ اس شرط سے ہے کہ بندہ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور یہی توجہ خاص ہے۔ جس کے سامنے بڑی سے بڑی حاجت اور دولت کوئی چیز نہیں اور یہی توجہ خاص بندہ کی اصل پونجی ہے جس سے دنیا میں بھی اُس کو حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی غیر محدود اور ابدی نعمت اور عنایت نصیب ہوگی۔ تو دُعا میں اس برکت کے ہوتے ہوئے دُعا کرنے والے کو خسارہ اور محرومی کا اندیشہ کرنے کی کب گنجائش ہے؟

قبولیت دعا کی شرائط

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستجاب للعبد مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم مالم یستعجل قیل یا رسول اللہ ما الاستعجال قال یقول قد دعوت وقد دعوت فلم ار یستجاب لی فیستحسر عند ذلک ویدع الدعاء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دُعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دُعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی مچانے کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا سو دُعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

تشریح: اس میں تنبیہ ہے اس بات کی کہ گو قبول نہ ہو مگر برابر کیے جائے اس کے متعلق اوپر بیان آچکا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز قدر کی نہیں۔ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا (ہر چیز سے) کام دیتی ہے اس کی

(بلا) سے بھی جو کہ نازل ہو چکی ہو اور ایسی (بلا) سے بھی جو کہ ابھی نازل نہیں ہوئی۔ سو اے بندگانِ خدا دعا کو پلے باندھو۔ (ترمذی، احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غصہ کرتا ہے۔ (ترمذی)

فائدہ: البتہ جس کو اس کی دھن اور دھیان سے فرصت نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفلت سے بھرے دل سے دعا قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی)

فائدہ: تو دعا خوب توجہ سے کرنا چاہیے اور اجابت کے دو درجے اوپر بیان کیے ہیں۔ وہی قبولیت کے بھی ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک درجہ اس کا عام ہے جو اگلی حدیث میں آتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں جو کوئی دعا کرے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس دعا کے سبب اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے۔ یا تو فی الحال وہی مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے اور یا اس کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے اور یا کوئی ایسی ہی برائی اس سے ہٹا دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اس حالت میں تو ہم خوب کثرت سے دعا کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بھی زیادہ عطا کی کثرت ہے۔ (احمد)

فائدہ: خلاصہ یہ کہ کوئی دعا خالی نہیں جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے سب حاجتیں مانگنا چاہئیں (اور ایک روایت میں ہے کہ) یہاں تک کہ اس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے وہ بھی اسی سے مانگے۔ (ترمذی)

فائدہ: یعنی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی حقیر چیز اتنے بڑے سے کیا مانگے، ان کے نزدیک تو بڑی چیز بھی چھوٹی ہی ہے۔

دعا کے چند آداب

دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کیلئے دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کے لئے۔ اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے تو اس کی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف "سفارشی" کی سی ہوگی اور یہ بات دربار الٰہی کے کسی منگتا کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے کیلئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیت کاملہ کا تقاضا یہی تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کر مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو، ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو، اور جب دعا کر چکو تو اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ۔ دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آنے والی اور نازل ہونے والی کسی بلا کو ٹلوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر لئے جائیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ وَقَالَ اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا. (رواه ابوداؤد والترمذى)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: "ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرما دی اور ارشاد فرمایا: "بھیا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل رکھنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھیا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دیدی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کے لئے یا ایسے مقدس مقام کو جا رہے ہوں جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "اُخَیَّ" کے لفظ سے خطاب فرمایا جو "اخی" کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ "بھیا" ہے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جتنی خوشی ہوئی (جس کا انہوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی رفعت اور بارگاہ الٰہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ، لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا۔ دوسرے مسافر اور پردیسی کی دعا۔ تیسرے مظلوم کی دعا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ان دعاؤں کی قبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کے لئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے اسی طرح بے چارے پردیسی اور مظلوم کی دل شکستہ دعا ہے اور ان کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْفُلَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے۔ اور حج کرنے والے کی دعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہ خدا میں جہاد کرنیوالے کی دعا جب تک وہ شہید ہو کے دنیا سے ناپید نہ ہو جائے، اور بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح..... دعا اگر حقیقۃً دعا ہو اور خود دعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دعا عموماً قبول ہی ہوتی ہے لیکن بندہ مومن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمت الٰہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دعا اور غائبانہ دعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مرد مومن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قرب الٰہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اور بیماری کے بستر پر وہ ان مقامات کی منزلیں طے کرتا ہے اس لئے اس کی دعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیت دُعا کے خاص اوقات

دعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" اور "ابتہال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان احوال و اوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم مَنْ صَلّٰى فَرِيْضَةً فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ. (رواه الطبرانى فى الكبير)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہم

کلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندۂ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمت الٰہی خود آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔" (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدان جہاد میں جنگ کے وقت، باران رحمت کے نزول کے وقت، جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدان جہاد میں، جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصہ میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں شب قدر میں اور عرفہ کے دن میدان عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفر حج اور سفر جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دعا کا مطلب دعا کے الفاظ اور صرف اس کی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، یعنی اس دل سے مانگنا ہے جس میں فقر ہو۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے۔

قبولیت دعا کی صورتیں

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتمندی نعمت ہے۔ اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قرب خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومت و اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے۔ اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکم کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرما دے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا، کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے جو اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کیلئے ذخیرۂ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ

تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہرحال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورۂ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدَى ثَلٰثٍ إِمَّا أَنْ يُعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا إِذًا نُكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ أَكْثَرُ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ احمد)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

يَا لَيْتَهُ لَمْ يُعَجَّلْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ دُعَائِهِ (کنز العمال: ص ۷ جلد ۲)

اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائیں

دعا سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک مذکور ہوئیں ان میں یا تو دعا کی ترغیب اور اس کی عظمت و برکات کا بیان تھا یا دعا کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات اور موجبات قبولیت بیان فرمائے گئے تھے۔ یہ سب مضامین گویا تمہیدی تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ اصل دعائیں اور سوز و گداز سے بھری ہوئی بارگاہ خداوندی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مناجاتیں پڑھئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام معرفت اور قلبی کیفیات و واردات کو ممکن حد تک جاننے کا بہترین وسیلہ اور امت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم ترین ورثہ ہیں اور جن کو پورے ذخیرۂ حدیث کا بجا طور پر گل سرسبد کہا جا سکتا ہے۔

نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعاؤں کے اس پورے ذخیرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک وہ جن کا تعلق خاص اوقات اور مخصوص حالات سے ہے مثلاً صبح صادق ہونے کے وقت کی دعا، شام کے وقت کی، سونے کے

وقت کی دعا، نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا، آندھی یا بارش کے وقت کی دعا، کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت کی دعا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری وہ دعائیں جو عام نوعیت کی ہیں، کسی خاص وقت یا مخصوص حالات سے ان کا تعلق نہیں۔ یہ دعائیں اکثر جامع قسم کی ہیں۔

تیسری قسم کی دعائیں وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں یا نماز سے فارغ ہو کر یعنی سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا کرتے تھے۔ یہاں پہلے یہی تیسری قسم کی نماز والی دعائیں درج کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم ترین اور بیش بہا ورثہ کی شایانِ شان قدر دانی اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کی بعض افتتاحی دُعائیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ "إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ." (رواه النسائي)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں سب سے پہلے اس کی فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ اے میرے اللہ! مجھے بہترین اعمال و اخلاق کی ہدایت فرما، یہ ہدایت صرف تجھ ہی سے مل سکتی ہے، اور برے اعمال و اخلاق سے مجھے بچا اور میری حفاظت فرما، یہ حفاظت بھی تو ہی فرما سکتا ہے۔" (سنن نسائی)

تشریح ... اس دعا میں شروع میں تو جیسا کہ چاہئے توحید کی شہادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی و نیاز مندی اور مخلصانہ عبودیت و وفاداری کا اقرار و اظہار ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال و اخلاق کی ہدایت و توفیق اور برے اعمال و اخلاق سے حفاظت اور بچاؤ کی التجا اور استدعا کی گئی ہے اور دراصل اسی ہدایت اور حفاظت پر انسان کی سعادت و فلاح کا دار و مدار ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا بھی کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ الخ" (اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اور گناہ کے ہر کام سے اور قرضہ کے بار سے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ متصلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد عذابِ دوزخ، عذابِ قبر،

فتنۂ دجال اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ صَلّٰى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِالْقَوْمِ صَلٰوةً أَخَفَّهَا فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوْهَا فَقَالَ أَلَمْ أُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ أَمَا إِنِّيْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَدْعُوْ بِهِ، اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِيْ، اَللّٰهُمَّ أَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَأَسْئَلُكَ كَلِمَةَ الْإِخْلَاصِ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَأَسْئَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَأَسْئَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَأَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَأَسْئَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْئَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَسْئَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ۔ (رواه النسائى)

قیس بن عباد (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ چہ میگوئیاں کیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کیے؟" لوگوں نے کہا: "یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھی۔" حضرت عمارؓ نے فرمایا: "میں نے تو رکوع و سجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے): "اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ الخ" (اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے اور تجھے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو اپنے اس علم غیب اور اس قدرت مطلقہ سے مجھے اس وقت تک دنیا میں رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے باعث خیر ہو اور مجھے اس وقت دنیا سے اٹھا لے جب اٹھایا جانا میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف اور تیری خشیت خلوت میں اور جلوت میں، اور مانگتا ہوں تجھ سے بے لاگ اور خدا لگتی مخلصانہ بات کرنے کی توفیق رضامندی کی حالت میں اور سخت ناراضی کی حالت میں (یعنی مجھے توفیق دے کہ کسی کی رضامندی یا ناراضی کی وجہ سے حق و انصاف کے خلاف کوئی بات نہ کہوں) اور اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں میانہ روی تنگدستی میں اور خوشحالی میں، اور میں سائل ہوں رضا بالقضا کی صفت کا، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے آخرت کے جاودانی عیش و آرام کا اور آنکھوں کی اس ٹھنڈک کا جو کبھی منقطع نہ ہو اور تجھ سے، مانگتا ہوں مرنے کے بعد ٹھنڈی اور چین و سکون کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا اشتیاق، بغیر اسکے کہ کوئی ضرر رساں کیفیت پیدا ہو، اور بغیر اسکے کہ کسی گمراہ کن فتنہ میں ابتلا ہو۔ اے میرے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور دوسروں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔ (سنن نسائی)

تشریح۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعائیں نماز میں کس موقع پر کرتے تھے لیکن دوسری حدیثوں کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے

کہ آپ یہ دعا نماز کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کرتے تھے نماز میں اس قسم کی دعاؤں کا خاص موقع وہی ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ. اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَاَهْلِي فِي كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ الخ" (اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی مالک اور پروردگار ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سارے بندے (بندگی کے رشتے سے) بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت کی ایک ایک ساعت کے لئے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنا لے۔ اے ذوالجلال والاکرام! میری التجا سن لے، میری دعا قبول فرما لے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سارا جہان اسی کے نور سے قائم ہے اور منور ہے) اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے۔ میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا میرا سہارا اور بھروسہ ہے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے) (سنن ابی داؤد)

تشریح۔۔ دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی چیز طلب کی جائے یا کسی شر اور بلا سے اس کی پناہ مانگی جائے۔ اور دوسری وہ جن میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت اور بے نہایت احسانات کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنی بندگی و نیازمندی اور عجز و ناداری و محتاجیت کا مظاہرہ کرے، اور اس طرح اس کی رحمت و عنایت اور اس کا قرب چاہے۔ نماز کے بعد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے یہاں مذکور ہوئی اسی دوسری قسم کی ہے۔ اس سے پہلے جو دعائیں درج ہو چکی ہیں ان میں سے اکثر میں بھی یہی عنصر غالب ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم اَحْبَبْنَا اَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهِ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. (رواہ مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یہ چاہا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنی جانب کھڑے ہوں (کیوں کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے تھے تو میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے: رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ

عِبَادَکَ" (اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن جس دن کہ تو بندوں کو اٹھائے اور دوبارہ ان کو زندہ کرے) (صحیح مسلم)

تشریح حضرت براءؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد داہنی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی ایک روایت ہے جس کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کے بعد مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ کر کے اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی قدر داہنی جانب کو بھی آپ کا رخ ہوتا تھا۔ اس بناء پر یہ دونوں بیان بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَسَرَّ اِلَیْهِ فَقَالَ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَبْلَ اَنْ تُکَلِّمَ اَحَدًا فَاِنَّکَ اِذَا قُلْتَ ذٰلِکَ ثُمَّ مُتَّ فِیْ لَیْلَتِکَ کُتِبَ لَکَ جِوَارٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّیْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ذٰلِکَ فَاِنَّکَ اِذَا مُتَّ فِیْ یَوْمِکَ کُتِبَ لَکَ جِوَارٌ مِّنْهَا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خصوصیت کے ساتھ تلقین فرمائی کہ جب تم مغرب کی نماز ختم کرو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ یہ دعا کرو: "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) تم نے مغرب کے بعد اگر یہ دعا کی اور اسی رات میں تم کو موت آ گئی تو دوزخ سے تمہارے بچاؤ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اسی طرح جب تم صبح کی نماز پڑھو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرو "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) اگر اس دن تمہاری موت مقدر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِیَدِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَقَالَ یَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ اُوْصِیْکَ یَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِیْ کُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر: "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ." (اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... نہایت مختصر ہونے کے باوجود یہ بڑی عظیم اور اہم دعا ہے۔ اس کی عظمت اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تاکید کے ساتھ اس کی وصیت اور تلقین فرمائی۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث کی دعا "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" کی تلقین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم بن الحارثؓ کو خصوصیت اور اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ بھی نہایت مختصر ہے۔ اس غیر معمولی اہتمام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تلقین کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا بڑی ناقدری اور کم نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ختم تہجد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نہایت جامع دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لَيْلَةً حِيْنَ فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِيْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِيْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِيْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِيْ وَتُزَكِّيْ بِهَا عَمَلِيْ وَتُلْهِمُنِيْ بِهَا رُشْدِيْ وَتَعْصِمُنِيْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا لَّيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِيْ وَاِنْ قَصُرَ رَاْيِيْ وَضَعُفَ عَمَلِي افْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْئَلُكَ يَا قَاضِيَ الْاُمُوْرِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَاْيِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْئَلَتِيْ مِنْ خَيْرٍ وَّعَدْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ خَيْرٍ اَنْتَ مُعْطِيْهِ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ فَاِنِّيْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْهِ وَاَسْئَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِيْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ وَّاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِّاَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِّاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجَهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا مِّنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُوْرًا مِّنْ خَلْفِيْ وَنُوْرًا عَنْ يَّمِيْنِيْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِيْ وَنُوْرًا مِّنْ فَوْقِيْ وَنُوْرًا مِّنْ تَحْتِيْ وَنُوْرًا فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَشَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ لَحْمِيْ وَنُوْرًا فِيْ دَمِيْ وَنُوْرًا فِيْ عِظَامِيْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَّاَعْطِنِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِيْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ الخ" (اے اللہ! میں تجھ سے وہ رحمت مانگتا ہوں جو تو محض اپنے لطف و کرم سے مجھ پر نازل فرمائے اور ایسی رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اسی رحمت سے جمعیت نصیب ہو اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی دور ہو جائے اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں یہاں میرے پاس نہیں اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کو تیری اسی رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب

ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور الفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔ اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔ اے خدا! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور جد و جہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتش دوزخ سے اور اس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دعا مانگے گا۔ اور اسی طرح مجھے عذاب قبر سے بچا۔ اے میرے اللہ! تو نے جس خیر و نعمت کا اپنے کسی بندے کیلئے وعدہ فرمایا ہو یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل و رائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے کرم کے بھروسے اس کا طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔ اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعید" یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے ان بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفہ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔ اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور "فعال لما یرید" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں، جو کوئی تجھ سے محبت رکھے ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔ اے اللہ! یہ میری دعا ہے، اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد و بھروسہ اپنی کوشش اور دعا پر نہیں بلکہ صرف تیرے کرم پر ہے۔ اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما، اور میری قبر کو نورانی کر دے، اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور رہے) اور اے اللہ! نور پیدا فرما میری شنوائی میں اور بینائی میں اور میرے بال بال اور رونگیں رونگیں میں اور میرے گوشت پوست میں اور میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کر دے۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت و جلال کی چادر

اوڑھنی ہے اور مجد و کرم جس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ صاحب قدرت جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے صاحب ذوالجلال والاکرام۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... سبحان اللہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دعا، اور یہ تو اسی ایک دعا سے (اور اس سے پہلے جو دعائیں درج ہوئیں ان سے بھی) اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیاز مندی کی کس تضرعانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے، نیز یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعا کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے رؤف اور رحیم و کریم ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

صبح و شام کی دعائیں

اب تک جو دعائیں مذکور ہوئیں وہ سب نماز کے اندر کی یا نماز کے بعد کی تھیں، اور نماز چونکہ اپنی روح اور حقیقت کے لحاظ سے خود دعا و مناجات بلکہ اس کی مکمل ترین صورت ہے اور اس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہار عجز و نیاز اور دعا و سوال ہے اس لئے اس میں اس طرح کی دعائیں کمال معرفت اور کمال عبدیت کی علامت ہونے کے باوجود کوئی عجوبہ نہیں۔ لیکن جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے اوقات خصوصاً کھانے پینے سونے جاگنے اور دوسرے بشری و حیوانی تقاضوں والے اعمال و اشغال کے اوقات کے لئے تعلیم فرمائی ہیں جن کے ذریعہ یہ اعمال و اشغال بھی سراسر روحانی و نورانی اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بن جاتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا خاص الخاص معجزہ ہے، ذیل میں انہی دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔

ہر آدمی کے لئے رات کے بعد صبح ہوتی ہے اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے، گویا ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہو کر اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عملی نمونہ سے امت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ و مستحکم کرے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اپنے قصوروں کے اعتراف کے ساتھ معافی مانگے، اور سائل و بھکاری بن کر رب کریم سے مناسب وقت دعائیں کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ يَقُوْلُ: إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" وَإِذَا أَمْسَى فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ". (رواه ابو داؤد والترمذی وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ جب

رات ختم ہو کر تمہاری صبح ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا ... وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آ جانے پر مریں گے، اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے) اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو: "اَللّٰھُمَّ بِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ اَصْبَحْنَا ... وَاِلَیْکَ النُّشُوْرُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری صبح، اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے، اور پھر اٹھ کر تیرے ہی حضور میں حاضر ہوں گے۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ... رات کے اندھیرے کے بعد صبح کے اجالے کا نمودار ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انسان عموماً دن ہی میں اپنے سارے کام کاج کرتے ہیں، اگر رات کے بعد صبح نہ ہو تو گویا قیامت ہو جائے۔ اسی طرح دن کے ختم پر شام کا آنا اور رات کا شروع ہونا بھی بڑی نعمت ہے، شام آ کر کاموں سے چھٹی دلاتی ہے اور آرام و راحت کا پیام لاتی ہے، اگر ایک دن شام نہ آئے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں پر کیا گزر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا احساس و اعتراف کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر رات آتی ہے اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے، اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے، اور اسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آ جائے گی اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہو گی۔ الغرض روزانہ صبح و شام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے۔ صبح کو اس سے اقلیت ہو شام کو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ "اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ."
وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا وَاَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ " (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ" (یہ شام اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں۔ ساری حمد و ستائش اسی اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، راج اور ملک اسی کا ہے، وہی لائق حمد و ثنا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! یہ آنے والی رات اور جو کچھ اس رات میں ہونے والا ہے میں اس کے خیر کا تجھ سے سائل ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی اور کاہلی سے (جو امورِ خیر سے محرومی کا سبب بنتی ہے) تیری پناہ بالکل بے کار کر دینے والے بڑھاپے سے اور کبرسنی کے برے اثرات سے، تیری پناہ دنیا کے ہر فتنہ سے (اور یہاں کی ہر آزمائش سے) تیری پناہ قبر کے عذاب سے۔ اور جب صبح ہوتی ہے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ۔" (ہماری صبح اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں الخ۔) (صحیح مسلم)

تشریح ... اس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے۔ پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں ان کا سوال ہے، اور جو کمزوریاں خیر و سعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں ان سے پناہ طلبی ہے۔ اور آخر میں دنیا کے ہر فتنہ اور عذاب قبر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا ہے اور اس میں اپنی بندگی اور نیازمندی کا کیسا اظہار ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ إِذَا اَمْسٰى وَإِذَا اَصْبَحَ ثَلَاثًا "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا." إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین تین دفعہ کہے: "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا." (میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد کو نبی مان کر) تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کر دے گا۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

تشریح ..... سبحان اللہ! کتنی عظیم بشارت ہے کہ جو کوئی مسلم بندہ اس مختصر کلمہ کو صبح شام تین تین دفعہ کہہ کے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دین کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس کو راضی اور خوش کر دوں گا۔ اس بشارت کے معلوم ہو جانے کے بعد اس دولت کو حاصل کرنے سے غافل رہنا کتنا عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی ہو گی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ الْبَيَاضِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ. لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ." فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهِ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهِ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن غنام بیاضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرے کہ: "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ الخ." (اے میرے اللہ! اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، تیرے ہی لئے ساری حمد و ثناء ہے اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے) تو اس نے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح عرض کیا تو اس نے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح .. حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ سب کریم کا صرف کرم ہے کہ اپنے حقیر سے شکر کو بھی وہ کافی قرار دے جاتا ہے۔ منقول ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: "اے پروردگار! تیری

نعمتیں بے شمار ہیں میں کیسے ان کا شکر ادا کروں۔ ارشاد ہوا کہ "تمہارا یہ محسوس کرنا کہ وہ نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں، بس یہی شکر کافی ہے۔ لک الحمد ولک الشکر۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ "بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَا يَضُرُّهٗ شَيْءٌ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ وہ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تشریح .. حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے ابان ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ سمجھ گئے کیا اس کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن چکے تھے تو پھر آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہو گیا، اس حدیث میں تو اس دعا کے صبح و شام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتلائی گئی ہے۔ ابان نے اس آدمی سے کہا "میاں! دیکھتے کیا ہو؟ حدیث میں غلط بیان کر رہا ہوں نہ حضرت عثمان نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا۔ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا، اسی غصہ کی حالت میں اس دن وقت پر یہ دعا پڑھنا بھول گیا، اسی دن یہ فالج کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیر الٰہی میں یہ فالج ہونا مقدر تھا اس لئے اسی دن بھلا دی گئی۔ حضرت ابان کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔ صبح شام تین دفعہ اس دعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، اور بلاشبہ اس میں آفات ارضی و سماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِقْرَأْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِيْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے پر اور رات شروع ہونے پر) قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس تین بار پڑھ لیا کرو، یہ ہر چیز کے واسطے تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح .. قل ھو اللہ اور معوذتین قرآن مجید کی بہت چھوٹی سورتیں ہیں لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت عالی اور جامع ہیں۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اور زیادہ نہ پڑھ سکیں وہ صبح و شام کم از کم یہی تین سورتیں پڑھ لیا کریں جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے، یہی ان شاء اللہ کافی ہوں گی، ہر مسلمان کو یہ یاد بھی ہوتی ہیں۔

سونے کے وقت کی دعائیں

نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ سونے والا مُردے ہی کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نیند بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکید کے ساتھ ہدایت فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے دھیان اور اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور اس سے مناسب وقت دعائیں کرو۔ اس سلسلہ میں جو دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائیں یا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں سے تھیں وہ ذیل میں پڑھی جائیں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَانَ إِذَا أَوَى إِلٰى فِرَاشِہٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ لَہٗ." (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آرام کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو اس طرح اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ... وَلَا مُؤْوِیَ لَہٗ." (اس اللہ کی حمد اور اس کا شکر جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہماری ضرورتیں عطا فرمائیں اور آرام کے لئے ہمیں ٹھکانا دیا، کتنے ہی ایسے بندے ہیں جن کی نہ کوئی ضروریات پوری کرنے والا ہے نہ کوئی انہیں ٹھکانا دینے والا ہے) (صحیح مسلم)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھاتے پیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ سب رب کریم کا عطیہ ہے۔ ہمارے کسی ہنر اور کرتب کو اس میں دخل نہیں، اس لئے وہی لائق حمد و شکر ہے۔ جس نے سوتے وقت یہ دعا کی اس نے کھانے پینے اور ان سب نعمتوں کا جن سے اس نے فائدہ اٹھایا شکر ادا کر دیا۔

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَہٗ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَہٗ تَحْتَ خَدِّہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْیٰی" وَإِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُوْرُ. (رواہ البخاری و رواہ مسلم عن البراء بن عازب)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو آرام فرمانے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل ہے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْیٰی" (اے اللہ! تیرے ہی نام پہ مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پر مجھے جینا ہے) اور جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُوْرُ" (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح... چونکہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے اس لئے اس دعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس طرح روزمرہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاد دہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ سونے اور جاگنے کے وقت کی دعاؤں میں سے یہ دعا بہت مختصر ہے اور اس کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَأْمُرُنَا إِذَا أَرَادَ أَحَدُنَا أَنْ یَنَامَ

اَنْ يَّضْطَجِعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، مُنْزِلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ ۔ تا وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ." (اے میرے اللہ! آسمان و زمین کے مالک اور عرش عظیم کے مالک، ہمارے اور ہر چیز کے مالک، دانے اور گٹھلی کو اپنی قدرت سے پھاڑ کر اس سے پودا نکالنے والے تورات و انجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں زمین میں چلنے یا رینگنے والی تیری ہر مخلوق کے شر سے جس پر تیرا کنٹرول ہے۔ اے اللہ! تو ہی اول (سب سے پہلا) ہے، کوئی چیز تجھ سے پہلی نہیں، تو ہی آخر (سب کے بعد باقی رہنے والا) ہے، کوئی چیز نہیں جو تیرے بعد ہو (اے مالک کل اور قادر مطلق اور اول و آخر) مجھ پر جو قرض ہے اسے ادا کر دے اور فقر و محتاجی دور فرما کر مجھے غنی اور خوش حال کر دے۔) (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں بھی سونے کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں قلب جو بائیں پہلو میں ہے اوپر معلق رہتا ہے اور اللہ والوں کا تجربہ ہے کہ لیٹتے وقت ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ کے لئے یہی شکل زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ یہ دعا ان بندگان خدا کے زیادہ حسب حال ہے جو قرض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ بندہ یہ دعا کر کے سوئے اور رب کریم سے امید رکھے کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

عَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ." (اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ مردے بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح..... غالباً سوتے وقت اس دعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے ایک خاص مشابہت ہے اس کی وجہ سے آپ سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے تھے، اور جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اس کو جب موت و قیامت یاد آئے گی تو قدرتی طور پر اس کی سب سے اہم فکر اور دل کی پکار یہی ہوگی کہ وہاں عذاب سے نجات نصیب ہو۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهِ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ذُنُوْبَهُ وَاِنْ كَانَ

عَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا. (رواه الترمذى)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے اور تین دفعہ عرض کرے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ." (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ حی و قیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے، اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگر چہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ۔ اس حدیث میں سوتے وقت مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ و استغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ البتہ یہ استغفار و توبہ سچے دل سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال دیکھنے والا ہے، اس کو زبان سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواه ابوداؤد والترمذى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے، پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے، تین دفعہ یہی کرتے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ۔۔ اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے دو اپنے ہاتھوں پر دم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر پھیروں اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔

فائدہ..... ممکن ہے بعض لوگوں کے لئے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہوں، وہ کم از کم "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" تو پڑھ ہی سکتے ہیں، ان کے لئے یہی سب کچھ ہے۔ کم از کم یہ معمول تو ضرور ہی کر لینا چاہئے، جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اس کی محرومی قابل عبرت ہے۔

نیند میں ڈر جانے کی دعا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِى النَّوْمِ فَلْيَقُلْ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ

هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِيْ صَكٍّ وَعَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (ڈراؤنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دعا کرے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ... وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ." (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس واثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبداللہ بن عمرو کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں (بطور تعویذ کے) ڈال دیتے۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈراؤنے اور پریشان کن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں اور اگر اس دعا کو معمول بنا لیا جائے تو ان شاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہوگی۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِيْبَ فَاِنْ تَوَضَّأَ قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ. (رواہ البخاری)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب رات کو سو کر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ." اس کے بعد کہے۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" (اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا والتجا قبول فرمائی جائے گی۔ اس کے بعد اگر (وہ ہمت کر کے اٹھ جائے اور) وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... حدیث کا مندرجہ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں کلمہ "الحمد للہ، سبحان اللہ" سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن آئمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان سب کی روایات میں "سبحان اللہ" پہلے اور "الحمد للہ" بعد میں ہے جیسا کہ کلمہ تمجید میں ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں "الحمد للہ" کا مقدم ہونا کسی راوی کا تصرف ہے۔ بہرحال ان شارحین کے نزدیک بھی ان کلمات

کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بناء پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید تمجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے، یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے اسی طرح اس وقت وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہو گی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندے کو یہ حدیث پہنچے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص انعام و عطیہ سمجھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت پر یقین رکھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کر کے استغفار و دعا کی قبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام ابو عبداللہ فربری فرماتے ہیں کہ "ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمے اپنی زبان سے ادا کئے۔ اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی: "وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (۱)" (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر۔)

(۱) فتح الباری باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔ ص ۴۱۰ (جزء ۵)۔۱۲

استنجاء کے وقت کی دعائیں

سونے اور کھانے پینے کی طرح بول و براز بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بلاشبہ وہ خاص وقت (جبکہ آدمی اس گندگی کے اخراج میں مشغول ہو) ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ کا نام لینا اور اس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہو گی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے اللہ سے یہ دعا کرے اور فارغ ہونے کے بعد اس کے حضور میں یہ عرض کرے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ قضائے حاجت کے مقامات (شیاطین اور موذی چیزوں کے) اڈے ہیں، لہذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے ان میں جانا چاہے تو اللہ کے حضور میں پہلے عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے کوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مقامات میں جانے کے وقت کیلئے یہ دعا فرمائی اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت

دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ."

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ." (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرما دی اور مجھے عافیت و راحت دی۔) (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رک جائے اور فطری طریقے سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کیلئے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی احسان اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ." سبحان اللہ! کیسی برمحل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دُعا

آدمی کے لئے صبح و شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے، اس لئے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لئے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کے لئے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے وہ مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھئے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَیْتِهٖ فَقَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یُقَالُ لَهٗ حَسْبُکَ، هُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ وَیَتَنَحّٰی عَنْهُ الشَّیْطَانُ. (رواہ ابوداؤد والترمذی واللفظ لہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے اور نکلتے وقت کہے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ." (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں): "اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا" اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح اس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اسی کی پناہ میں دیدے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں

لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا. (رواه احمد والترمذی والنسائی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب گھر سے نکلتے تو کہتے: "بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ ... أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا." (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بہکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں (یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں) یا ہم کسی پر ظلم و زیادتی کریں، یا ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح..... آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظلوم و جہول بہک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے، یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے، یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے اور اس میں وہ کوئی ظالمانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے، یا خود کسی کے ظلم و ستم اور جہل و نادانی کا نشانہ بن جائے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام پاک لیتے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے محتاج ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلے حدیث میں مختصر کلمہ "لا حول ولا قوة الا بالله" بھی ان سب خطرات سے پناہ جوئی کا اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے وہ بھی کافی ہے۔

عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلَى أَهْلِهِ (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہو: اللهم اسئلك ... توكلنا (اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم پاک کا نام لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے جو ہمارا رب ہے) اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے السلام علیکم۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ اس تعلیم ہدایت کی روح یہ ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو، زبان پر اس کا پاک نام ہو اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس سے دعا اور سوال ہو اور اسی کی کریمی و کارسازی کا بھروسہ اور اعتماد ہو، پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو جو در حقیقت ان کیلئے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا

مسجد گویا خانۂ خدا اور دربارِ الٰہی ہے، آنے والے لوگ اس لئے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے، بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ." (رواہ مسلم)

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ" (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں) (صحیح مسلم)

تشریح:... قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے روحانی اور اخروی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے کہ نبوت، ہدایت، مقامِ قرب و رضا اور نعماءِ جنت وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ہے: "وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ."

(اور تیرے پروردگار کی رحمت اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ ۱۲)

(جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چلو پھرو اور اللہ کے فضل کی تلاش و جستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری تجارتی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں۔ ۱۲)

اور "فضل" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: "فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ." پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اخروی نعمتیں ملتی ہیں اسلئے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لئے ابوابِ رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لئے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

کسی مجلس سے اٹھنے کے وقت کی دعا

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اس میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو ایک مومن کے لئے مناسب نہیں ہوتیں، اور ان پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادتِ توحید اور توبہ و استغفار کا کلمہ پڑھو، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰی یَدْعُوَ بِھٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِہٖ "اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعْصِیَتِکَ، وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا،

إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُصِيبَ فِيهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً. (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ۔ تا صَفْقَةً خَاسِرَةً." (میں اللہ کا نام لے کر بازار جاتا ہوں۔ اے اللہ! اس بازار میں اور اس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں۔ (دعوات کبیر بیہقی)

عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوقَ فَقَالَ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ." كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذي وابن ماجه)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شور و شر سے بھری فضا میں دل کے اخلاص سے) کہا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. تا وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" تو اللہ کی طرف سے اس کیلئے ہزاروں ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیے جائیں گے اور ہزاروں ہزار درجے اس کے بلند کر دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تیار ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں۔ پس اللہ کا جو بندہ توفیق پا کر وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقے پر اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پول توڑتا ہو، وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر بے حد و حساب عنایت ہو۔ اس کیلئے ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا، اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا، اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا اسی عنایت الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی ایسی چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو بھولتا ہے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔ کسی چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحب دولت و حکومت کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو ہمارے سارے کام بن جائیں گے۔ بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات و وساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علاوہ اور تحفظ کے لئے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمہ توحید تمہاری زبانوں پر ہو:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

اللہ کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، اکیلا وہی معبود برحق ہے، کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں، صرف اسی کا راج اور

اسی کی فرمانروائی ہے، وہی حمد و ستائش کے لائق ہے سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے اور وہ زندۂ جاوید ہے، اسے کبھی فنا نہیں، ساری خیر و بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وسوسوں پر براہ راست ضرب لگاتا ہے جو بازاروں میں انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:

(۱)۔ الٰہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل دے دیا جائے، اس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب و مقصود حقیقی بنایا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

(۲)۔ ساری کائنات میں صرف اسی کی فرمانروائی ہے بلا شرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

(۳)۔ حمد و ستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے، اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابل تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن و جمال اسی کا عطیہ ہے۔

(۴)۔ اسی کی اور صرف اسی کی شان "حی لا یموت" ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، اور ہر ایک کی موت و حیات اور فنا و بقا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵)۔ ہر خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

(۶)۔ وہ اور صرف وہی قادر مطلق ہے، ہر چیز اور ہر پہلو اسی کی قدرت میں ہے۔ بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ کے نام کا علم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمع جلاتا ہے۔ اس لئے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ "الف الف" کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے "ہزاروں ہزار" کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی مصیبت زدہ کو دیکھنے پر دعا

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بے چارے کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا اور برے حال میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے وقت کے لئے ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس حمد و شکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا مِنْ رَجُلٍ رَأَى مُبْتَلًى فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا" إِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ. (رواه الترمذي ورواه ابن ماجه عن ابن عمر)

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دکھی پر پڑے اور وہ کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ... تَفْضِيْلًا" (حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے امام باقرؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: "جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو چپکے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بے چارہ مبتلائے مصیبت نہ سن سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر سن لے گا تو اس سے اس کا دل دکھے گا۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا گیا ہے کہ: جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہوا تو یہی دعا پڑھتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔"

کھانے پینے کے وقت کی دعا

کھانا پینا انسان کے لوازم حیات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ." (رواه ابو داؤد والترمذي)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم جَاءَ إِلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَهُ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَأَكَلَ ثُمَّ قَالَ صلى الله عليه وآله وسلم "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ." (رواه ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں تشریف لائے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پکی ہوئی روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا اور پھر ان کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ.

اللہ کے روزہ دار بندے تمہارے ہاں افطار کیا کریں اور ابرار و صالحین تمہارے ہاں کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کیا کریں۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَلٰى أَبِي فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ

طَعَامًا وَوَطْبَةً فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوَى بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى ثُمَّ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ أَبِي وَأَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ ادْعُ اللهَ لَنَا فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ." (رواہ مسلم)

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والد بسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں سے لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پینے کیلئے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی نوش فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی دعا فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ. (صحیح مسلم)

اے اللہ! تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا فرمایا ہے اس میں ان کے لئے برکت دے اور ان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نواز۔

تشریح..... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لئے جو دعا فرمائی جس کا حضرت انسؓ کی روایت والی حدیث میں ذکر ہے یعنی: "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ الخ." اور بسر اسلمیؓ کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا فرمائی جس کا عبداللہ بن بسر والی اس حدیث میں ذکر ہے یعنی "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ الخ." ان دعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہؓ اور بسر اسلمیؓ کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص فیض یافتہ اور صف اول کے اصحاب کرام میں سے تھے، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی کہ: "اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کریں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کے دینی مقام کے لئے ایسی ہی دعا زیادہ مناسب تھی۔ اور بسر اسلمیؓ جو اس درجہ کے نہیں تھے ان کے لئے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دعا زیادہ مناسب تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دی۔ واللہ اعلم۔

نیا لباس پہننے کے وقت کی دُعا

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ: "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیب تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کرے اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پرانا کر

کے اتارا ہے اس کو صدقہ کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ" ثُمَّ عَمِدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِىْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِىْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِىْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِىْ سَتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَمَيِّتًا. (رواه احمد والترمذى وابن ماجه)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ." (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لئے سامان زینت بنتا ہے) پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کر دے تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت و نگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا نَظَرَ فِى الْمِرْاٰةِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ سَوّٰى خَلْقِىْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِىْ وَزَانَ مِنِّىْ مَا شَانَ مِنْ غَيْرِىْ." (رواه البزار)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینہ دیکھتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ. مِنْ غَيْرِىْ." (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل و صورت عطا فرمائی اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا)۔ (مسند بزار)

تشریح...... دوسری اکثر دعاؤں کی طرح اس دعا کی روح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حسن و خوبی اور جو جمال و کمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے، اس طرز عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبہ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خود پسندی اور کبر نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا۔

مباشرت کے وقت کی دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِىَ اَهْلَهٗ قَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِىْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جائے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کر لیا کرے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا

رَزَقْتَنَا" (بسم اللہ، اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا، اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، وہ ہمیشہ شرِ شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ۔۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ: "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہو کر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضا پورا نہ کیا) تو اس مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد شرِ شیطان سے محفوظ رہے گی۔" اس کے بعد فرماتے ہیں: "از ینجاست فساد احوال اولاد روزگاری اعیان۔" (یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق و عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے)

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات کی قدر شناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر کی دعائیں

وطن سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ سفر کیلئے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہئے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہئے اور اس کی تیاری سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ." وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے، اس کے بعد کہتے "سُبْحَانَ الَّذِیْ" تا "فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کیلئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کے باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے

والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھی پر ہے) اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج دہ بات دیکھوں، اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں کوئی بری بات پاؤں) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے۔ اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے "آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ." (ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں) (صحیح مسلم)

تشریح .. اس دعا کا ایک ایک جزء اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دفعہ "اللہ اکبر" کہہ کے اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے تھے: "سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ." (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ اس کو قابو کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" (یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں، اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ یہ کرتے کہ: "اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو" بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ." (یعنی اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے، اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگران بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے۔ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کی مشقت سے یا دوران سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آ کر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: "آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ." یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار و مالک و مولا کی عبادت اور

حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کے قالب میں زبان مبارک پر جاری ہوتی تھیں تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اس امت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابل عبرت بد نصیبی ہے اس امت کی جس کے ۹۹ فیصد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے استفادہ سے محروم ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو رخصت کرتے وقت فرماتے: "أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ." (میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو اور تمہارے آخری اعمال کو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... یہاں "امانت" سے مراد انسان کے دل کی وہ خاص صفت اور کیفیت ہے جو اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ مختصر لفظوں میں اس کو "بندگی کی ذمہ داریوں کے احساس" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مومن کی خاص پونجی اس کی یہ صفت امانت اور اس کا دین اور دینی اعمال ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو رخصت کرتے وقت مجاہدین کی ان چیزوں کو خاص طور سے اللہ کی سپردگی میں دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح کسی شخص کو رخصت کرتے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور فرماتے: "أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ." (تمہارے دین، تمہاری امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، وہ ان کی حفاظت فرمائے۔) رواہ الترمذی عن ابن عمر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت مصافحہ فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ واللہ اعلم۔

سخت خطرے کے وقت کی دعا

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهُ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ أَعْدَائِهِ بِالرِّيْحِ هَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ. (رواہ احمد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اس نازک وقت کے لئے کوئی خاص دعا ہے، جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں، حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آ رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا." (اے اللہ! ہماری پردہ داری فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے) ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر

دیئے اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی۔ (مسند احمد)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر جو سخت سے سخت دن گزرے ہیں ان میں غزوۂ خندق کے بعض ایام بھی تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔ (الاحزاب ۱۰، ۱۱)

جب آ گئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت اہل ایمان بڑی آزمائش میں پڑے اور سخت طریقے سے ہلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مختصر دعا تلقین فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے حملہ آور لشکر کو تتر بتر کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وآله وسلم مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَأَبْدَلَهُ بِهِ فَرَجًا۔ (رواہ رزین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ ... تا ... وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" (اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور میری پیشانی تیرے دست قدرت میں ہے، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے، یا اپنے خاص خزانہ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے۔ استدعا کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے، اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرما دے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرما دے گا۔ (رزین)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمودہ اس دعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا

بندہ اور میری ماں بھی تیری بندی تھی یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں اور تو میرا مالک و رب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک و رب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لئے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے، در نافذ ہونے والا ہے، مجھے اور کسی کو بھی چون و چرا کی مجال نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو۔ اس لئے تیرے ہی ان اسماء پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذات پاک کو موسوم کیا ہے، یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنہیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دور فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دور فرمادی جائیں گی۔

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں

اس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان ابتلاآت اور مجاہدات کے ذریعہ اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ ان کے لئے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے موقع کیلئے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب و مشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قرب خداوندی کا ذریعہ بھی۔ ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھئے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ الَّتِیْ دَعَا بِھَا وَھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْئٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰہُ لَہٗ۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔" (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس سے رحم و کرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں تو پاک اور مقدس ہے تیری طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہیں میں ہی ظالم اور پاپی ہوں) جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ... حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۃ انبیاء) میں بھی الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید و تسبیح اور اپنے قصور وار خطا کار ہونے کا اعتراف ہے لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہار ندامت اور استغفار و انابت کا بہترین انداز ہے اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا وَقَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ الْعَظِیْمِ

فَقُوْلُوْا "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ." (رواہ ابن مردویہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آ جائے تو کہو: "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ." (اور وہی سب کام سپرد کرنے کیلئے اچھا ہے۔)" (ابن مردویہ)

تشریح ۔۔ یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبان مبارک پر یہی کلمہ تھا: "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ." مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندۂ مومن کا یہی نعرہ ہونا چاہئے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما قال عبد "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ." اِلَّا اَذْھَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھَمَّہٗ. (رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ." (اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کیلئے تو کافی ہو جا اور حل کر دے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے) (تو اللہ اس کی مشکل کو حل کرنے کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرما دے گا۔ (مکارم الاخلاق خرائطی)

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علیُّ اِذَا حَزَنَکَ اَمْرٌ فَقُلْ "اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاکْنُفْنِیْ بِکَنَفِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ وَاغْفِرْلِیْ بِقُدْرَتِکَ عَلَیَّ فَلَا اَھْلِکُ وَاَنْتَ رَجَائِیْ، رَبِّ کَمْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَنْعَمْتَھَا عَلَیَّ قَلَّ لَکَ عِنْدَھَا شُکْرِیْ وَکَمْ مِنْ بَلِیَّۃٍ اِبْتَلَیْتَنِیْ بِھَا قَلَّ لَکَ عِنْدَھَا صَبْرِیْ فَیَامَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِہٖ شُکْرِیْ فَلَمْ یَحْرِمْنِیْ وَیَامَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِیَّتِہٖ صَبْرِیْ فَلَمْ یَخْذُلْنِیْ وَیَامَنْ رَاٰنِیْ عَلَی الْخَطَایَا فَلَمْ یَفْضَحْنِیْ یَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَا یَنْقَضِیْ اَبَدًا وَیَاذَا النَّعْمَاءِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰی اَبَدًا اَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبِکَ اَدْرَأُ فِیْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِیْنَ. (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علی! جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو: "اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ... فِیْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِیْنَ." (اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نہیں سوتی اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی، اور مجھے اپنی اس حفاظت میں لے لے جس کے قریب جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں کر سکتا، اور جو مستحق گنہگار بندے پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقہ میں تو میرے گناہ معاف فرما دے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں، تو ہی

میری امیدوں کا مرکز ہے۔ اے میرے مالک و پروردگار! تو نے مجھے کتنی ہی کئی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا اور کتنی ہی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی کمی اور کوتاہی ہوئی۔ پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر اتارتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہِ کرم سے نہیں گرایا (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گنہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد حسن و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے بندے اور پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوندا! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسہ پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے تو اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم ذَاتَ يَوْمٍ الْمَسْجِدَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو أُمَامَةَ فَقَالَ يَا أَبَا أُمَامَةَ مَا لِي أَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ قَالَ هُمُومٌ لَزِمَتْنِي وَدُيُونٌ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا قُلْتَهُ أَذْهَبَ اللهُ هَمَّكَ وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَ اللهُ هَمِّي وَقَضَى عَنِّي دَيْنِي۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپ انصاری کو (جن کا نام ابو امامہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں بیٹھے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسا دعائیہ کلمہ بتا دوں جس کے ورد کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ساری فکروں سے نجات دے دے اور تمہارے قرضے بھی ادا کر دے؟ (ابو امامہ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور بتا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ ... وَقَهْرِ الرِّجَالِ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے، اور عاجز و بے بس ہونے سے اور سستی و کاہلی سے اور بزدلی و کنجوسی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آ

جانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے) ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا (اور اس دعا کو اپنا صبح وشام کا معمول بنالیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہوگئیں اور میرا قرض بھی ادا ہوگیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... یہ صاحب واقعہ ابوامامہ مشہور صحابی ابوامامہ باہلیؓ کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّيْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِيْ فَاَعِنِّيْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔" (رواه الترمذى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: میں زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو وہ دعائیہ کلمات نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائے تھے، اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو اس دعا کی برکت سے اور اللہ کے حکم سے وہ ادا ہو جائیگا (وہ مختصر دعا یہ ہے): "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔" (اے میرے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لئے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنے ما سوا سے بے نیاز کر دے)۔ (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ..... "مکاتب" اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کر دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو، ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائیگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لئے ایک خاص دعا آپؓ نے اس کو تعلیم فرمادی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی۔ معلوم ہوا کہ ضرورت مند سائل کی اگر روپیہ پیسہ سے کسی وقت مدد نہ کی جا سکے تو اس کو اس طرح کی دعا کی طرف رہنمائی کر دی جائے، یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

عیادت کے وقت کی دعائیں

بیماروں کی عیادت اور خدمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچے درجہ کی نیکی اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت قرار دیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے، نیز اپنے عمل اور ارشادات سے اس کی تعلیم دی ہے کہ جب کسی مریض کی عیادت کی جائے تو اس کے لئے دعائے صحت بھی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کو تسلی بھی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے

اور دم فرماتے اور خود اپنے دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں "مُعَوِّذَاتْ" سے مراد بظاہر سورہ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جاتی ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔

چھینک آنے کے وقت کی دعا

آدمی کو چھینک آجانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کیلئے بھی دعا تلقین فرمائی، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهُ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَاِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" (اللہ کی حمد اور اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں، انہیں جواب میں کہنا چاہئے: "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے: "يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارے احوال درست فرمائے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے ہلکے ہونے کا ذریعہ ہے۔ جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لئے بندے کو چاہئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور کم از کم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے۔ بعض روایات میں اس موقع کیلئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" اور بعض دوسری روایات میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" بھی وارد ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر کلمہ کہا جا سکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنا چاہئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دعائے خیر ہوئی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دعائے خیر سے دینا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے "يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" تعلیم فرمایا۔ قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کیلئے اور اس کے پاس والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنایا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کا مکلف ہے، نہ سننے والے کو ہر دفعہ "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنے کا حکم ہے۔

آندھی اور تیز وتند ہوا کے وقت کی دعا

تیز وتند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمت الٰہی (یعنی بارش) کا مقدمہ بن کر، اس لئے خدا شناس اور خدا پرست بندوں کو چاہئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں تو وہ جلال خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا۔ (رواہ الشافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامان حیات ہو عذاب اور سامان ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ ہو جس کو قرآن نے "ریح" کہا ہے اور وہ ہو جس کو "ریاح" کہا ہے۔" (مسند شافعی، بیہقی فی الدعوات الکبیر)

تشریح .... قرآن مجید کی بعض آیات میں اس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی "ریح" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور بعض دوسری آیات میں ان ہواؤں کے لئے جو رحمت بن کر آتی ہیں "ریاح" کا لفظ استعمال ہو گیا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیز ہوا کے وقت یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ۔ "اے اللہ! یہ "ریح" یعنی عذاب والی ہوا نہ ہو بلکہ "ریاح" یعنی رحمت والی ہوا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" (اے اللہ! بھرپور اور نفع مند بارش ہو) (صحیح بخاری)

تشریح .... بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اسکے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کیلئے وہ سامان حیات بن کر بھی برستی ہے اس لئے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دعا کرنی چاہئے کہ بارش نفع مند اور رحمت بن کر برسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بارش کی ضرورت محسوس کرکے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یہی ہوتی۔

نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا

عَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ "هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ" هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ "آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُولُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا۔ (رواہ ابوداؤد)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مہینہ کا نیا چاند دیکھتے تو تین دفعہ کہتے هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ۔ (خیر وبرکت اور رشد وہدایت کا چاند ہے) پھر تین تین دفعہ کہتے: "آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ۔" (میرا ایمان ہے اس اللہ پر جس

نے تجھے پیدا کیا) اس کے بعد فرماتے حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس کے حکم سے فلاں مہینہ ختم ہوا اور فلاں مہینہ شروع ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رویت ہلال کی وقت کے یہ دوسری دعا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیا چاند دیکھ کے کبھی مندرجہ بالا حدیث والی دعا کرتے تھے اور کبھی یہ دوسری دعا۔

تین دفعہ "هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ" کہنے کا منشاء غالباً یہ تھا کہ بہت سے طبقے بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں، اس کلمہ سے اس توہم پرستی کی تردید کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ ہر مہینہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مہینہ ہے۔

"آمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ" تین دفعہ کہہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گمراہوں کے مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگاتے تھے جو چاند کو رب اور دیوتا مانتے ہیں۔

قتادہ جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ غالباً قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں، انہوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہوگی۔ بعض تابعین اور اسی طرح بعض تبع تابعین بھی کبھی درمیان والے راوی کا ذکر کئے بغیر اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو "بلاغات" کہا جاتا ہے۔ امام مالک کی مؤطا میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

لیلۃ القدر کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی لیلۃ القدر کیلئے ایک مختصر ترین دعا یہاں درج کی جا رہی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا أَدْعُوْ بِهِ؟ قَالَ قُوْلِيْ "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ." (رواه الترمذى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ." (اے اللہ! تو قصور والوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے)۔ (جامع ترمذی)

جامع اور ہمہ گیر دعائیں

عرض کیا گیا تھا کہ کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں اگر ان کو مضامین اور موقع محل کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو وہ تین قسم کی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے، دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسم کی دعائیں درج کی جا چکیں، تیسری قسم کی اب پیش کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع قسم کی ہیں، اسی لئے ائمہ حدیث نے اپنی مؤلفات میں ان دعاؤں کو "جامع الدعوات" کے زیر عنوان درج کیا ہے۔ یہ دعائیں امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو قدر شناسی اور شکرگزاری اور

ان دعاؤں کو اپنے دل کی آواز اور دعوت بنا لینے کی توفیق دے۔ جس بندے کو یہ دولت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي ... تا وَرَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ" (اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور سلامتی کا دارومدار ہے اور میری دنیا بھی درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے، اور میری آخرت بھی درست فرما دے جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے اور میری زندگی کو خیر اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے اور میری موت کو ہر شر سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ بہت ہی جامع دعا ہے، اس کا پہلا جز یہ ہے:

اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي.

اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور میری ہر چیز کی سلامتی اور تحفظ کا دارومدار ہے۔

دراصل دین ہی وہ چیز ہے کہ اگر وہ درست اور سلامت ہو تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی، لعنت اور اس کے غضب و عذاب سے مامون و محفوظ ہو کر اس کے لطف و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایک خاص درجہ کی حرمت و عصمت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اسی پر آدمی کی سلامتی، خیریت اور صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ اسی چیز کو اس دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں "عِصْمَةُ أَمْرِي" کہا گیا ہے۔ دین کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ایمان و یقین صحیح ہو، اس کے افکار و جذبات اور اعمال و اخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہو اور ظاہر ہے کہ اس کا دارومدار اللہ کی توفیق پر ہے، اس لئے ہر بندۂ مومن کے دل کی اولین مانگ اور پکار یہی ہونی چاہئے۔ اس دعا کا دوسرا جز ہے:

وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي.

اور میری دنیا درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مومن بندے کی دوسری مانگ اللہ تعالیٰ سے یہی ہونا چاہئے۔ تیسرا جز دعا کا یہ ہے:

وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي.

اور میری آخرت اچھی بنا دے، جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقل طور

سے آخرت کی درستی کی یہ دعا کی۔ ایک تو غالباً اس لئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دنیا کے لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندے کو آخرت کے بارے میں مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے: "وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ." (المومنون ۶۰) (اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ قبول ہوتا ہے یا نہیں ۱۲) چوتھا اور پانچواں جز دعا کا یہ ہے:

وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّي مِنْ كُلِّ شَرٍّ.

اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی میں اضافہ اور ترقی کا ذریعہ بنا دے اور موت کو ہر شر اور برائی سے راحت اور حفاظت کا ذریعہ بنا دے۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا ہی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کما سکتا ہے اور بدی بھی، وہ اس کے لئے سعادت میں ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین و دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ! میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنا دے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لمحات اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں، اور میری موت کو شرور و فتن کی زحمتوں سے راحت کا ذریعہ بنا دے، یعنی مستقبل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہو سکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت ان سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر ان سے مجھے راحت دے دے۔

یہ دعا بھی "جَوَامِعُ الْكَلِم" اور دعائیہ معجزہ کی بہترین مثال ہے، الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (اے میرے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... سبحان اللہ! کتنی مختصر اور کتنی جامع دعا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں بھی بھلائی مانگی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس میں دنیا اور آخرت کی ساری ہی اچھی مرغوبات اور مطلوبات آ گئیں۔ اور آخر میں عذاب دوزخ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی استدعا کی گئی ہے۔ الغرض دنیا اور آخرت میں ایک بندے کو جو کچھ چاہئے وہ سب اسی اس مختصر ترین دعا میں مانگ لیا گیا ہے۔ پھر اس کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ دراصل قرآن مجید کی دعا ہے اس فرق کے ساتھ کہ قرآن پاک میں اس کا پہلا لفظ "رَبَّنَا" ہے اور حدیث میں اس کی جگہ پہلا لفظ "اَللّٰهُمَّ" ہے۔ حاصل ایک ہی ہے۔

حضرت انس کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بکثرت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم

مومن کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز و معمول کی پیروی کی توفیق دے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدَرِ." (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ ۔۔۔ وَالرِّضٰى بِالْقَدَرِ." (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی اور عفت و پاکدامنی اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا) (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے۔ صحت و تندرستی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم ہو جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ مومن کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر بیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور ذکر اللہ کا ذوق و کیف بھی متاثر ہوتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث ہوتی ہے۔

امانت، قرآنی اور دینی زبان کا بہت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس سے مراد انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جو اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے۔ حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کے علاوہ عفت، امانت، حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے۔ یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے اور سوری دینی اور دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّىْ وَلَا تُعِنْ عَلَىَّ وَانْصُرْنِىْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَىَّ وَامْكُرْلِىْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَىَّ وَاهْدِنِىْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِىْ وَانْصُرْنِىْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَىَّ رَبِّ اجْعَلْنِىْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا. رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِىْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِىْ وَاَجِبْ دَعْوَتِىْ وَثَبِّتْ حُجَّتِىْ وَسَدِّدْ لِسَانِىْ وَاهْدِ قَلْبِىْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِىْ. (رواه الترمذى وابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "رَبِّ اَعِنِّىْ وَلَا تُعِنْ عَلَىَّ ۔۔۔ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِىْ." (اے میرے رب! میری مدد فرما، میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان) کی مدد نہ فرما، میری حمایت کر، (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما، مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراط مستقیم پر چلتے رہنا میرے لئے آسان فرما، جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ اے پروردگار! مجھے بنا دے اپنا خوب شکر کرنے والا، خوب ذکر کرنے والا، اپنے سے بہت

ڈرنے والا، سراپا اطاعت گزار و فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیاز مندی سے جھکنے والا، نرم دل اور تیری بارگاہِ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما لے، میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے، میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اس کو) مستحکم کر دے، میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنا دے، میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینہ کے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے۔ مندرجہ بالا سب ہی دعاؤں کا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ ہر دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں، خود عاجز اور بے بس ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں۔ اپنے اخلاق و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نظرِ کرم کا محتاج ہوں۔ میری صحت اور بیماری بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرما سکتا ہے، میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمالِ عبدیت ہے، اور بلاشبہ یہ کمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا، قَالَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَجْمَعُ ذَلِكَ كُلَّهُ؟ تَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی دعائیں فرمائیں جو ہمیں یاد نہیں رہیں تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں فرمائی تھیں ان کو ہم یاد نہیں رکھ سکے (اور ہم چاہتے ہیں کہ اللہ سے وہ سب دعائیں مانگیں، تو کیا کریں؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسی دعا بتائے دیتا ہوں جس میں وہ ساری دعائیں آ جائیں، اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرو کہ: ”اے اللہ! ہم تجھ سے وہ سب مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے مانگا، اور ہم ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں جن سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری پناہ چاہی، بس تو ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے اور تیرے ہی کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہنچانا۔ اور کسی مقصد کیلئے سعی و حرکت اور اس کو حاصل کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح...... دنیا میں ایسے ہی بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول شدہ زیادہ دعائیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ ان کے لئے اس حدیث میں نہایت آسان طریقہ بتا دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگا کریں کہ: اے اللہ!

تجھ سے جو کچھ تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگا ہے وہ سب مانگتا ہوں، اور جن چیزوں سے انہوں نے تیری پناہ چاہی میں ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس میں بھی کوئی تمنا اور مدعا ایسا نہیں ہے کہ جو بات اپنی ہی زبان میں کہی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس سے عرض کی جائے، دراصل وہ وہی ہے جو دل سے ہو۔

عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُولُ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ" (رواه مالک في الموطأ)

امام مالکؒ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ... غَيْرَ مَفْتُونٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق اور برے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق اور تیرے مسکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق۔ اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کیے بغیر اپنی طرف اٹھا لے۔) (موطا امام مالک)

تشریح ..... پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں کبھی کبھی بعض حدیثیں سند کا ذکر کیے بغیر "بَلَغَنِي" کے عنوان سے بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کو اصطلاح میں "بلاغات مالک" کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک یہ سب قابل قبول ہیں۔ یہ روایت بھی انہی "بلاغات" میں سے ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُعَلِّمُنَا أَنْ نَقُولَ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَأَسْأَلُكَ عَزِيمَةَ الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَقَلْبًا سَلِيمًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ" (رواه الترمذي والنسائي)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ ... إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ" (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملہ میں اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوجھ بوجھ میں پختگی اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق اور طالب ہوں تجھ سے لسان صادق اور قلب سلیم کا اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شر سے جس کا تجھے علم ہے اور سائل ہوں ہر اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں، تو ساری پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔) (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ..... اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیجئے، بیان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مومن کو عزیز ہونے چاہئیں۔ اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے کہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ:

"اے شداد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو بطور خزانہ کے جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَمِعْتُ دُعَاءَكَ اللَّيْلَةَ فَكَانَ الَّذِي وَصَلَ إِلَيَّ مِنْهُ أَنَّكَ تَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِيمَا رَزَقْتَنِي قَالَ فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَيْئًا. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ "رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعا کرتے سنا، اس دعا میں یہ الفاظ مجھے پوری طرح پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ ۔۔۔ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا رَزَقْتَنِيْ" (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لئے میرے گھر میں وسعت عطا فرما، اور تو نے جو رزق مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت دے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم نے دیکھا ان مختصر لفظوں نے کچھ بھی چھوڑا؟" (جامع ترمذی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کے رزق میں برکت دی جائے اس کو رہنے بسنے کے لئے ایسا مکان عطا ہو جس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھے اور اس میں وسعت محسوس کرے اور آخرت کیلئے اس کی لغزشوں، گناہوں کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ ہو جائے تو اس کو سب ہی کچھ مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری جملہ "هَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَيْئًا" کا مطلب یہی ہے کہ بندے کو جو کچھ چاہئے وہ اس مختصر سی دعا میں سب آ گیا ہے، چھوٹے چھوٹے ان تین کلموں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِيْشَةً نَقِيَّةً وَمِيْتَةً سَوِيَّةً وَمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ وَلَا فَاضِحٍ. (رواه البزار والحاكم والطبراني في الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ ۔۔۔ وَلَا فَاضِحٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں پاک صاف زندگی اور ٹھیک کی موت (جس میں کوئی برائی نہ ہو) اور (اصلی وطن آخرت کی طرف) ایسی مراجعت جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو۔) (مسند بزار، مستدرک حاکم، معجم کبیر طبرانی)

تشریح۔ آدمی کیلئے تین ہی مرحلے ہیں، ایک اس دنیا کی زندگی کا مرحلہ، دوسرا موت کا مرحلہ اور تیسرا دارِ آخرت کا مرحلہ۔ اس مختصر دعا میں تینوں مرحلوں کے لئے بڑے سادہ انداز میں بہترین دعا موجود ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَالِحَ مَا أَعْطَيْتَنِيْ. (رواه البزار)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ ۔۔۔ مَا أَعْطَيْتَنِيْ۔" (اے اللہ! مجھے پل بھر کے لئے میرے نفس کے حوالے نہ کر، اور جو کوئی اچھی چیز (اچھا عمل یا اچھا حال) تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لے) (مسند بزار)

تشریح..... بندوں کے پاس جو کچھ خیر ہے وہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی عطا سے ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہِ کرم پھیر لے اور بندے کو اس کے نفس کے حوالے کر دے تو وہ محروم ہو کے رہ جائے گا، اس لئے ہر عارف بندے کے دل کی یہ صدا ہوتی ہے کہ: "اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر، ہر دم میری نگرانی اور مجھ پر نظرِ رحم فرما۔"

عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ." (رواه الحاكم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ تا وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ" (اے اللہ! میرے بڑھاپے کے دنوں میں اور میری عمر کے آخری حصے میں میری روزی میں زیادہ سے زیادہ وسعت فرما) (مستدرک حاکم)

تشریح: ... بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے، کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جدوجہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں موت کے قریب کا زمانہ ہوتا ہے، اور ہر مومن کی آرزو یہ ہونی چاہیے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو، اس لئے یہ مسنون دعا ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہیے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ."

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ (مرفوعاً) "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَأَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَأَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهُ" قِيْلَ زِدْنَا قَالَ "أَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ." (رواہ احمد وابن ماجہ والطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا تا شَأْنَنَا كُلَّهُ." (اے اللہ! ہم کو بخش دے، ہم پر رحمت فرما اور دوزخ سے ہمیں بچا لے اور ہمارے حالات اور تمام معاملات درست فرما دے) آپ سے عرض کیا گیا: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے لئے اور زیادہ دعا فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا (اس دعا میں جو میں نے ابھی کی) ساری خیر کو ہم نے جمع نہیں کر لیا۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، معجم کبیر طبرانی)

تشریح: اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگی گئی ہے، رحمت مانگی گئی ہے، اللہ کی رضا اور قبولیت مانگی گئی ہے، جنت کا سوال اور دوزخ سے نجات مانگی گئی ہے، اور سب سے آخر میں استدعا کی گئی ہے کہ ہمارے جملہ معاملات اور سارے حالات درست فرما دے (وَأَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهُ) ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی بھی انسانی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس سے زیادہ جو کچھ مانگا جائے گا وہ اسی اجمال کی تفصیل ہوگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ." (یعنی اس دعا میں ہم نے وہ سب کچھ مانگ لیا ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں مطلوب ہو سکتا ہے)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ يَوْمًا فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا" (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی (اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کیفیت ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہو جایا کرتی تھی) جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رو ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا تا وَارْضَ عَنَّا." (اے اللہ! ہماری تعداد میں زیادتی اور اضافہ فرما، کمی نہ فرما، اور ہمیں عزت و عظمت عطا فرما، ہماری اہانت و ذلت نہ فرما، ہمیں اپنی ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما، ان سے محروم نہ فرما، ہمیں اپنا لے، ہمارے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح نہ دے، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیتیں

نازل ہوتی تھیں ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر غیر معمولی اثر تھا، اسی تاثر کے ماتحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص اہتمام سے اپنی جماعت اور امت کے لئے یہ دعا فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دعا زیادہ اہتمام سے کرنی ہو تو بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا۔" (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا تا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا۔" (اے اللہ! ہمارے آپس کے تعلقات درست فرما دے اور ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلا، اور ہر طرح کی گمراہیوں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لا، اور ظاہری و باطنی قسم کی ساری بے حیائیوں سے ہمیں بچا۔ اے اللہ! ہماری سماعت و بصارت اور ہمارے قلوب میں، اور اسی طرح ہمارے بیوی بچوں میں برکت عطا فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر عنایت فرما، تو بڑا عنایت فرمانے والا بڑا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناء خواں اور قدر کے ساتھ قبول کرنے والا بنا اور ہمیں اپنی وہ نعمتیں بھرپور عطا فرما۔) (معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم)

تشریح: اس جامع ترین دعا میں سب سے پہلے آپس کے تعلقات کی درستی اور دلوں کے جوڑ کی استدعا کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دلوں میں پھوٹ اور سینوں میں بغض و عداوت ہو تو دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی اور مادی و روحانی ساری نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ معاشرہ بغض و عداوت کے عذاب سے محفوظ ہو۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے دلوں کا باہمی جوڑ اور ان کے تعلقات کی خوشگواری بجائے خود اہم مطلوبات میں سے ہے۔

آنکھوں، کانوں اور بیوی بچوں وغیرہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں برابر نصیب رہیں، اور ان سے وہ فوائد و برکات حاصل ہوتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہیں۔

نعمتوں کی قدر اور ان پر شکر و حمد کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور اس سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، اس لئے اس کو بھی اللہ سے مانگنا چاہئے اور ایک محتاج بندے کی حیثیت سے ہر نعمت کے اتمام کی بھی اس سے استدعا کرنی چاہئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَشْفِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔" (رواہ ابن عساکر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ تا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔" (اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں نصیب فرما جو تیرے عذاب اور غضب کے خوف سے آنسوؤں کی بارش برسا کر دل کو سیراب کر دیں، اس گھڑی کے آنے سے پہلے جب کہ آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی اور بہت سے مجرموں کی داڑھیں انگارہ بن گئی ہوں گی۔) (ابن عساکر)

تشریح جن کو اللہ نے حقائق کی معرفت دی ہے ان کے نزدیک دل کی "محمودہ" اور بہار ہے جو اللہ کے خوف سے رونے اور آنسوؤں کی بارش برسانے ان کے دل اسی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اسی لئے وہ اللہ سے رونے والی آنکھیں مانگتے ہیں۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ" قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام جو دعائیں کیا کرتے تھے ان میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ ... وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ." (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت (یعنی مجھے اپنی محبت عطا فرما) اور اپنے ان بندوں کی محبت بھی مجھے عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، اور ان اعمال کی بھی محبت مجھے عطا فرما جو تیری محبت کے مقام تک پہنچاتے ہوں۔ اے اللہ! ایسا کر دے کہ اپنی جان اور اہل و عیال کی محبت اور ٹھنڈے پانی کی چاہت سے بھی زیادہ مجھے تیری محبت اور چاہت ہو) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "وہ بہت ہی زیادہ عبادت گزار بندے تھے۔" (جامع ترمذی)

تشریح۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے جذبۂ محبت اور عشقِ الٰہی کی آئینہ دار تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی پسند تھی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور سے صحابہ کرام کو بتلائی۔ وصفِ نبوت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک شرف ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ خصائص بھی ہوتے ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثرتِ عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِيْ حُبُّهُ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِيْ فِيْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِيْ فِيْمَا تُحِبُّ." (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ ... فِيْمَا تُحِبُّ." (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما جن کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع مند ہو۔ اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں ان سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو تجھے محبوب ہیں، اور میری رغبت و چاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو ان کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں)۔ (جامع ترمذی)

تشریح... آدمی کو اس کی مرغوبات دے دی جائیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ ان میں مست اور منہمک ہو کر خدا سے

نہ ملیں ہو جائے یا وہ ان کو اس طرح استعمال کرے کہ معاذ اللہ خدا سے اور دور ہو جائے۔ اسی طرح مرغوبات نہ ملنے کی صورت میں بھی امکان ہے کہ وہ دوسری قسم کی خرافات میں اپنا وقت برباد کرے۔ اس لئے بندے کو برابر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اگر اس کی مرغوبات عطا فرمائے تو اس کو اس کی بھی توفیق دے کہ وہ مرغوبات کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائے اور اگر مرغوبات نہ ملیں اور اس کی وجہ سے فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو توفیق ملے کہ فارغ اور خالی وقت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں لگائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دعا اور اس کا ہر جزو بلاشبہ معرفت کا خزانہ ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا كَانَ عِنْدَهَا يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ. (رواه الترمذی)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ." (اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھ)۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس روایت میں آگے حضرت ام سلمہ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ (حضرت ام سلمہ کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لغزشوں سے محفوظ ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ جس بندے کو اپنے نفس کی اور ساتھ ہی اپنے رب کی معرفت نصیب ہوگی اس کا یہی حال ہوگا اور وہ بھی اپنے کو مامون و محفوظ نہیں سمجھے گا۔ بندوں کے حق میں یہی بلندی اور کمال ہے۔

صبح وشام کی مسنون دعائیں

جب صبح ہو تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ. (ترمذی)

اے اللہ تیری قدرت سے ہم صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم جیتے اور مرتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے۔ (ترمذی)

جب سورج نکلے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَقَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوبِنَا (مسلم)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے آج کے دن ہمیں معاف رکھا اور گناہوں کے سبب ہمیں ہلاک نہ فرمایا۔ (مسلم)

جب شام ہو تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ (ترمذی)

اے اللہ ہم تیری قدرت سے شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے جیتے اور مرتے ہیں اور مرنے کے پیچھے جی اٹھ کر تیری ہی طرف جانا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بندہ ہر صبح وشام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔ (ترمذی)

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

اللہ کے نام سے ہم نے صبح کی (یا شام کی) جس کے نام کے ساتھ آسمان یا زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص صبح کو یہ پڑھ لے۔

اَللّٰهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ

"اے اللہ اس صبح کے وقت جو بھی کوئی نعمت مجھ پر یا کسی بھی دوسری مخلوق پر ہے وہ صرف تیری ہی طرف سے ہے تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے۔

تو اس نے اس دن کے انعامات خداوندی کا شکریہ ادا کر دیا اور اگر شام کو کہے تو اس رات کے انعامات خداوندی کا شکریہ ادا کر دیا۔ (ابو داؤد، نسائی، فیروز آبادی) اور اگر شام کو پڑھے تو ما اصبح بی کی جگہ ما امسیٰ بی کہے۔

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ صبح و شام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ کے ذمہ ہو گا کہ قیامت کے دن اسے راضی کرے۔

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا (ترمذی)

”میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے پر اور اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی ہوں۔“ (ترمذی)

رات کو پڑھنے کی چیزیں۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر رات میں سورۂ واقعہ (پ ۲۷) پڑھ لیا کرے اسے فاقہ نہ ہو گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آل عمران کی آخری دس آیتیں

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ سے آخر سورت تک کسی رات کو پڑھ لے تو اسے رات بھر نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (دارمی)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تک سورۂ الم سجدہ (جو اکیسویں پارہ میں ہے) اور سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے تھے اس وقت تک نہ سوتے تھے۔ (ترمذی وغیرہ)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں (آمن الرسول سے ختم سورت تک) جو شخص کسی رات کو پڑھ لے گا تو یہ دونوں آیتیں اس کیلئے کافی ہوں گی یعنی وہ ہر شر اور مکروہ سے محفوظ رہے گا۔ (بخاری و مسلم)

سوتے وقت پڑھنے کی چیزیں۔ جب سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے اور اپنے بستر کو تین بار جھاڑ لے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے اور سر یا رخسار کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر یہ دعا تین بار پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ. (مشکوٰۃ شریف)

”اے اللہ تو مجھ اپنے عذاب سے بچائیو جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔“

یا یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى. (بخاری مسلم) ”اے اللہ میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔“ (بخاری مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے اپنے بستر پر پہلو رکھا اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ھو اللہ احد پڑھ لی تو موت کے علاوہ تو ہر چیز سے بے خوف ہو گیا۔ (حصن حصین)

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کچھ بتا دیجئے جسے (سوتے وقت) پڑھ لیا کروں جبکہ اپنے بستر پر لیٹوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ قل یا ایھا الکافرون پڑھ لو کیونکہ اس میں شرک سے بیزاری (کا اعلان) ہے۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی)

بعض حدیثوں میں ہے کہ اسکو پڑھ کر سو جائے یعنی اس کو پڑھنے کے بعد کسی سے نہ بولے۔ (حصن حصین)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو جب (سونے کے لئے) بستر پر تشریف لاتے تو سورۂ قل ھو اللہ احد اور سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور سورۂ قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں پر اس طرح دم کرتے کہ کچھ تھوک کے جھاگ بھی نکل جاتے اس کے بعد جہاں تک ممکن ہو سکتا پورے بدن پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے تھے تین مرتبہ ایسا ہی کرتے تھے اور ہاتھ پھیرتے وقت سر اور چہرہ اور سامنے کے حصے سے شروع فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

اسکے علاوہ ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر بھی پڑھے (مشکوٰۃ) اور آیۃ الکرسی بھی پڑھے۔ اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ کی جانب سے رات بھر ایک محافظ فرشتہ مقرر رہے گا اور کوئی شیطان اسکے پاس نہ آئے گا۔ (بخاری)

نیز یہ بھی تین بار پڑھے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت پڑھنے والے کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ترمذی)

جب سونے لگے اور نیند نہ آئے تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَاَتِ الْعُیُوْنُ وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَهْدِئْ لَیْلِیْ وَاَنِمْ عَیْنِیْ (حصن حصین)

اے اللہ ستارے دور چلے گئے اور آنکھوں نے آرام لیا اور تو زندہ ہے اور قائم رکھنے والا ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ اے زندہ اور قائم رکھنے والے میری رات کو مجھے آرام دے اور میری آنکھ کو سلا دے۔ (حصن حصین)

جب سوتے سوتے ڈر جائے یا گھبراہٹ ہو جائے یا نیند اچٹ جائے تو یہ دعا پڑھے

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ (حصن حصین)

اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے واسطے سے میں اللہ کے غضب سے اور اسکے عذاب اور اسکے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور میرے پاس انکے آنے سے پناہ چاہتا ہوں۔ (حصن حصین)

فائدہ: جب خواب میں اچھی بات دیکھے تو الحمد للہ کہے اور اسے بیان کر دے مگر اسی سے کہے جس سے اچھے تعلقات ہوں اور سمجھدار ہو (تاکہ بری تعبیر نہ دے) اور اگر برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دے اور کروٹ بدل دے یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے اور تین مرتبہ یوں کہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَمِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرُّؤْیَا۔ (حصن حصین)

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے اور اس خواب کی برائی سے۔ (حصن حصین)

برے خواب کو کسی سے ذکر نہ کرے یہ سب عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ خواب اسے کچھ ضرر نہ پہنچائے گا۔ (مشکوٰۃ و حصن حصین)

انتباہ: اپنی طرف سے بنا کر جھوٹا خواب بیان کرنا سخت گناہ ہے۔ (بخاری)

جب سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (بخاری و مسلم)

سب تعریفیں خدا ہی کیلئے ہیں جس نے ہمیں مار کر دوبارہ زندگی بخشی اور ہم کو اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔ (بخاری، مسلم)

یا یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو مُردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (حصن)

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پڑھنے کی دعا

جب بیت الخلاء جائے تو داخل ہونے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ کہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان کی آنکھوں اور انسان کی شرمگاہوں کے درمیان بسم اللہ آڑ بن جاتی ہے اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت۔ (مشکوٰۃ، حصن حصین)

جب بیت الخلاء سے نکلے تو غُفْرَانَكَ کہے اور یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ (مشکوٰۃ)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے عافیت دی۔ (مشکوٰۃ)

جب وضو کرنا شروع کرے تو پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہے۔ (حدیث شریف میں وضو کے شروع میں اللہ کا نام لینا آیا ہے اس کے الفاظ نہیں آئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ لے ۱۲)

وضو کے درمیان یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ (حصن عن النسائی)

اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے قبر کے گھر کو وسیع فرما اور میرے رزق میں برکت دے۔ (حصن عن النسائی)

جب وضو کر چکے تو آسمان کی طرف منہ کر کے یہ دُعا پڑھے

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کو وضو کے بعد پڑھنے سے پڑھنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (مشکوٰۃ) بعض روایت میں اس کو وضو کے بعد تین بار پڑھنا آیا ہے۔ (حصن حصین)

پھر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں اور بہت پاک رہنے والوں میں شامل فرما۔ (حصن)

اور یہ دُعا بھی پڑھے

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ. (حصن عن مستدرک)

اے اللہ تو پاک ہے اور میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود ہے اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ (حصن عن المستدرک)

جب مسجد میں داخل ہو تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ. (مشکوٰۃ)

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (مشکوٰۃ)

خارج نماز مسجد میں یہ پڑھے

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. (مشکوٰۃ باب المساجد)

اللہ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

مسجد سے نکلے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف)

جب اذان کی آواز سنے تو یہ پڑھے

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کو رب ماننے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول ماننے پر اور اسلام کو دین ماننے پر راضی ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز سن کر جو شخص اسکو پڑھے اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (مسلم)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مؤذن کا جواب دے اس کے لئے جنت ہے (حصن) لہٰذا مؤذن کا جواب دے یعنی جو مؤذن کہے وہی کہتا جائے مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے (مسلم)

جب مغرب کی اذان ہو تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ فَاغْفِرْلِیْ (مشکوٰۃ)

اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے کا وقت ہے اور تیرے پکارنے والوں کی آوازیں ہیں سو تو مجھے بخش دے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا اذان مغرب کے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی۔ (ابو داؤد)

اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھ کر یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

اے اللہ! اس پوری پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ عطا فرما (جو جنت کا ایک درجہ ہے) اور ان کو فضیلت عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا ہے۔

اس کے پڑھ لینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (بخاری)

جب گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا

اے اللہ میں تجھ سے اچھا داخل ہونا اور اچھا باہر جانا مانگتا ہوں ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا جو ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔ (مشکوٰۃ)

جب گھر سے نکلے تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (ترمذی)

میں اللہ کا نام لے کر نکلا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کی قوت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گھر سے نکل کر اس کو پڑھے تو اس کو (غائبانہ) ندا دی جاتی ہے کہ تیری ضرورتیں پوری ہوں گی اور تو (ضرر اور نقصان سے) محفوظ رہے گا اور ان کلمات کو سن کر شیطان وہاں سے ہٹ جاتا ہے یعنی اس کے بہکانے اور ایذا دینے سے باز رہتا ہے۔ (ترمذی)

اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ (مشکوٰۃ)

اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے۔ (مشکوٰۃ) سیدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے نکلے ہوں اور یہ دعا نہ پڑھی ہو۔

جب بازار میں داخل ہو تو یہ پڑھے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کیلئے ملک ہے اور اسی کیلئے حمد ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ بازار میں اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرما دیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرما دیں گے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

اور یہ بھی پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْھَا یَمِیْنًا فَاجِرَۃً اَوْ صَفْقَۃً خَاسِرَۃً (حصن)

"میں اللہ کا نام لے کر داخل ہوا اے اللہ میں تجھ سے اس بازار کی اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کی خیر طلب کرتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بازار کے شر سے اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کے شر سے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ یہاں جھوٹی قسم کھاؤں یا معاملہ میں نقصان اٹھاؤں۔ (حصن)

فائدہ: بازار سے واپس آنے کے بعد قرآن شریف کی دس آیات کہیں سے پڑھے۔ (حصن عن الطبرانی)

جب کھانا شروع کرے تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ "میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔" (حصن)

اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یاد آنے پر یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ (ترمذی) "میں نے اس کے اول و آخر میں اللہ کا نام لیا۔" (ترمذی)

فائدہ: کھانے پر بسم اللہ پڑھی جائے تو شیطان کو اس میں کھانے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب کھانا کھا چکے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حصن)

"سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔" (حصن)

یا یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْهُ (ترمذی)

"اے اللہ تو ہمیں اس میں برکت عنایت فرما اور اس سے بہتر نصیب فرما۔" (ترمذی)

یا یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

"سب تعریفیں خدا ہی کیلئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے نصیب کیا بغیر میری قوت اور کوشش کے۔" کھانے کے بعد اسکے پڑھ لینے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

جب دسترخوان سے اٹھنے لگے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ غَیْرَ مَكْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا (بخاری)

"سب تعریف اللہ کیلئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہو اور پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو اے ہمارے رب ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر یا بالکل رخصت کر کے یا اس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اٹھا رہے ہیں۔" (بخاری)

دودھ پی کر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (ترمذی)

"اے اللہ تو اس میں ہمیں برکت دے اور ہم کو اور زیادہ دے۔" (ترمذی)

جب کسی کے یہاں دعوت کھائے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ (مسلم)

"اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔" (مسلم)

یا یہ پڑھے

اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّآئِمُوْنَ (مشکوٰۃ)

"نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر رحمت بھیجیں اور روزہ دار تمہارے پاس افطار کریں۔" (مشکوٰۃ)

ان کے سوا وہ دعائیں بھی جو پہلے گذر چکی ہیں، جن میں اللہ کا شکر موجود ہے۔

جب میزبان کے گھر سے چلنے لگے تو اسے یہ دُعا دے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ (مشکوۃ)

"اے اللہ ان کے رزق میں برکت دے اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔" (مشکوۃ)

پانی یا اور کوئی پینے کی چیز بیٹھ کر پئے، اور اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پئے بلکہ دو یا تین سانسوں میں پئے، اور برتن میں سانس نہ لے، اور نہ پھونک مارے، اور جب پینے لگے تو بسم اللہ پڑھ لے اور جب پی چکے تو الحمدللہ کہے۔ (مشکوۃ)

جب روزہ افطار کرنے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (مشکوۃ)

"اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق پر روزہ کھولا۔ (مشکوۃ)

افطار کے بعد یہ پڑھے

ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ (ابو داؤد)

"پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ان شاء اللہ ثواب ثابت ہوگیا۔" (ابو داؤد)

اگر کسی کے یہاں افطار کرے تو ان کو یہ دُعا دے

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (حصن)

"تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں اور نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر رحمت بھیجیں۔" (حصن)

جب کپڑا پہنے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ

"سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے یہ کپڑا مجھے پہنایا اور نصیب کیا، بغیر میری کوشش اور قوت کے۔"

کپڑا پہن کر اس کو پڑھ لینے سے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوۃ)

جب نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ (مشکوۃ)

"اے اللہ تیرے ہی لئے سب تعریف ہے جیسا کہ تو نے یہ کپڑا مجھے پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔" (مشکوۃ)

نیا کپڑا پہننے کی دوسری دُعاء

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیا کپڑا پہننے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ۔

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرم کی جگہ چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اسکے ذریعہ خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔"

اور پھر پرانے کپڑے کو صدقہ کردے تو زندگی میں اور مرنے کے بعد خدا کی حفاظت اور خدا کی ستاری میں رہے گا۔ (یعنی خدا اسے مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور اسکے گناہوں کو پوشیدہ رکھے گا)۔ (مشکوٰۃ)

فائدہ۔ جب کپڑا اتارے تو بسم اللہ کہہ کر اتارے کیونکہ بسم اللہ کی وجہ سے شیطان اس کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھ سکے گا۔ (حصن)

جب کسی مسلمان کو نیا کپڑا پہنے دیکھے تو یوں دُعا دے

تُبْلِیْ وَیُخْلِفُ اللّٰهُ (حصن حصین)

"تم اس کپڑے کو پرانا کرو اور اس کے بعد خدا تمہیں اور کپڑا دے۔" (حصن حصین)

"یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں ترقی دے اور اس کپڑے کو پہننا اور استعمال کرنا اور بوسیدہ کرنا اور اس کے بعد دوسرا کپڑا پہننا نصیب فرمائے) یہ الفاظ مردوں کو اور لڑکوں کو دُعا دینے کیلئے ہیں اگر کسی عورت کو نیا کپڑا پہنے دیکھے تو یہ الفاظ کہے:۔

اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ ثُمَّ اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ "یعنی اسے پرانا کرو پھر پرانا کرو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم خالدؓ کو یہ دُعا دی تھی۔ حضرت اُم خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی چادر اچھی قسم کی تھی۔ آپ نے فرمایا میرے پاس اُم خالد کو لے آؤ (یہ اس وقت چھوٹی سی تھیں) چنانچہ مجھ کو (گود میں) اٹھا کر لایا گیا پس آپ نے اپنے مبارک ہاتھ میں وہ چادر لے کر مجھے اڑھا دی اور دُعا دیتے ہوئے یہ فرمایا "اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ ثُمَّ اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ" (اسے پرانا کرے پھر اسے پرانا کرے)

حضرت اُم خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس چادر میں سبز رنگ یا پیلے رنگ کے نشان (گوٹ یا چھاپ یا کڑھائی کے کام کے) تھے۔ آپ نے فرمایا اے اُم خالد یہ اچھا ہے (جیسے بچوں سے دل خوش کرنے کے لئے باتیں کیا کرتے ہیں) حضرت اُم خالدؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں (آپ کی پشت کے پیچھے جا کر خاتم النبوۃ سے کھیلنے لگی) تو میرے والد نے مجھے جھڑک دیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھوڑ دو اسے (یعنی کچھ نہ کہو)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۶ بحوالہ بخاری)

جب آئینہ دیکھے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (حصن حصین)

"اے اللہ جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی میرے اخلاق بھی اچھے کردے۔" (حصن حصین)

دولہا کو یوں مبارکبادی دے

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ (احمد و ترمذی)

"اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم دونوں کا خوب نباہ کرے۔" (ترمذی)

جب چاند پر نظر پڑے تو یہ پڑھے

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا (ترمذی) "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے۔" (ترمذی)

نیا چاند دیکھے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ (حصن)

"اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور برکت اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور ان اعمال کی توفیق کے ساتھ نکالا ہوا رکھ، جو تجھے پسند ہیں، اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔" (حصن)

جب کسی کو رخصت کرے تو یہ پڑھے

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (ترمذی)

"اللہ کے سپرد کرتا ہوں تیرا دین اور تیری امانت داری کی صفت اور تیرے عمل کا انجام۔" (ترمذی)

اور اگر وہ سفر کو جا رہا ہے تو یہ دعا بھی اس کو دے

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ (ترمذی)

"خدا پرہیزگاری کو تیرے سفر کا سامان بنائے اور تیرے گناہ بخشے اور جہاں تو جائے وہاں تیرے لئے خیر آسان فرما دے۔" (ترمذی)

پھر جب وہ روانہ ہو جائے تو یہ دعا دے

اَللّٰهُمَّ اطْوِ لَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ (ترمذی)

"اے اللہ اس کے سفر کا راستہ جلدی طے کرا دے اور اس پر سفر آسان فرما دے۔" (ترمذی)

جو رخصت ہو رہا ہو وہ رخصت کرنے والے سے یوں کہے

أَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهُ (حصن)

"تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کی حفاظت میں دی ہوئی چیزیں ضائع نہیں ہوتیں۔" (حصن)

جب سفر کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصُوْلُ وَبِکَ اَحُوْلُ وَبِکَ اَسِیْرُ (حصن)

"اے اللہ میں تیری ہی مدد سے (دشمنوں پر) حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے ان کے دفع کرنے کی تدبیر کرتا ہوں، اور تیری ہی مدد سے چلتا ہوں۔" (حصن)

جب سوار ہونے لگے

اور رکاب یا پائدان پر قدم رکھے تو بسم اللہ کہے اور جب جانور کی پشت یا سیٹ پر بیٹھ جائے تو الحمد للہ کہے پھر یہ آیت پڑھے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ الخ

"اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا، اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے، اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔" (سورۂ زخرف پارہ ۲۵)

اس کے بعد تین مرتبہ الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھے۔

سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (من مشکوٰۃ)

"اے اللہ تو پاک ہے بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے۔" (من مشکوٰۃ)

جب سفر کو روانہ ہونے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ وَدَعْوَۃِ الْمَظْلُوْمِ

"اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہیں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما دے، اور اس کا راستہ جلدی طے کرا دے، اے اللہ! تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے، اور ہمارے پیچھے گھر بار کا کارساز ہے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور گھر بار میں بری واپسی سے اور بری حالت کے دیکھنے سے اور بننے کے بعد بگڑنے سے اور مظلوم کی بددعا سے۔" (مشکوٰۃ از مسلم)

فائدہ۔ سفر کو روانہ ہونے سے قبل اپنے گھر میں دو رکعت نماز نفل پڑھنا بھی مستحب ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی)

فائدہ۔ جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر پڑھے اور جب بلندی سے نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے اور جب کسی پانی بہنے کے نشیب میں گزرے تو لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھے اگر سواری کا پیر پھسل جائے (یا ایکسیڈنٹ ہو جائے تو) بسم اللہ کہے۔ (حصن)

بحری جہاز یا کشتی میں سوار ہو تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

"اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بے شک میرا پروردگار ضرور بخشنے والا، مہربان ہے اور کافروں نے خدا کو نہ پہچانا جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی (مٹھی اور داہنے ہاتھ کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں ۲) میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک ہے اور اس عقیدہ سے برتر ہے جو مشرک شرکیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔" (حصن حصین)

جب کسی منزل یا ریلوے اسٹیشن یا موٹر اسٹینڈ پر اترے تو یہ پڑھے

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (مسلم)

"اللہ کے پورے کلمات کے واسطے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کی مخلوق کے شر سے۔" (مسلم)

اس کے پڑھ لینے سے کوئی چیز وہاں سے روانہ ہونے تک ان شاء اللہ ضرر نہ پہنچائے گی۔

جب وہ بستی آ جائے جس میں جانا ہے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا (حصن)

"اے اللہ! جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے، سو ہم تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کی آبادی کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں جو اس کے اندر ہیں۔" (حصن)

جب کسی شہر یا بستی میں داخل ہونے لگے تو تین بار یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا (حصن) "اے اللہ تو ہمیں اس میں برکت دے۔" (حصن)

پھر یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا (حصن عن طبرانی)

"اے اللہ تو ہمیں اس کے میوے نصیب فرما اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت اور یہاں کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما۔" (حصن عن طبرانی)

جب سفر میں رات ہو جائے تو یہ پڑھے

يَا أَرْضُ رَبِّي وَرَبُّكِ اللّٰهُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ مِنْ أَسَدٍ وَأَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِي الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ. (حصن)

"اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہیں اور جو تجھ پر چلتی ہیں اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیر سے اور اژدہے سے اور سانپ سے اور بچھو سے اور اس شہر کے رہنے والوں سے اور باپ سے اور اولاد سے۔" (حصن)

سفر میں جب سحر کا وقت ہو تو یہ پڑھے

سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَنِعْمَتِهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَأَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (مسلم)

"سننے والے نے (ہم سے) اللہ کی تعریف بیان کرنا سنا اور اس کی نعمت کا اور ہم کو اچھے حال میں رکھنے کا اقرار جو ہم نے کیا وہ بھی سنا، اے ہمارے رب تو ہمارے ساتھ رہ اور ہم پر فضل فرما، دعا کرتے ہوئے دوزخ کی پناہ چاہتا ہوں۔" (مسلم)

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھے۔ (حصن عن مستدرک)

فائدہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو سوار اپنے سفر میں دنیاوی باتوں سے دل ہٹا کر اللہ کی طرف دھیان رکھے اور اس کی یاد میں لگا رہے تو اس کے ساتھ فرشتہ رہتا ہے، اور جو شخص واہیات شعروں یا کسی اور بیہودہ شغل میں لگا رہتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان رہتا ہے۔ (حصن)

اگر سفر میں دشمن کا خوف ہو تو سورۂ لایلٰف قریش پڑھے بعض بزرگوں نے اسکو مجرب بتایا ہے۔ (حصن)

سفر سے واپس ہونے کے آداب

جب سفر سے واپس ہونے لگے تو سواری پر بیٹھ کر سواری کی دعا پڑھنے کے بعد وہ دعا پڑھے جو سفر کو روانہ ہوتے وقت پڑھی تھی، یعنی اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى (آخر تک) اور جب روانہ ہو جائے تو سفر کی دیگر دعاؤں اور مسنون آداب کا خیال رکھتے ہوئے ہر بلندی پر اللہ اکبر تین بار کہے اور پھر یہ پڑھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (مشکوٰۃ)

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) بندگی کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور مخالف لشکروں کو شکست دی۔" (مشکوٰۃ)

سفر سے واپس ہو کر اپنے شہر یا بستی میں داخل ہوتے ہوئے پڑھے

آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (مسلم کتاب الحج)

"ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) بندگی کرنے والے ہیں اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔" (مسلم کتاب الحج)

فائدہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن سفر کیلئے روانہ ہونے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

سفر سے واپس ہو کر جب گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھے

اَوْبًا اَوْبًا لِرَبِّنَا تَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا (حصن)

"میں واپس آ گیا ہوں، میں واپس آ گیا ہوں اپنے رب کے سامنے ایسی توبہ کرتا ہوں جو ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے۔" (حصن)

جب کسی کو مصیبت یا پریشانی یا بُرے حال میں دیکھے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا

"سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے اس حال سے بچایا جس میں تجھے مبتلا فرمایا اور اس نے اپنی بہت سی مخلوق پر مجھے فضیلت دی۔"

اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے پڑھ لینے سے وہ مصیبت یا پریشانی پڑھنے والے کو نہ پہنچے گی جس میں وہ مبتلا تھا جسے دیکھ کر یہ دُعا پڑھی گئی۔ (مشکوۃ شریف)

فائدہ۔ اگر وہ شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس دُعا کو آہستہ پڑھے تا کہ اسے رنج نہ ہو اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہو تو زور سے پڑھے تا کہ اسے عبرت ہو۔

جب کسی مسلمان کو ہنستا دیکھے تو یوں دُعا دے

اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ (بخاری ومسلم) "خدا تجھے ہنساتا رہے۔" (بخاری ومسلم)

جب دشمنوں کا خوف ہو تو یوں پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ (ابوداؤد)

"اے اللہ ہم تجھے ان (دشمنوں) کے سینوں میں (تصرف کرنے والا) بناتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔" (ابوداؤد)

اگر دشمن گھیر لیں تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (حصن)

"اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور خوف ہٹا کر ہمیں امن سے رکھ۔" (حصن)

مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھے

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوْبُ إِلَيْکَ

''اے اللہ تو پاک ہے، اور میں تیری حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔''

اگر مجلس میں اچھی باتیں کی ہوں گی تو یہ کلمات ان پر مہر بن جائیں گے اور اگر فضول اور لغو باتیں کی ہوں گی تو یہ کلمات ان کا کفارہ بن جائیں گے۔ (ابوداؤد وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ ان کلمات کو تین بار کہے۔ (ترغیب)

جب کوئی پریشانی ہو تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَکَ أَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ (حصن)

''اے اللہ میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں تو مجھے پل بھر کو بھی میرے سپرد نہ فرما اور میرا سارا حال درست فرما دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (حصن)

یا یہ پڑھے

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِيْلُ (سورۂ آل عمران پارہ ۴) ''اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔'' (سورۂ آل عمران پارہ ۴)

یا یہ پڑھے

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِکُ بِهٖ شَيْئًا (حصن)

''اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں کرتا۔'' (حصن)

یا یہ پڑھے

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ أَسْتَغِيْثُ (مستدرک حاکم)

''اے زندہ اور قائم رکھنے والے، میں تیری رحمت کے واسطے فریاد کرتا ہوں۔'' (مستدرک حاکم)

یا یہ پڑھے

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّيْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں (ہی قصور وار ہوں کہ) اپنی جان پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔''

(قرآن شریف میں ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا تھا۔ سورۂ انبیاء)

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مسلمان ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دُعا قبول فرمائیں گے۔ (ترمذی)

جس کے پاس صدقہ کرنے کو مال نہ ہو یہ درود پڑھا کرے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ (الترغیب عن ابن حبان)

"اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور تمام مؤمنین و مومنات، مسلمین و مسلمات پر (بھی) رحمت نازل فرما۔" (الترغیب عن ابن حبان)

شب قدر کی یہ دُعا ہے

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (ترمذی)

"اے اللہ! بیشک تو معاف فرمانے والا ہے معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے۔" (ترمذی)

اپنے ساتھ احسان کرنے والے کو یہ دُعا دے

جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا (ترمذی) "تجھے اللہ (اس کی) جزائے خیر دے۔" (ترمذی)

جب قرضدار قرضہ ادا کر دے تو اس کو یوں دُعا دے

اَوْفَیْتَنِیْ اَوْفَی اللّٰہُ بِکَ (حصن) "تو نے میرا قرضہ ادا کر دیا اللہ تجھے (دنیا و آخرت میں) بہت دے۔" (حصن)

جب اپنی کوئی محبوب چیز دیکھے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ (حصن)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی نعمت سے اچھی چیزیں مکمل ہوتی ہیں۔" (حصن)

اور جب کبھی دل بُرا کر دینے والی چیز پیش آئے تو یوں کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (حصن) "ہر حال میں اللہ تعریف کا مستحق ہے۔"

جب کوئی چیز گم ہو جائے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ رَادَّ الضَّالَّةِ وَھَادِیَ الضَّالَّةِ اَنْتَ تَھْدِیْ مِنَ الضَّلَالَةِ اُرْدُدْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ بِقُدْرَتِکَ وَسُلْطَانِکَ فَاِنَّھَا مِنْ عَطَائِکَ وَفَضْلِکَ (حصن حصین)

"اے اللہ! اے گمشدہ کو واپس کرنے والے اور راہ بھٹکے ہوئے کو راہ دکھانے والے تو ہی گمشدہ کو راہ دکھاتا ہے اپنی قدرت اور غلبیت کے ذریعہ میری گمشدہ چیز کو واپس فرما دے کیونکہ وہ بے شک تیری عطا اور تیرے فضل سے مجھے ملی تھی۔" (حصن حصین)

جب نیا پھل پاس آئے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا

"اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمیں ہمارے شہر میں برکت دے اور غلہ ناپنے کے پیمانوں میں برکت دے۔"

اس کے بعد پھل کو اپنے سب سے چھوٹے بچے کو دیدے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجلس میں جو سب سے چھوٹا بچہ ہو اسکو دیدے۔) (حصن)

بارش کے لئے تین بار یہ دعا مانگے

اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا "اے اللہ ہماری فریاد رسی فرما۔" (مسلم)

یا یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ فِي اَرْضِنَا زِيْنَتَهَا وَسَكَنَهَا (حصن)

"اے اللہ ہماری زمین میں زینت (یعنی پھول بوٹے) اور زمین کا آرام نازل فرما۔" (حصن)

فائدہ۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنے کو بارش ہونے میں بڑا دخل ہے جیسا کہ ختم کتاب کے قریب ان شاء اللہ توبہ و استغفار کے بیان میں آ رہا ہے۔

جب بادل آتا ہوا نظر پڑے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اُرْسِلَ بِهٖ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا (حصن حصین)

"اے اللہ! ہم اس چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتے ہیں جسے لے کر یہ بادل بھیجا گیا اے اللہ نفع دینے والی بارش برسا۔" (حصن حصین)

اگر بادل برسے بغیر کھل جائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اللہ پاک نے اس کو کسی مصیبت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ (حصن)

جب بارش ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا (بخاری) "اے اللہ اس کو بہت برسنے والا اور نفع بخش بنا۔" (بخاری)

اور جب بارش حد سے زیادہ ہونے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالْاٰجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ (حصن)

"اے اللہ ہمارے آس پاس اس کو برسا اور ہم پر نہ برسا اے اللہ ٹیلوں اور جنگلوں پر اور پہاڑوں پر اور نالوں میں اور درخت پیدا ہونے کی جگہوں میں برسا۔" (حصن)

جب کڑکنے اور گرجنے کی آواز سنے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (ترمذی)

"اے اللہ! ہم کو اپنے غضب سے قتل نہ فرما اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے پہلے ہمیں عافیت نصیب فرما۔" (ترمذی)

اور جب آندھی آئے تو اس کی طرف منہ کرے اور دو زانو ہو کر یعنی حالت تشہد کی طرح بیٹھ کر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا (حصن)

"اے اللہ! اسے رحمت بنا اور اسے عذاب نہ بنا، اے اللہ! اسے نفع والی ہوا بنا اور نقصان والی نہ بنا۔" (حصن)

اگر آندھی کے ساتھ اندھیرا بھی ہو (جسے کالی آندھی کہتے ہیں) تو سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ (مشکوٰۃ)

ادائے قرض کے لئے یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

"اے اللہ حرام سے بچاتے ہوئے حلال کے ذریعہ میری کفایت فرما اور اپنے فضل کے ذریعہ مجھے اپنے غیر سے بے نیاز فرما دے۔"

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی مالی مجبوریوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں تم کو وہ کلمات نہ بتا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے؟ اگر بڑے پہاڑ کے برابر بھی تم پر قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا فرما دیں گے اس کے بعد یہی دُعا بتائی جو اوپر لکھی ہے۔ (ترمذی)

ادائے قرض کی دوسری دُعاء

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بڑے بڑے تفکرات نے اور بڑے بڑے قرضوں نے پکڑ لیا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو ایسے الفاظ نہ بتا دوں جن کے کہنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے تفکرات دور فرما دے اور تمہارے قرض کو ادا فرما دے اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح و شام یہ پڑھا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکرمندی سے اور رنج سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بے بس ہو جانے سے اور سستی کے آنے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں کنجوسی سے اور بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے غلبہ اور لوگوں کی زور آوری سے۔"

اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ پاک نے میری فکرمندی بھی دور فرما دی اور قرض بھی ادا فرما دیا۔ (ابوداؤد)

جب قربانی کرے تو جانور کو قبلہ رُخ لٹا کر یہ دُعا پڑھے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ

"میں نے اس ذات کی طرف اپنا رُخ موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا، اس حال میں کہ میں ابراہیم حنیف کے دین پر ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو رب العالمین ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اے اللہ یہ قربانی تیری توفیق سے ہے اور تیرے ہی لئے ہے۔"

عَنْ کے بعد اس کا نام لے جس کی طرف سے ذبح کر رہا ہو، اور اگر اپنی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو اپنا نام لے، اس کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے۔ (مشکوٰۃ)

جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو یوں سلام کرے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ "تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو"

اس کے جواب میں دوسرا مسلمان یوں کہے

"اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو" وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

اگر لفظ ورحمۃ اللہ نہ بڑھایا جائے تو سلام اور جواب سلام ادا ہو جاتا ہے، مگر جب مناسب الفاظ بڑھا دیئے جائیں تو ثواب بھی بڑھ جائے گا۔ (من المشکوٰۃ باب السلام)

اگر کوئی مسلمان سلام بھیجے تو جواب میں یوں کہے

وَعَلَیْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ (حصن)

"اس پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔" (حصن)

یا سلام لانے والے کو خطاب کر کے یوں کہے

وَعَلَیْکَ وَعَلَیْهِ السَّلَامُ "تم پر اور اس پر سلامتی ہو۔" (حصن)

جب چھینک آئے تو یوں کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ "سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔"

اس کو سن کر دوسرا مسلمان یوں کہے

یَرْحَمُکَ اللّٰہُ "اللہ تم پر رحم فرمائے۔"

اس کے جواب میں چھینکنے والا یوں کہے

یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ (مشکوٰۃ عن البخاری)

"اللہ تم کو ہدایت پر رکھے اور تمہارا حال سنوار دے۔" (مشکوٰۃ عن البخاری)

فائدہ۔ چھینک جسے آئی ہو اگر وہ عورت ہو تو جواب دینے والا یرحمک اللہ کاف کے زیر کیساتھ کہے۔

فائدہ اگر چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کیلئے یرحمک اللہ کہنا واجب نہیں ہوا اگر الحمد للہ کہے تو جواب دینا واجب ہے۔

فائدہ۔ چھینکنے والے کو زکام ہو یا اور کوئی تکلیف ہو جس سے چھینکیں آتی ہی چلی جائیں تو تین دفعہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں۔ (مرقات وحصن لیوم ولیلۃ لابن السنی)

بدفالی لینا

کسی چیز یا کسی حالت کو دیکھ کر ہرگز بدفالی نہ لے۔ اس کو حدیث شریف میں شرک فرمایا گیا ہے۔ اگر خواہ مخواہ بلا اختیار بدفالی کا خیال آ جائے تو یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَذْھَبُ بِالسَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ (حصن)

"اے اللہ بھلائیوں کو آپ ہی وجود دیتے ہیں، اور بدحالیوں کو صرف آپ ہی دور فرماتے ہیں، برائی سے بچانے اور نیکی پر لگانے کی طاقت صرف آپ ہی کو ہے۔" (حصن)

جب آگ لگی دیکھے

تو اللہ اکبر کے ذریعہ بجھاوے یعنی اللہ اکبر پڑھے جس سے بعون اللہ تعالیٰ بجھ جائیگی صاحب حصن حصین فرماتے ہیں کہ یہ مجرب ہے۔

جب کسی مریض کی مزاج پرسی کو جائے تو یوں کہے

لَا بَاْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ (مشکوٰۃ)

"کچھ حرج نہیں ان شاء اللہ یہ بیماری تم کو گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔" (مشکوٰۃ)

اور سات مرتبہ اس کے شفایاب ہونے کی یوں دعا کرے

نَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ

"میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑا ہے اور بڑے عرش کا رب ہے کہ تجھے شفا دے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات مرتبہ اس کے پڑھنے سے مریض کو ضرور شفاء ہوگی، ہاں اگر اس کی موت ہی آگئی ہو تو دوسری بات ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب کوئی مصیبت پہنچے (اگرچہ کانٹا ہی لگ جائے) تو یہ پڑھے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا (مسلم)

"بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میری مصیبت میں اجر دے اور اس کے عوض مجھے اس سے اچھا بدل عنایت فرما۔" (مسلم)

جب بدن میں کسی جگہ زخم ہو یا پھوڑا پھنسی ہو

تو شہادت کی انگلی کو منہ کے لعاب میں بھر کر زمین پر رکھ دے، اور پھر اٹھا کر تکلیف کی جگہ پر پھیرتے ہوئے یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (بخاری و مسلم)

"میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے جو ہم میں سے کسی کے تھوک میں ملی ہوئی ہے تاکہ ہمارے رب کے حکم سے شفاء ہو" (بخاری و مسلم)

اگر کوئی چوپایہ (بیل بھینس وغیرہ) مریض ہو تو یہ پڑھے

لَا بَأْسَ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا يَكْشِفُ الضُّرَّ إِلَّا أَنْتَ (حصن)

"کچھ ڈر نہیں ہے جاتا رہے، لوگوں کے رب مرض کو دور فرما (اس کو) شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی تکلیف کو دور نہیں کر سکتا" (حصن)

اس کو پڑھ کر چار مرتبہ چوپایہ کے داہنے نتھنے میں اور تین مرتبہ اس کے بائیں نتھنے میں دم کرے (حصن حصین عن ابن ابی شیبہ موقوفا علی ابن مسعود)

جس کی آنکھ میں درد یا تکلیف ہو تو یہ پڑھ کر دم کرے

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا

"میں اللہ کا نام لے کر دم کرتا ہوں، اے اللہ اس کی گرمی اور اس کی ٹھنڈک اور مرض کو دور فرما"

اس کے بعد یوں کہے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو) (حصن عن النسائی وغیرہ) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نظر بد لگ جانے پر اس کو پڑھ کر دم کرے۔

آنکھ دُکھنے آجائے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِبَصَرِيْ وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّيْ وَاَرِنِيْ فِي الْعَدُوِّ ثَأْرِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِيْ (حصن)

"اے اللہ! میری بینائی سے مجھے نفع پہنچا اور میرے مرتے دم تک اسے باقی رکھ اور دشمن میں میرا انتقام مجھے دکھا اور جس نے مجھ پر ظلم کیا اس کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔" (حصن)

جب اپنے جسم میں کوئی تکلیف ہو یا کوئی دوسرا مسلمان

کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو یہ پڑھے:

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ أَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ أَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ. (مشکوٰۃ)

"ہمارا رب وہ ہے جو آسمان میں (تصرف کرنے والا) ہے، تیرا نام پاک ہے تیرا حکم آسمان اور زمین میں جاری ہے، جیسا کہ تیری رحمت آسمان میں ہے سو تو زمین میں بھی اپنی رحمت بھیج اور ہمارے گناہ اور ہماری خطائیں بخش دے تو پاکیزہ لوگوں کا رب ہے سو تو اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفا اس درد پر اتار دے۔" (مشکوٰۃ)

فائدہ۔ جب کسی کو زہریلا جانور ڈس لے تو سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرے۔ (حصن)

فائدہ۔ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز تک سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر تھتکار دے۔ (حصن)

جسے بخار چڑھ آئے یا کسی طرح کا کہیں درد ہو تو یہ دعا پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ (ترمذی)

"اللہ کا نام لے کر شفا چاہتا ہوں جو بڑا ہے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو عظیم ہے، جوش مارتی ہوئی رگ کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔" (ترمذی)

بچھو کا زہر اتارنے کے لئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت نماز ایک مرتبہ بچھو نے ڈس لیا، آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بچھو پر اللہ کی لعنت ہو نہ نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے نہ کسی دوسرے کو۔ اس کے بعد پانی اور نمک منگایا اور نمک کو پانی میں گھول کر ڈسنے کی جگہ پر پھیرتے رہے اور سورۂ قل یایھا الکافرون اور سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور سورۂ قل اعوذ برب الناس پڑھتے رہے۔ (حصن حصین)

جلے ہوئے پر یہ پڑھ کر دم کرے

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ (حصن)

"اے سب انسانوں کے رب تکلیف کو دور فرما، تو شفا دینے والا ہے (کیونکہ) تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔" (حصن)

دم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہونٹوں کو ملا کر ذرا قریب کر کے اس طرح پھونک مارے کہ تھوک کے کچھ ذرات نکل جائیں جہاں دم کرنے کا ذکر ہے یہی مطلب سمجھنا چاہئے۔

اگر بدن میں کسی جگہ درد ہو یا کوئی اور تکلیف ہو تو تکلیف کی جگہ داہنا ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ کہے پھر سات بار یہ پڑھے:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ

"اللہ کی ذات اور اس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس چیز کے شر سے جس کی تکلیف پا رہا ہوں اور جس سے ڈر رہا ہوں۔" (مسلم)

ہر مرض کو دور کرنے کے لئے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ہم میں سے جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکلیف کی جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ پڑھتے تھے:

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

"اے لوگوں کے رب تکلیف دور فرما اور شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں ہے، ایسی شفاء دے جو ذرا مرض نہ چھوڑے۔" (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب علیل ہوتے تھے تو معوذات پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم فرماتے پھر سارے بدن پر ہاتھ پھیرتے تھے اور جس مرض میں آپ کی وفات ہوئی ہے اس میں معوذتین پڑھ کر میں آپ کے ہاتھ پر دم کرتی تھی، پھر آپ کے اس ہاتھ کو آپ کے (تمام بدن پر) پھیرتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو آپ اس پر معوذات پڑھ کر دم فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

بچہ کو مرض یا کسی شر سے بچانے کے لئے

أُعِيذُكَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

"میں اللہ کے پورے کلموں کے واسطے سے ہر شیطان اور ہر زہریلے جانور اور ضرر پہنچانے والی ہر آنکھ کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔" (بخاری)

مریض کے پڑھنے کے لئے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان مرض کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں چالیس مرتبہ پکارے

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں (اے اللہ) میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بے شک میں (گناہ کر کے اپنی جان پر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔" اور پھر اسی مرض میں مر جائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جائے گا اور اگر اچھا ہو گیا تو اس حال میں اچھا ہوگا کہ اس کے سب گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔ (مستدرک)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مرض میں یہ پڑھا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ

تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کیلئے حمد ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گناہوں سے بچانے اور نیکیوں پر لگانے کی طاقت اللہ ہی کو ہے۔"

اور اسی مرض میں اسکی موت آ گئی تو دوزخ کی آگ اسے نہ جلائے گی۔ (حصن حصین عن الترمذی)

اگر زندگی سے عاجز آ جائے

اور تکالیف کی وجہ سے جینا دشوار معلوم ہو تو موت کی تمنا اور دُعا ہرگز نہ کرے، اگر دُعا مانگنا ہی ہو تو یوں مانگے:

اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ

"اے اللہ! تو مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہو اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے اٹھا لیجئے۔" (مشکوٰۃ)

جب موت قریب معلوم ہونے لگے تو یوں دُعا کرے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (حصن حصین)

"اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے اوپر والے ساتھیوں میں پہنچا دے۔" (حصن حصین)

جانکنی کے وقت یہ دُعا کرے

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَکَرَاتِ الْمَوْتِ

"اے اللہ موت کی سختیوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔" (ترمذی)

فائدہ: موت کے وقت مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور جو مسلمان وہاں موجود ہو مرنے والے کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرے، یعنی اس کے سامنے بلند آواز سے کلمہ پڑھے تاکہ وہ بھی کلمہ پڑھ لے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ داخل جنت ہوگا۔ (حصن حصین) یعنی گناہوں کی وجہ سے سزا پانے سے بچ جائے گا، یا داخلہ جنت میں رکاوٹ نہ بنے گی۔

جانکنی کے وقت حاضرین میں سے کوئی شخص سورہ یٰسین شریف پڑھے، اس سے جانکنی میں آسانی ہو جاتی ہے۔ (حصن حصین عن ابو داؤد)

روح نکل جانے کے بعد میت کی آنکھیں بند کر کے یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ

"اے اللہ اسکو بخش دے اور ہدایت یافتہ بندوں میں (شامل فرما کر) اسکا درجہ بلند فرما، اور اسکے پسماندگان میں تو اس کا خلیفہ ہو جا اور اے رب العالمین ہمیں اور اسے بخش دے، اور اسکی قبر کو کشادہ اور منور فرما۔"

یہ دُعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہؓ کی موت کے بعد ان کی آنکھیں بند فرما کر پڑھی تھی، اور

غلام کی جگہ ان کو ہم نے لیا تھا۔ (ملحوظ از مصنف)

جب کوئی شخص کسی مسلمان میت پر دعا پڑھے تو فلاں کی جگہ اس کا نام لے اور نام سے پہلے حرف ندا لگا دے۔

میت کے گھرانے کا ہر آدمی اپنے لئے یوں دعا کرے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ وَاَعْقِبْنِیْ مِنْہُ عُقْبٰی حَسَنَۃً

اے اللہ مجھے اور اسے بخش دے اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔

میت کو قبر پر رکھتے ہوئے یا جنازہ اٹھاتے ہوئے بسم اللہ کہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، حدیث حسن)

جب کسی کا بچہ فوت ہوجائے

تو الحمدللہ، کہے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (حسن، ترمذی)

جب کسی کی تعزیت کرے تو سلام کے بعد یوں سمجھائے

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ

"بے شک جو اللہ نے لے لیا وہ اسی کا ہے اور جو اس نے دیا وہ اسی کا ہے اور ہر ایک کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (جو بے صبری یا کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا) لہٰذا صبر کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔"

ان الفاظ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تسلی دی تھی۔ (بخاری)

تمام اموات مسلمین و مسلمات کے لئے اور خصوصاً اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کیا کرے، اس سے ان کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

وہ دعائیں جن میں اللہ سے پناہ مانگی گئی ہے

ذخیرۂ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو دعائیں ماثور و منقول ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود کیں یا امت کو ان کی تعلیم و تلقین فرمائی ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیوی یا اُخروی، روحانی یا جسمانی، انفرادی یا اجتماعی نعمت اور بھلائی کا سوال کیا گیا ہے اور مثبت طور پر کسی حاجت اور ضرورت کے لئے استدعا کی گئی ہے جو دعائیں اس سلسلہ میں اب تک درج ہو چکی ہیں وہ سب اسی قبیل کی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی دعائیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں جن میں کسی خیر و نعمت اور کسی مثبت حاجت و ضرورت کے سوال کے بجائے دنیا یا آخرت کے کسی شر سے اور کسی بلا اور آفت سے پناہ مانگی گئی ہے اور حفاظت و بچاؤ کی استدعا کی گئی ہے۔ پھر جس طرح پہلا قسم کی دعاؤں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی اور کوئی حاجت و ضرورت ایسی نہیں ہے جس کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نہ کی ہو اور امت کو تلقین نہ فرمائی ہو۔ اسی طرح دوسری قسم کی دعاؤں کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ دنیا اور آخرت کا کوئی شر کوئی فساد کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت اس عالم وجود میں ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ غور کرنے اور سمجھنے والوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت روشن معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں انسانوں کی دنیوی و اخروی، روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی ظاہری اور باطنی، مثبت اور منفی ساری ہی حاجتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی حاجت نہیں بتائی جا سکتی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر سے بہتر پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو اور امت کو اس کے مانگنے کا طریقہ نہ سکھایا ہو۔ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ہی قسموں کی یعنی مثبت اور منفی دعائیں موجود ہیں اور بالکل آخری دو مستقل سورتیں "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اول سے آخر تک منفی قسم کی دعا یعنی استعاذہ ہی پر مشتمل ہیں اور اسی لئے ان کو "معوذتین" کہا جاتا ہے اور انہی پر قرآن مجید ختم ہوا ہے۔

قرآن پاک کے اسی طریقے ہی کی پیروی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ جو احادیث ایسی دعاؤں پر مشتمل ہیں جن میں شرور اور فتن و بلیات سے اور برے اعمال و اخلاق اور ہر قسم کی ناپسندیدہ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان کو آخر میں درج کیا جائے اور انہی کو اس سلسلہ کا خاتمہ بنایا جائے۔ اب ذیل میں وہی حدیثیں پڑھئے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جا سکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے: "جَهْدُ الْبَلَاءِ" (کسی بلا کی مشقت اور سختی) بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب پریشانی ہو، اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہو سکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب و تکالیف اور آفات و بلیات کو حاوی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے، وہ ہے "دَرْكُ الشَّقَاءِ" (بدبختی کا لاحق ہونا) اور تیسری چیز ہے: "سُوْءُ الْقَضَاءِ" (بری تقدیر) ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بدبختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گئی بلاشبہ اسے سب کچھ مل گیا۔ آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے "شَمَاتَةُ الْأَعْدَاءِ" (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا) بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف و اذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کیلئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْکِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ.

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بدبختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وآله وسلم یقول "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ." (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَمِّ .... وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ." (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی اور بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضے کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ..... اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر و غم، قرضے کا بار اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحب شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوت کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جراءت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے وہ اعمال نہیں کر سکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و

ہر حالی فقر سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مرتے دم تک ایمان واسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے اور اس کے ساتھ فقر و تنگدستی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دولت و ثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: "عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی (مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَرَّتَيْنِ)" (۱) اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی اور فقراء اور اہل فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی دخوش حالی تکبر و غرور پیدا کرے اور مال و دولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح اگر فقر و تنگی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناشکری کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا" (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے کی اور دل کی صفائی کی اور گناہوں سے بہت دور کئے جانے کی جو دعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر مثبت دعاؤں میں سے ہے، لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کی سلبی دعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ." (رواه ابوداود والنسائى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ." (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف اور نفاق سے اور برے اخلاق سے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... "شقاق" اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے۔ یہ تینوں چیزیں جن سے اس دعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی خلاف و شقاق، نفاق اور برے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کی دنیا کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی ہی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اتنی فکر کریں جتنی ایک مومن کو ہونی چاہئے اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ

الْجُوْعِ فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ" (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ تا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے، وہ بڑا تکلیف دہ رفیق خواب ہے اور خیانت کے جرم سے، وہ بہت بری اندرونی خصلت ہے) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیق خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے۔ اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بطانۃ" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پناہ مانگنا کمال عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے جو بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے اور اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

عَنْ اَبِي الْيَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَدْعُوْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ تا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں (اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے) ڈھے جانے سے اور (کسی بلندی کے اوپر سے) گر پڑنے سے اور (دریا وغیرہ میں) ڈوب جانے سے اور آگ میں جل جانے سے اور انتہائی بڑھاپے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے کاٹنے سے مجھے موت آ جائے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں ناگہانی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمان اور توبہ استغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مومن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنی چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ علیٰ ہذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑبڑا سکے اور گمراہ کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دارومدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے اور ان کو شہید قرار دیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ اپنی بشری کمزوری کے

خاتمہ سے متعلق ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے لیکن جب تقدیر الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آ جائے تو اس بندے کو اللہ کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس مفاجاتی موت ہی کی وجہ سے اس کو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائیں۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے بھی کچھ گنجائش ہوئی تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔ "انہ غفور رحیم"۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ" (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ان اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں اور ان اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے۔) (صحیح مسلم)

تشریح ..... کسی برے عمل کا سرزد ہو جانا اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا، دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے لوگ بھی پناہ مانگتے ہیں، لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے اور برے اور گندے عمل سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عجب و غرور اور تعلّی و پاکدامنی کا پندار نہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور برے عمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ سچ ہے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ"

توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِى الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح ..... اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہوگا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو ادائے حقوق عبودیت میں قصوروار سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اور مسلسل توبہ و استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّا كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِى الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِىْ وَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے: "رَبِّ اغْفِرْلِىْ وَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ" (اے میرے رب مجھے معاف کر دے، بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما، بے شک

توبہ کی عنایت فرمانے اور بہت ہی بخشنے والا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور ورد و وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سو دفعہ پڑھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے، ہم لوگ بھی حاضر رہتے، بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کے ساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے، اور ہم اپنے طور پر ان کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُولُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَإِذَا أَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا." (رواه ابن ماجه والبيهقي في الدعوات الكبير)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَإِذَا أَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا" (اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں میں سے کر دے جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور ان سے جب کوئی غلطی اور برائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔ (سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ۔۔ کسی بندے کو ان اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ ہے اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے، اسلئے اس کا حق ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اعمال حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا.

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت وعنایت پر اس کے بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے کوئی چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دکھ ہونا چاہئے اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہئے۔ جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے لئے دعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهٖ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ." (رواه احمد والترمذي وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ واستغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: قرآن مجید میں ایک موقع پر بد انجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ و استغفار کرے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے بلکہ معصیت و نافرمانی ہی کے راستے پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے اور کسی مسلمان کے لئے بلاشبہ یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ. (رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ نہیں رہتا اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ) اور وہ احادیث ان شاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیے جاتے ہیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِيْنَ۔

غفاریت کے ظہور کیلئے گناہوں کی ضرورت

عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ اَنَّهٗ قَالَ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ كُنْتُ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ يَغْفِرُ لَهُمْ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ ایک مخلوق پیدا کرے گا جس سے گناہ

بھی سرزد ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شان غفاریت کا ظہور ہوگا)۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہگاروں کو پسند فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گناہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کو ظاہر کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ظہور کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفت رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔ علیٰ ہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے۔ اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے ان میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفت مغفرت اور شان غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کہیں لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے بھی مروی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا، مجھے معاف فرما دے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے، اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رکا رہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا تو اس کو بخش دے اور معاف فرما دے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کر سکتا ہے، اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا

گناہ معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رکا رہا۔ اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے گناہ ہو گیا تو مجھے معاف فرما دے اور میرا گناہ بخش دے! تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، اب جو اس کا جی چاہے کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے جس بندے کا واقعہ بیان فرمایا ہے بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کوئی امتی ہو اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کا امتی ہو، لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کسی خاص اور متعین واقعہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ ایک نمونہ کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندے ہوں گے جن کا حال اور کردار یہی ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کے باوجود ان سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتے ہیں، اور اس کے بعد بھی ان سے بار بار گناہ صادر ہو جاتے ہیں اور وہ ہر بار سچے دل سے استغفار کرتے ہیں، ایسے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی کریمانہ معاملہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے: "غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ." (یعنی میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اب اس کا جو جی چاہے کرے) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اب اس کو گناہوں کی بھی اجازت دے دی گئی ہے، بلکہ ان الفاظ میں بندے کے مالک و مولیٰ کی طرف سے صرف اس لطف و کرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ: اے بندے تو جتنی بار بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا۔ میں تجھے معافی دیتا رہوں گا" اور تو اپنے اس صادق و سچے استغفار کی وجہ سے گناہوں کے زہر سے ہلاک نہ ہو گا، بلکہ یہ استغفار ہمیشہ تریاق کا کام کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مومن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا اور اس کے دل میں مالک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ ابھرے گا۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان فرمایا۔ اس روایت کی بناء پر یہ "حدیث قدسی" ہے۔

عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواه الترمذى وابوداؤد)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو بندہ (گناہ کر کے) استغفار کرے (یعنی سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے) وہ اگر دن میں ستر دفعہ بھی پھر وہی گناہ کرے تو (اللہ کے نزدیک) وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ... گناہ پر اصرار یعنی بے فکری اور بے خوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر دائم و قائم رہنا بڑی بدبختی اور بہت برے انجام کی نشانی ہے، اور ایسا عادی مجرم گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں ہے۔ اس حدیث میں واضح فرمایا گیا

ہے کہ اگر بندہ گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یعنی معافی مانگے تو پھر بار بار گناہ کرنے کے باوجود وہ "اصرار کرنے والوں" میں سے نہیں ہے۔ مگر ملحوظ رہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے اور زبان اس کی صرف ترجمانی کرتی ہے اگر استغفار اور معافی طلبی دل سے ہو تو بلاشبہ ستر دفعہ بلکہ ستر ہزار دفعہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی رحمت الٰہی کا مستحق ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے مجرموں میں سے نہیں ہے۔

کس وقت تک کی توبہ قابل قبول ہے

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر. (رواه الترمذي وابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... موت کے وقت جب بندے کی روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے، جسے عربی میں "غرغرہ" اور اردو میں "خرخرہ چلنا" کہتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور امید نہیں رہتی، یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ غرغرہ کی اس کیفیت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے جڑ جاتا ہے، اس لئے اس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول نہ ہوگا۔ ایمان اور توبہ اسی وقت تک کی معتبر اور قابل قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور امید ہو اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آ گئی ہو۔ قرآن پاک میں بھی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ. (النساء ۴: ۱۸)

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حدیث کے مضمون کا ماخذ بظاہر یہی آیت ہے اور اس کا پیغام یہی ہے کہ:

بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملہ میں ٹال مٹول نہ کرے معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آ جائے لہٰذا استغفار بروقت کی ضرورت ہے۔

مرنے والوں کیلئے سب سے بہتر تحفہ استغفار

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَنَّى لِي هَذِهِ؟ فَيَقُولُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ. (رواه احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد)

تشریح ...... اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے ورنہ دوسرے اہل ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کیلئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں اور جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں گے۔

عام مومنین کے لئے استغفار

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے "آپ اپنے لئے اور عام مومنین و مومنات کیلئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم امتیوں کے لئے بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کیلئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح ... کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے جب کسی بندے نے عام اہل ایمان (مومنین و مومنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کی تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین، زندہ اور مردہ سب ہی اہل ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ! ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مومنین و مومنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ.

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرما دے قیامت کے دن۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ أَهْلُ الْأَرْضِ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ عام مومنین و مومنات کیلئے ہر روز ۲۷ دفعہ اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا وہ اللہ کے ان مقبول بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی

دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔ (معجم طبرانی)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ۔ (کنز العمال)

سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، کپڑے اور ہر قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوایا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے رہا دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے "اصحاب خدمت" ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کار ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: "فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ صَدَقَةٌ" لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہل ایمان ہی کے لئے کی جا سکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں، اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے، جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

بڑے گناہوں کی معافی

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر بڑے سے بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بڑے سے بڑے پاپیوں اور گناہگاروں کو بخش دیتا ہے اگرچہ اس میں قہر و جلال کی صفت بھی ہے اور یہ صفت بھی اس کی شان عالی کے مطابق بدرجہ کمال ہے لیکن وہ انہی مجرموں کے لئے ہے جو جرائم اور گناہ کرنے کے بعد بھی توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہ ہوں اور اس سے معافی اور مغفرت نہ مانگیں، بلکہ بے فکر اور نڈر ہی بنے رہیں اور اسی حال میں دنیا سے چلے جائیں۔

توبہ و استغفار کے خاص کلمات

توبہ اور استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی

اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ و استغفار ہے اور قابلِ قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ و استغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ. (رواه الترمذی وابو داؤد)

بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد یسار سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے والد حضرت زید (یہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زید ہے اور ان کے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی آزاد فرما دیا تھا) سے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام تھے) نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ استغفار کیا:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ.

میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی و قیوم ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا، اگرچہ اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ..... جان بچانے کیلئے میدان جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی و الہام کے بغیر نہیں فرما سکتے، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کے لئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کے لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرما دیا گیا ہے۔ قربان اس رحمت کے۔ لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

سید الاستغفار

مندرجہ ذیل حدیث سے استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سید الاستغفار" بتایا ہے، اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بلاشبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ

الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ" قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواہ البخاری)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "سید الاستغفار" (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا۔ میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آ گئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اسی رات میں وہ چل بسا تو بلاشبہ وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ.

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے وجود بخشا ہے اور میں بس تیرا بندہ ہوں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ: وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ.

یعنی میں نے ایمان لا کے تیری عبادت و اطاعت کا جو عہد و میثاق اور وعدہ کیا ہے جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا اس پر قائم رہنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے۔ اس کے آگے عرض کیا گیا ہے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ.

مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں اور جو گناہ سرزد ہوئے ہوں ان کے برے نتیجے سے میرے مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں اعتراف قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے:

أَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ.

میں تیرے انعامات و احسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ آخر میں عرض کیا گیا ہے:

فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ

میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے میرے جرائم، میرے گناہ بخش دے جرموں اور گناہوں کو بخشنے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ خود کو صرف قصوروار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی دامن محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجا یہی ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے۔ اس کو "سید الاستغفار" اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کر لیا کرے۔

استغفار کے مختصر کلمات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَثِيْرًا مَا يَقُوْلُ لَنَا مَعْشَرَ أَصْحَابِيْ مَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُكَفِّرُوْا ذُنُوْبَكُمْ بِكَلِمَاتٍ يَسِيْرَةٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا هِيَ؟ قَالَ تَقُوْلُوْنَ مَقَالَةَ أَخِي الْخَضِرِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا كَانَ يَقُوْلُ؟ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ إِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا أَعْطَيْتُكَ مِنْ نَفْسِيْ ثُمَّ لَمْ أُوْفِ لَكَ بِهِ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَتَقَوَّيْتُ بِهَا عَلٰى مَعَاصِيْكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ خَيْرٍ أَرَدْتُ بِهِ وَجْهَكَ فَخَالَطَنِيْ فِيْهِ مَا لَيْسَ لَكَ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ فَإِنَّكَ بِيْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ. (رواہ الدیلمی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے: اے میرے ساتھیو! تمہارے لئے کیا چیز اس سے مانع ہو سکتی ہے کہ چند آسان کلموں کے ذریعے اپنے گناہوں کی معافی کرا لیا کرو! عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون سے کلمے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کہا کرو جو میرے بھائی خضر کہا کرتے تھے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا کہا کرتے تھے؟ فرمایا: وہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ إِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ ... اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ فَإِنَّكَ بِيْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ. (اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں ان گناہوں کی جن سے میں نے تیرے حضور میں توبہ کی ہو (اور شامت نفس سے) پھر پلٹ کر وہی گناہ دوبارہ کئے ہوں اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اس عہد کے بارے میں جو میں نے اپنی ذات کی طرف سے تجھ سے کیا ہو اور پھر میں نے اس کو وفا نہ کیا ہو (بلکہ عہد شکنی کی ہو) اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں ان نعمتوں کے بارے میں جن سے طاقت و قوت حاصل کر کے میں نے تیری نافرمانیاں کی ہوں، اور تجھ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں ہر اس نیکی کے بارے میں جو میں نے

تیری رضا جوئی کی نیت سے کرنی چاہی ہو پھر اس میں تیرے ماسوا دوسرے اغراض کی آمیزش ہو گئی ہو۔ اے میرے اللہ! مجھے (دوسروں کے سامنے) رسوا نہ کرنا۔ بیشک تو مجھے خوب جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی راز ڈھکا چھپا نہیں ہے اور (میرے گناہوں پر) مجھے عذاب نہ دینا، تجھے مجھ پر ہر طرح قدرت حاصل ہے (اور میں بالکل عاجز اور تیرے قبضہ و اختیار میں ہوں)۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح ... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ پورے صدق و خلوص کے ساتھ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے لیکن پھر اس سے وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و میثاق کرتا ہے اور پھر کسی وقت اس کے خلاف کر بیٹھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور راحت و آرام وغیرہ کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان کے استعمال سے وہ جو قوت و طاقت یا دولت حاصل کرتا ہے اس کو وہ بجائے طاعت کے معصیت کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیک عمل خالص اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے جذبہ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن بعد میں دوسرے غلط جذبات اور ناپسندیدہ اغراض کی اس میں آمیزش ہو جاتی ہے۔ یہ سب روزمرہ کے تجربے اور روزمرہ کی واردات ہیں اور اچھے اچھوں کو پیش آتی ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کے دل و زبان کی استدعا کیا ہونی چاہئے؟ مندرجہ بالا استغفار کے کلمات میں اسی کی پوری رہنمائی اور تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ کلمات اپنے مضمون کی گہرائی اور جامعیت کے لحاظ سے یقیناً معجزانہ ہیں، اسی لئے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے، اگرچہ "کنز العمال" میں اس کی تخریج صرف دیلمی سے کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔

برکات استغفار

استغفار کی اصل غرض و غایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ ان کے عذاب و وبال سے بچ جائے لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ استغفار بہت سی دنیوی برکات کا بھی باعث ہوتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین و عمل نصیب فرمائے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِىْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا۔ (رواه ابن ماجه والنسائى)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے)۔ (سنن ابن ماجہ، سنن نسائی)

تشریح ..... واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے عند اللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا اور اگر اندراج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ: "طُوْبٰى لِمَنِ اسْتَغْفَرَ كَثِيْرًا" (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے۔) بلکہ

یہ فرمایا کہ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے عمل نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے) امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔

اس حدیث میں "طوبیٰ" کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

توبہ و استغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِي أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مَهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوْتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهِ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامان حیات سے خالی اور سبب ہلاکت ہو، اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو، اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کیلئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سو رہا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آکر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اسی پر لاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستے سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کسی سایہ کو دیکھ کر اترا اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا، اس تھکے مارے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بے چارہ حیران و سراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں

تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لب دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی، اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے، اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کیلئے آ کے پڑ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گمشدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اس بدو کو جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوئی۔ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم! بندہ جب جرم و گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم و کریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوئی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بدو مسافر کی فرط مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ۔" (خداوندا! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ) لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ"۔ (میرے اللہ! بس تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ"۔ (فرط مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اس بے چارے بدو کی زبان بہک گئی۔

(علماء و فقہاء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے سمجھا کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے "مدارج السالکین" میں توبہ و استغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب و غریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آ جاتی ہے۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل و خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے، دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت و عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے، ساری مخلوقات کو اس کے لئے مسخر کیا، اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا، پھر اس کی ہدایت و رہنمائی کیلئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرف ہم کلامی بخشا اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قرب خصوصی کی دولت سے

نوازا۔ اور انسانوں ہی کے لئے دراصل جنت و دوزخ کو بنایا۔ الغرض دنیا و آخرت میں عالم خلق و امر میں جو کچھ ہے اور ہوگا اس سب کا اصل مرکز و محور یہی نوعِ انسان ہی ہے، اسی نے امانت کا بوجھ اٹھایا، اسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا اور ثواب و عذاب دراصل اسی کے لئے ہے۔ الغرض اس پورے کارخانۂ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے، اللہ نے اس کو اپنے خاص دستِ قدرت سے بنایا، اس میں اپنی روح ڈالی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، اور ابلیس اس کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں مردودِ بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو انسان کا دشمن قرار دیا۔ یہ سب اس لئے کہ اس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور مادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق و پروردگار کی (جو وراء الوراء اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو، اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے، اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور پیاری ہر چیز کو قربان کرے، اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے اور پھر اس کی خاص نعمتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر اس کی رحمت و رافت، اس کے پیار و محبت اور اس کے بے انتہا لطف و کرم کا مورد بنے۔ اور چونکہ وہ ربِ کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف و کرم اس کی ذاتی صفت ہے (جس طرح بلا تشبیہ مامتا ماں کی ذاتی صفت ہے) اس لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات و احسانات سے نوازنا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اس کے لئے بلا تشبیہ اسی طرح بے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے جس طرح اپنے بچے کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنانا مامتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اب اگر بندے نے بدبختی سے اپنے اس خالق و پروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے بغاوت و نافرمانی کا طریقہ اختیار کر لیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہو گیا اور ربِ کریم کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور لطف و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اس کے قہر و غضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلا تشبیہ) اسی غصہ و ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہوگی جو نالائق اور خلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر مامتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اس بندے کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک و پروردگار کو ناراض کر کے خود کو اور اپنے مستقبل کو برباد کر لیا اور اس کے دامنِ رحم و کرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہو اور مغفرت و رحمت کا سائل بن کر اس کی بارگاہِ کرم کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، روئے اور گڑگڑائے اور معافی مانگے اور آئندہ کیلئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد و ارادہ کرے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا نعمتوں کو پا کر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندے کی اس توبہ و انابت سے کتنی خوشی ہوگی۔"

شیخ ابن القیم نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفسِ لوامہ کے اغواء سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی و نافرمانی کے جراثیم ان کی روح میں پیدا ہونے لگے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا، اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ دروازے سے باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جا سکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا، دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کر پڑ گیا اور اسی حالت میں سو گیا۔ ماں آئی، اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑا دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور مامتا کا جذبہ ابھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی اور کہہ رہی تھی بیٹے! تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے، تو نے نالائقی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے، میری فطرت اور مامتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ پر پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہنچانے کی کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے۔

ان عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں ان کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔"

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سامنے رکھئے "اَللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا" خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کیلئے ہے۔

(یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچے کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی، دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا "خدا کی قسم اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔")

کیسے بدبخت اور محروم ہیں وہ بندے جنہوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کر لیا ہے۔ وہ اس کے قہر و غضب کو بھڑکا رہے ہیں، حالانکہ توبہ کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ تعالیٰ کا وہ پیار حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

يَا غَفَّارُ اغْفِرْ لِيْ يَا تَوَّابُ تُبْ عَلَيَّ يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ يَا رَءُوْفُ ارْأَفْ بِيْ يَا عَفُوُّ اعْفُ عَنِّيْ يَا رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ عَلَيَّ وَطَوِّقْنِيْ حُسْنَ عِبَادَتِكَ.

مسئلہ صلوٰۃ وسلام فقہاء کی نظر میں

امت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا ہر فرد امت پر فرض ہے، پھر ائمہ امت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجبات نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے

نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بے شک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھی آ جاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآنی آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینا۔ جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ ان احادیث کی بناء پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلہ کلام میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود بھیجنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود بھیجنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی قرب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر امتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصل مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے محاسن و کمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود و سلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ہی نفع کیلئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و ثواب آخرت اور اس کے رسول پاک کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد اس کا یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا مزید کرم ہے کہ وہ ہمارا درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچوا دیتا ہے اور بہت سوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے۔ نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود و سلام کی خاص حکمت

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس نے اس حکم سے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا گو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے؟

درود و سلام کے فضائل و برکات

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَا لَكَ؟ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ. (رواہ احمد)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ مجھے

خطرہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات تو نہیں پا گئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ کے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا اس لئے میں آپ کو دیکھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جبرئیل نے آ کر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (مسند احمد)

تشریح ۔۔۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کا ذکر ہے لیکن دس کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے، مگر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی۔ پھر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بتاتے وقت دس کے عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا یا بعد کے کسی راوی کے بیان کرنے سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ: "فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا" (یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں یہ سجدہ کیا تھا) امام بیہقی نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدۂ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے سے فارغ ہو کر بتایا کہ:

إِنَّ جِبْرَئِيلَ أَتَانِي فَقَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ. (معجم اوسط طبرانی ومسند سعید بن منصور)

جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ تمہارا جو امتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰۃ بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

اس حدیث کا مقصد ومدعا امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کو تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوص قلب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ وسلام کے عوض میں دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، نامۂ اعمال میں سے دس گناہ مٹا دئیے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ پس اگر کوئی بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روزانہ صرف سو دفعہ درود پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث کی بشارت کے مطابق (جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ سے صحاح اور سنن ومسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے، یعنی رحمتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اسکے مرتبہ میں ایک ہزار درجے ترقی دی جاتی ہے، اس کے اعمال نامے سے ایک ہزار گناہ مٹا دئیے جاتے ہیں

اور ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ اکبر! کتنا ارزاں اور نفع بخش سودا ہے۔ اور کتنے خاسر اور بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس سعادت اور کمائی سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

درود سے غفلت پر بد دعا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرا لے) اور ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت و خواری کی بددعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت و مغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے لیکن انہوں نے خدا کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بے شک وہ بدبخت ایسی ہی بددعا کے مستحق ہیں۔ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرئیل امین نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے۔ اللہ کی پناہ!

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحْضُرُوْا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰى الدَّرَجَةَ قَالَ اٰمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهٗ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِیْ فَقَالَ بُعْدًا مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بُعْدًا مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بُعْدًا مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ. (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد)

حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو فرمایا: میرے پاس آجاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہو گئے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسرے درجے پر

قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ پھر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمانا تھا جب اس سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے اتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے وقت آج آپ آمین کہتے تھے، یہ کیا بات تھی) آپ نے بتایا کہ "جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرئیل امین آ گئے۔ انہوں نے کہا: "بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ." (تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا آمین پھر جب میں نے منبر کے دوسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: "بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ." (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے آپ کا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے) تو میں نے اس پر بھی کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: "بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ." (تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا ان دونوں میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے اور ان کو راضی و خوش کر کے) جنت میں مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا آمین۔ (مستدرک حاکم)

تشریح ... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بددعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبرئیل کی بددعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آمین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاری کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت جابر بن سمرہ، مالک بن الحویرث اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل بددعا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ آمین کہئے تو آپ آمین کہتے تھے۔ اس حدیث میں مذکورہ بالا تین قسم کے محروموں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت جبرئیل کی طرف سے سخت ترین بددعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاء اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاء اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرئیل کے دل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی آمین کہلواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

ایسی احادیث کی بناء پر فقہاء نے یہ مسئلہ قائم کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ہر وقت ذکر اللہ اور درود شریف کی ضرورت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ ان کے لئے حسرت و خسران کا باعث ہو گی۔ پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرما دے اور بخش دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہو گی۔ اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہو گی پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی قرب کا وسیلہ

عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ. (رواہ احمد)

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا جو امتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے کہ "اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (اے اللہ ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ (کرسی) عطا فرما) اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو گی۔ (مسند احمد)

تشریح۔ اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں: "مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ." اس میں صلوٰۃ و درود کے پورے الفاظ آ گئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ہی امتیوں کی ان شاء اللہ شفاعت فرمائیں گے لیکن جو اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان الفاظ میں درود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سفارش امید ہے کہ اہتمام سے فرمائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

یعنی تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذکر و عبادت سے خالی رہیں، بلکہ ان کو ذکر و عبادت سے معمور رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں، بلکہ مُردوں کے قبرستان ہیں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ "میری قبر کو میلہ نہ بنالینا" یعنی جس طرح سال کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگانِ دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روحِ پاک کو کتنی شدید اذیت پہنچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ بھیجو وہ مجھے پہنچے گی۔ یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں: "حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي" اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے ان کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دور ہوں ان کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (رواه ابو داؤد والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرما دے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں۔ (سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح..... حدیث کے ظاہری الفاظ "إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں۔ روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے "ردِّ روح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل

قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی اُمتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ والتفات کو "ردِ روح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے برکات اور فضائل بیان فرمائے۔ پھر صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درود وسلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔

برکت کی حکمت

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدرِ ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح وثنا، رحمت و رأفت، محبت و عطوفت، رفع مراتب، ارادۂ خیر، اعطاء خیر، اور دعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر "برکت" ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے بھرپور نوازش وعنایت اور خیر ورحمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر اضافہ اور ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہرحال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو "صلوٰۃ" کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے برکت یا رحمت کی دعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ وعبارات میں بار بار عرض ومعروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدقِ طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کیلئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے ابراہیمی درود شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترحم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود ابراہیمی میں تشبیہ کی حقیقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلقین فرمائے ہوئے درود ابراہیمی میں اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل کرنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جیسی کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل فرمائی۔ اس تشبیہ کے بارے میں ایک مشہور علمی اشکال ہے کہ تشبیہ میں مشبہ، مشبہ بہ کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے اور مشبہ بہ اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔ مثلاً ٹھنڈے پانی کو برف سے تشبیہ دی جاتی ہے تو پانی خواہ کتنا ہی ٹھنڈا ہو ٹھنڈک میں بہرحال برف سے کمتر ہوتا ہے اور برف میں اس سے زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس اصول پر درود شریف کی مذکورہ بالا تشبیہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر نازل ہونے والی صلوٰۃ وبرکات ان صلوٰۃ وبرکات

سے اعلیٰ اور افضل ہوں جن کی درود ابراہیمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کے لئے استدعا اور التجا کی گئی ہے۔

شارحین حدیث نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جو فتح الباری وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ تشبیہ کبھی صرف نوعیت کی تعیین کے لئے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کسی خاص قسم کے کپڑے کا ایک پرانا ٹکڑا لے کر کپڑے کی بڑی دکان پر جاتا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہئے حالانکہ جس ٹکڑے کو وہ نمونے کے طور پر دکھا رہا ہے اور جو مشبہ بہ ہے وہ ایک پرانا اور بے قیمت ٹکڑا ہے اور اسی قسم کا جو کپڑا وہ دکاندار سے چاہتا ہے وہ ظاہر ہے کہ نیا اور قیمتی ہوگا اور اس لحاظ سے نمونہ کے ٹکڑے سے بہتر ہوگا۔ پس درود شریف میں تشبیہ اسی قسم کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس خاص نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سے سیدنا ابراہیم و آل ابراہیم کو نوازا گیا اسی نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام نبیوں بلکہ ساری مخلوق میں یہ امتیازات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا) ان کو امامت کبریٰ کے عظیم شرف سے مشرف اور سرفراز فرمایا (اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا) ان کو بیت اللہ کا بانی بنایا۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ انہی کی نسل اور ان ہی کے اخلاف میں منحصر کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشیں اور عنایتیں نہیں ہوئیں اور کسی کو بھی محبوبیت و مقبولیت کا یہ مقام عالی عطا نہیں ہوا۔ پس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا اور التجا کی جاتی ہے کہ اسی قسم کی اور اسی طرح کی عنایتیں اور نوازشیں اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر بھی فرما اور محبوبیت و مقبولیت کا ویسا ہی مقام ان کو بھی عطا فرما۔ الغرض یہ تشبیہ صرف نوعیت کی تعیین اور وضاحت کے لئے جس میں بسا اوقات مشبہ، مشبہ بہ کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہوتا ہے اور اس کی مثال وہی ہے جو اوپر کپڑے کی دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، شَهِدْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشَفَعْتُ لَهٗ. (رواہ الطبری فی تہذیب الآثار فتح الباری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ " تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ (تہذیب الآثار للطبری)

تشریح..... حضرت ابوہریرہؓ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لئے صلوٰۃ اور برکت کے علاوہ ترحم کی بھی دعا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے علماء اور فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے

کیونکہ یہ دعا تو تمام مومنین کے لئے کی جاتی ہے لیکن اگر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت و ترحم کی استدعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا کے بعد ترحم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح ترحم کی استدعا صلوٰۃ و سلام کا تکملہ بن جاتی ہے۔

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَقَدَهُنَّ فِي يَدِي جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ جِبْرَئِيْلُ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.
اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.
اَللّٰهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.
اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه البيهقي في شعب الايمان والديلمي)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ رب العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اترے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ..... الخ (مسند دیلمی، شعب الایمان بیہقی)

تشریح ..... اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ اور برکت اور ترحم کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحنن کی استدعا کی گئی ہے۔ تحنن کے مفہوم کو اردو زبان میں شفقت اور پیار و دلار سے ادا کیا جا سکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث درج کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب مستدرک ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی "معرفۃ علوم الحدیث" کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے۔ ساتھ ہی علامہ سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہیں اس حدیث کے بعض اور "طریقے" بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابن عساکر کے حوالے سے کنز العمال میں بھی درج ہے اور اصحاب فن کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل عمل ہے۔ ملا علی قاری نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علی والی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "تقویۃ

الامر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔"
(شرح شفاء ص ۴۳، ۳۷، ج ۳) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے ضعیف ہونے کے باوجود یہاں درج کر دی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم ... إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ. (اورده القاضي عياض في كتاب الشفا)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح درود بھیجتے تھے۔ (پہلے سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. اس کے بعد کہتے "لبیک اللهم ربی وسعدیک۔" اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسروچشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔

"صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ. الخ"۔

اس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں اور اس کے ملائکہ مقربین اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اس ساری مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں حضرت محمد بن عبداللہ کیلئے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں، نافرمانوں کو برے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں، جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کئے ہوئے چراغ ہیں، اور ان پر سلام ہو۔ (الشفاء قاضی عیاض)

تشریح.... یہ درود پاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ و مطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہے۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء بحقوق المصطفیٰ" میں اس کو حضرت علی المرتضیٰ سے نقل کیا ہے اور علامہ قسطلانی نے "مواهب لدنیہ" میں شیخ زین الدین بن الحسین مراغی کی کتاب "تحقیق النصرة في دار الهجرة" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت علی المرتضیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہی درود پاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر ان کو بھی تعلیم فرمایا تھا۔ بہرحال الفاظ و مطالب کے لحاظ سے بڑا پیارا اور روح پرور یہ درود ہے۔

کِتَابُ الْحُقُوق

والدین کی ذمہ داریاں

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اپنے نواسے) حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا (جب آپ کی صاحبزادی) فاطمہؓ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: حضرت ابو رافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابو یعلیٰ موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نومولود بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔ (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید و ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے۔ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے نیز ان دونوں کی تاثیر اور خاصیت بہت کی حدیثوں میں بیان کی گئی ہے کہ ان سے شیطان بھاگتا ہے اس لئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدائش کے وقت نومولود مسلمان بچے کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آ جائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلا دیا اور جتا دیا کہ مؤمن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور بس اس طرح گزرنی چاہیے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دعائے برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اور محبت کے نتیجہ میں صحابہ کرام ؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نو مولود بچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مل دیں اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

عقیقہ

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نو مولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے اور اس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملت ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ فَإِذَا حَلَقُوا رَأْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوهَا عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوقًا. (رواه ابن حبان في صحيحه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اس کے سر پر رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے، یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔" (صحیح ابن حبان)

تشریح..... خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھا چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اور یہ بنیادی طور پر شریعت اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا، اور غالباً مناسک حج کی طرح ملت ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ

کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔ (ان الیہود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجاریۃ فعقوا عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ مرفوعاً (کنز العمال ص ۲۶۷ ج ۸)) البتہ دونوں صنفوں میں قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانون شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى. (رواه ابو داؤد والترمذى والنسائى)

حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اس کا سر منڈوا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ..... عقیقہ کے جانور کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ لیکن دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کرا دینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کر دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتویں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا اس لئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ بھی نام رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لئے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر

بھی قائم ہو گئی۔ اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابل ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ احْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہؓ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دو ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلے میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ دینے کا بھی ذکر ہے یہ بھی مستحب ہے

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرما دیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں تا کہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقہ کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

اچھا نام رکھنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ اِسْمُهُ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ۔ (رواہ ابو الشیخ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ (ابو الشیخ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح. عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے ان میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور وہ چیز اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "تَسَمَّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ." (یعنی پیغمبروں کے نام پر نام رکھو) اس کے علاوہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام منذر رکھا۔ الغرض اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

دینی تعلیم و تربیت

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں ان کے خاتم سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چند روزہ دنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ در اصل آنے والی اس اخروی زندگی کی تمہید اور اس کی تیاری کے لئے ہے جو اصل اور حقیقی زندگی ہے اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطۂ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصوروار ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہلواؤ، اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے۔ اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو "کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے یہی یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقت آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دنیا سے جاتے وقت بھی اس کا آخری کلمہ ہو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ. (رواه ابو داود ورواه فى شرح السنة عن ابن سعيد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ... عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھدار اور باشعور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے، اور اس کے لئے ان سے نماز کی پابندی کرانی چاہیے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آ جاتا ہے۔ اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہئے۔ نیز اس عمر کو پہنچ جانے پر ان کو الگ الگ سلانا چاہئے۔ ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔ حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

بچیوں سے حسن سلوک کی اہمیت

آج تک بھی بہت سے علاقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بے چاری لڑکی کو باعث ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے، یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔

ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ. يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ. (النحل، ۱۶: ۵۹)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم سے گھٹ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپا پھرتا ہے ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا اس بری خبر کی وجہ سے جس کی بابت خبر دی گئی ہے، سوچتا ہے کہ کیا ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں ان عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: ... حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کیلئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بیچاری کو دیدی۔ اس نے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرما دی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دیدی اور ایک خود کھانے کے لئے اپنے منہ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دیدی۔ حضرت عائشہؓ اس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرما دیا ہے۔“

ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

اولاد میں برابری بھی اولاد کا حق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف و برابری کا برتاؤ کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے۔ یہ چیز بذات خود بھی مطلوب ہے اور اس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم تو ان میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور دنیا دونوں کے لئے تباہ کن اور ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت و کدورت پیدا ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں اور اس رویہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اولاد کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ؟ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا إِذًا وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ

رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰی حَتّٰی تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ اِنِّیْ اَعْطَیْتُ اِبْنِیْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِیَّةً فَاَمَرَتْنِیْ اَنْ اُشْهِدَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَیْتَ سَائِرَ وَلَدِکَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِیَّتَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے۔ بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر یہ تو ٹھیک نہیں۔ اور فرمایا کہ اس کو واپس لے لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار رہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ضرور چاہتا ہوں! تو آپ نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) اور نعمان بن بشیر ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کیلئے کچھ ہبہ کیا ہے تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا گواہ بنا دوں اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاتقوا اللّٰہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور ہبہ واپس لے لیا اور ایک روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جور یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور آئمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل اور قرائن کی بناء) پر اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جدوجہد نہیں کر سکتا تو اس کے ساتھ خصوصی سلوک عدل وانصاف کے

خلاف نہ ہوگا بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین وملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جدوجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز ہے بلکہ باعث اجر ہوگا۔ علی ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (رواه سعيد بن منصور في سننه والطبراني في الكبير)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ داد ودہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے) (سنن سعید ابن منصور، معجم کبیر طبرانی)

تشریح۔ اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ بھی سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہٰذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

بچوں پر والدین کے حقوق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائی اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی بتلائے، بلکہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیم وہدایت میں جزو ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہوا صحیفہ ہدایت ہے، اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. (بنی اسرائیل: ۱۷:۲۳)

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر ومشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر وشرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو حکم ہے کہ ان کے کہنے سے کفر وشرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. (سورہ لقمان: ۳۱:۱۵)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے

فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی رکھنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے۔ اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے جو والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے، لہٰذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ماں کیلئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) اس بناء پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحتاً نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے، اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہو گی اور اس کا بھی وہی درجہ ہو گا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اَبَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ فَاَدْنَاکَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ: مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔

تشریح..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ "مَنْ اَبَرُّ؟" (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اُمَّکَ" (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا "ثُمَّ مَنْ؟" (پھر کس کا حق ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا "اُمَّکَ" (تمہاری ماں کا۔) انہوں نے پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا اُمَّکَ انہوں نے اس کے بعد پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَبَاکَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ" یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے اس کا بہت امکان ہے کہ

صحیحین کی حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم نے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خصوصیت سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ اسی کو اٹھانی پڑتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أُجَاهِدُ قَالَ أَلَكَ أَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جد و جہد کرو یہی تمہارا جہاد ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ... غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں، اور یہ ان کو چھوڑ کے ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آ گیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی صورت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے، اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں نکلیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کرتے تھے اور ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (رواہ احمد والنسائی)

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: "میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: "ہاں! ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے)؟ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ماں تو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا۔) (جامع ترمذی)

تشریح .. توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا تا کہ اللہ کے غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرمادے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ) لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گنہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصِلَ أَبَاهُ فِيْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيْهِ بَعْدَهٗ. (رواہ ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے جو رکھنا چاہیے۔ (صحیح ابن حبان)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ بَعْدَ أَنْ يُّوَلِّيَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور اہل محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللهُ بَارًّا. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی

رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح... جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اعلیٰ درجے کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے ان قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ان سے ہوئی ہوں اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ع ۳)

اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت کے ساتھ) پالا تھا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ اللّٰهُ فِيْ عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهِ وَالِدَيْهِ۔ (رواہ ابن منیع فی مسندہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ (مسند ابن منیع، کامل ابن عدی)

تشریح... اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلے سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے، (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، تو یہ اتنی بڑی بات ہے جیسے کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے، اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہئے۔

دیگر اعزاء کے حقوق

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور "صلہ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے۔ قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "وَذِي الْقُرْبٰى" فرما کر دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوقِ قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔ ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ: خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے، اس کے بعد باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہلِ قرابت کا۔" اب یہاں چند وہ حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں یا اس کے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِىْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ. (رواه ابوداؤد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں اللہ ہوں، میں الرحمٰن ہوں، میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رحم مقرر کیا ہے، جو اس کے نام پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنا لے گا اور فضل و کرم سے نوازے گا) اور اس کے برعکس جو قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے ان حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آ رہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا رکھا ہے اور اس باب میں ہمارا طرزِ عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی برکات

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَاَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح..... اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جابجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطہ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جاسکے گا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح..... اس ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا، ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کردیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کردیا جائے گا تو جاسکے گا، جب تک ان دونوں میں سے ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

زوجین کے حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں

وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں، نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری اور باہمی الفت واعتماد پر موقوف ہے۔ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کا منشا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو اور جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر و تحمل و دانشمندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سو سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاص کر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بے چاری بیوی کی حیثیت ایک خریدے کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا۔

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں اور ظاہر ہے کہ فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ ذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ" (النساء ۳۴)
(نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی) حفاظت کرتی ہیں)

اگر عورت شوہر کی اطاعت فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہو گی، جو دونوں کی زندگی اور گھر کی بربادی کا باعث ہو گی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْمَرْاَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ

شَهْرَهَا وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ. (رواه ابو نعيم في الحلية)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔ (حلیہ ابو نعیم)

تشریح...... اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان وفرائض کی۔

عَنْ جَابِرٍ (فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ فِي قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم في خطبته يوم عرفة) إِتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ وَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی کہ) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے، اور اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آ کر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو ان کو (تنبیہ وتادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر ان کے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے با اختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پروا ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیر دست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے۔ "أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ" کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ نے بتلایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عورتوں کیلئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا

جنہیں ناپسند ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ "وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ" کا یہی (اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں، گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق رکھنے والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا، حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں، اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہروں کو ناپسند ہو۔ الغرض "لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ" کا یہی مطلب ہے۔ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو (ضرباً غیر مبرح) جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے) مطلب یہ ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو "غیر مبرح" کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہر پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کو کھانے، کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِى الضِّلْعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے "اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاورہ یا تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر صورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے۔ جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت

علاوہ ازیں نیزہ بازی کا یہ کھیل ایک با مقصد کھیل تھا جس جنگ کی تعلیم و تربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا، غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کھلاڑیوں کو "دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ" کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم کتاب العیدین)

اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑیوں حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "دَعْهُمْ" (یعنی انہیں کھیلنے دو) اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا "أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ" (صحیح بخاری صحیح مسلم کتاب العیدین) (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)

اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے، پھر انہوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں دکھایا؟

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ واقعہ اس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی، فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا، اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ تھی۔

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہؓ کے دل میں کوئی برا خیال اور وسوسہ پیدا ہو، اس لئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا۔ اور جب بھی کسی عورت کیلئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا جائز ہوگا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب النکاح میں اسی حدیث پر "باب النظر الى الحبش ونحوهم من غير ريبة" کا ترجمۃ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ قابل تشفی ہے۔ واللہ اعلم.

ہمسایوں کے حقوق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا آمَنَ بِيْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ. (رواه البزار والطبراني في الكبير)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اسکے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔ (مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی)

ف..... افسوس! ہم مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات میں اتنا بعد اور فاصلہ ہو گیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو سکتی ہے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ارشادات میں اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسئلوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر زندگی گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ محرا نہیں ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسیوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق کی نشاندہی بھی فرمائی ہے، ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم حَقُّ الْجَارِ إِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ وَإِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَإِنِ اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ وَإِنْ أَعْوَزَ سَتَرْتَهُ وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعْ بِنَاءَكَ فَوْقَ بِنَائِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ إِلَّا أَنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو (بشرط استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اس کے بچوں کے لئے) باعث ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کھانا اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں) (معجم طبرانی)

تشریح ... اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعین حقوق بیان کئے گئے ہیں ان میں سے آخری دو خاص طور سے قابل غور ہیں: ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور تمنا پیدا ہوگی جو ان کے باعث ایذا ہوگی۔ اس لئے یا تو اپنے پر لازم کر لو کہ اس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے "کامل" میں اور خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی روایت کی ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

وَإِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهُ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَأَدْخِلْهَا سِرًّا وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيْظَ بِهَا وَلَدَهُ. (کنز العمال)

اور اگر تم کوئی پھل پھلار خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوسی کے ہاتھ بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ (کہ پڑوس والوں کو

خبر نہ ہو اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اس سے دکھ اور جلن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ امت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

پڑوسی کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات ہیں ان میں سے ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں بے چارے ایسے لوگ رہتے ہیں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی علمی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا يَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَأْمُرُوْنَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا يَتَّعِظُوْنَ وَاللهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَأْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِى الدُّنْيَا. (رواه ابن راهويه والبخاري في الوحدان، ابن السكن وابن منده)

علقمہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ابزیٰ خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن (اپنے ایک خطاب میں) ارشاد فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا (جنہیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے اور ان کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے ہیں، نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں اور ان سے نصیحت لیں، یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا یہ فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا۔ (معارف الحدیث)

تشریح ... یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مرقوم ہے۔ جس طرح یہاں درج کی گئی ہے لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی خطاب قریب قریب انہی الفاظ میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو مالک اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا۔ اس قوم کے افراد عموماً دین کے علم و تفقہ سے بہرہ مند تھے لیکن انہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے

بہت پسماندہ تھے، نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصوروار تھے، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ ہم ان شاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر علاقہ کے لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں، اس کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، اور تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔ بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ امت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی نظیر کی تقاضے کو پھر سے جاری کر دیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے گی۔

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ یا ہمسائیگی اور پڑوس کا تعلق، یا عارضی اور وقتی سنگ و ساتھ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ان کے علاوہ بھی مظلوموں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو ان کی خدمت، خبرگیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے، اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللَّهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی بے چارے بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو بڑا ہی قابل رشک حال ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی

لاوارث عورت کی خدمت واعانت کے لئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

محتاجوں بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت واعانت

عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِىْ. (رواه البخارى)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح ... اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ "عیادت" کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمارداری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس لئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں بلکہ تیمارداری اور حسب استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیران مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں یا کم از کم ان کے رہا ہونے سے خیر کی امید ہو۔ بلاشبہ ایسے گرفتاران بلا کو رہا کرانا اور ان کو آزادی دلانا بڑا کار ثواب ہے۔

عَنْ عَلِىٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. (رواه ابو داؤد)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا وہ یہ تھا: "اَلصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (یعنی نماز کی پابندی کرو، نماز کا پورا اہتمام کرو اور اپنے غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے، اس سے غفلت اور کوتاہی نہ ہو، یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دوسری یہ کہ غلاموں، باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ غلاموں زیر دستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ انہی کے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی اور اسی حدیث کے مطابق سب سے

"آخری فقرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو ادا ہوا وہ یہ تھا: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ادا ہوا تھا۔ "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى" (اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ کی طرف اٹھا لے) شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ امت سے مخاطب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایات دیں، اسی طرح غلاموں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جن کے زیردست ہیں اس کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار رہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔

سیدوں اور آقاؤں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیردستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں، ان کے حقوق ادا کریں، ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں، ان کو اپنا بھائی سمجھیں اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملوکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیر خواہ اور وفادار ہو کر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے، اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے اور اس وقت تک یہ دنیا امن و سکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا، اگر عقل و بصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں وہ خوشگواری اور روحانی سرور و سکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ أَنْ يُوَسِّعُوا لَهُ فَقَالَ صلى الله عليه وآله وسلم لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا. (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنا چاہتے تھے، لوگوں نے (جو اس وقت حاضر تھے) ان کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے ان کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ رکھے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ عِنْدَ سِنِّهِ مَنْ يُكْرِمُهُ. (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اس وقت اس کا ادب و احترام کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب و احترام اور ان کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور اصل جزاء و ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت اور ہدایات لے کر آئے تھے، جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل "اسلامی برادری" اور "امت مسلمہ" تھی۔

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری اور یہی امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست و بازو اور دعوت و ہدایت کی مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیق و مددگار تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان و یقین، تعلق باللہ اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اور جذبہ دعوت کی ضرورت تھی، اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دل پھٹے ہوئے ہوں، اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابت نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔ اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی

سمجھیں، اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے اور اس دینی ناطے سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں، نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے۔ جن کے رنگ، مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور یہ رنگا رنگی آگے اور زیادہ بڑھنے والی تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ اَلْمُؤْمِنُ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہئے) (صحیح مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے، اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں باہم وہی تعلق اور ارتباط ہونا چاہئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح امت واحدہ بن جانا چاہئے جس طرح الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا (وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ) بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کیلئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا) "تقویٰ یہاں ہوتا ہے" کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لا یحقرہ) اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ "التقوی ھھنا" (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر دل میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی، چھوٹائی، عظمت و حقارت اور عزت و ذلت کا دارومدار "تقویٰ" پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابل اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔

اور تقویٰ در حقیقت خدا کے خوف اور کاسہ؟ آخرت کی فکر کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لئے کسی بھی صاحب ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابل تحقیر سمجھتے ہو اس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اس لئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِإِمَامِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو مسلمانوں کے مسائل ومعاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح وشام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفہ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص وخیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول الاسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب ومشکلات سے بے پرواہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ ورسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار وخیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی زندگی کا جزو بن گئی ہو اور اس کی رگ وپے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے۔ خدا کے لئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

اسلامی رشتے کے حقوق

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کہہ کے اس کے لئے دعائے رحمت کرنا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے

اور نشوونما بھی پاتا ہے، اس لئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے، اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اس فہرست میں شامل ہیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بد دین منافق کے شر سے بندۂ مومن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بد دین نے کسی مومن بندے پر کوئی الزام لگایا، اور کسی با توفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کر دے گا اس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ کسی بندۂ مومن کو بدنام و رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے) اس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے، جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہو جائے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ واقعہ کے اعتبار سے ناقابل معافی ہے لیکن آج ہم مسلمانوں کا عوام سے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا.

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت و حمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت و حمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے، نہ جواب دہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں بھی اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔ (شرح السنۃ للبغوی)

تشریح ۔ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی حفاظت و حمایت کس درجہ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے ۔ افسوس ہے کہ ہدایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے ۔ بلاشبہ یہ ہمارے ان اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں ، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں ۔

ہر مسلمان دوسرے کیلئے آئینہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے ، اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے ، اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے ۔ (سنن ابی داؤد ، جامع ترمذی)

تشریح ۔ آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے اور صرف اسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا ۔ ایک مومن کے دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابل اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کرے ، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے ۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکے اور اس کی زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے ۔ اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی و ایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے ۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (ان کے ساتھ) ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی ۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو ، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا ۔ (سنن ابی داؤد ، جامع ترمذی)

تشریح ۔ اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور موثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترحم کی ترغیب دی گئی ہے ، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق

کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (رب العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِی السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو کسی مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اس کی ایک مخلوق ہے، وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے، وہ اس کی خالقیت اور الوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وَهُوَ الَّذِی فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (سورہ زخرف، آیت نمبر ۸۴) اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالم اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اس نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِی الْاَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِی السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جانوروں سے اچھے برتاؤ کی ہدایت

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آنے والے نبیوں، رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے ان کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذا رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے، اور ان کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا قَدْ وُسِمَ فِی وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا. (رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح ...... دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں، گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کے لئے ان کے جسم کے کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنا دیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گھناؤنے پن کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا" (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے) ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بیزاری کا کلمہ تھا، جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا۔

دنیا نے ''انسداد بے رحمی'' کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ. قِيْلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک بدچلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہوگئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (جکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا کہ پیاس سے مرجائے۔ اس عورت نے (ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: کیا جانور (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح......ظاہر ہے کہ اس بدچلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا، بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر ترحم کا برتاؤ کیا جائے تو وہ خداوند قدوس کی رحمت ومغفرت کا باعث ہوگا، اور بندہ اس کا اجر وثواب پائے گا۔

تعلیم و تربیت

بچوں کو ایمان و اسلام اور اعمالِ اسلام سکھانے کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ قَالَ وَجَدْتُ فِي كِتَابِ جَدِّي الَّذِي حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْصَحَ أَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ لَا تُبَالُوْا مَتٰى مَاتُوْا وَإِذَا اثْغَرُوْا فَمُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ وَعَنْهُ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْصَحَ الْغُلَامُ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَّمَهُ هٰذِهِ الْآيَةَ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (رواھما ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ)

حضرت عمرو بن شعیبؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کی کتاب میں (جس میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کی تھیں) یہ لکھا ہوا پایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سکھاؤ۔ پھر ان کی موت آنے تک فکر مت کرو۔ (یعنی شروع میں جب عقیدہ ٹھیک کر دیا اور اسلام کا عقیدہ اس کو سکھا دیا تو اب کوئی ڈر نہیں، ایمان کی پختگی اسے ایمان ہی پر زندہ رہنے دے گی اور اسی پر ان شاء اللہ اس کی موت آئے گی) اور جب ان کے دودھ کے دانت گرنے لگیں تو ان کو نماز کا حکم کرو۔

نیز عمرو بن شعیب یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ عبد المطلب کی اولاد میں جب کوئی بچہ بولنے لگتا تھا تو اسے یہ آیت سکھاتے تھے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا. (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۱۴۲)

تشریح: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اسلام کا کلمہ ہے یہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے اور عقائد ہی اصل دین ہے۔ اگر عقائد صحیح نہ ہوں تو اسلام کا دعویدار ہونا بالکل بیکار ہے۔ محض دعویٰ کرنے سے یا مسلمان کی اولاد ہونے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا۔ اسلام کے عقائد کا جاننا اور ماننا فرض ہے۔ اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ چھوٹے بچے کی جب زبان چلنے لگے اور زبان سے ٹوٹے پھوٹے کلمات ادا کرنے لگے تو اس کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سکھائیں۔ دیکھئے بچہ ابھی ناسمجھ ہے لیکن اسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ یاد کرایا جا رہا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچپن ہی سے اگر دینی عقائد سے مانوس نہ کیا تو بڑا ہو کر دوسرے راستہ پر چلنے لگے گا۔ جب بچہ بولنے لگے تو یہی نہیں کہ صرف لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سکھائیں بلکہ اس کا ترجمہ بھی یاد کرائیں اور اس کا مطلب بھی سمجھائیں۔ جیسے جیسے بچہ ہوش سنبھالے اسے اسلام کے عقیدے سکھاتے چلے جائیں۔

اسلامی عقائد۔ اسلام کے بنیادی تین عقیدے ہیں۔ اول عقیدۂ توحید یعنی اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننا اور اس کی ذات و صفات کے بارے میں ان سب عقیدوں کو تسلیم کرنا جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوم عقیدۂ رسالت یعنی سرورِ عالم محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا اور آپ جو دین اللہ کی طرف سے لائے ہیں اسے پورا پورا سچے دل سے تسلیم کرنا۔ سوم عقیدۂ آخرت یعنی موت کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ رکھنا، اور اس بات کو ماننا کہ قیامت قائم ہوگی اور اعمال کا حساب ہوگا جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ دوزخ میں عذاب اور جنت میں آرام و راحت ملے گی۔ ان تین بنیادی عقائد کے ذیل میں اور بہت سے عقائد ہیں جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں ان کا ماننا بھی فرض ہے۔

اسلامی عقائد جاننے کی ضرورت اور اہمیت

بہت سے ماں باپ بچوں کو اسلام کے عقیدے نہیں سمجھاتے بلکہ خود بھی اسلامی عقیدے نہیں جانتے۔ گریجویٹ ہو جاتے ہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کر لیتے ہیں لیکن توحید و رسالت اور آخرت کے بارے میں جو عقائد ہیں ان سے ناواقف ہوتے ہیں اور اسی ناواقفی کی وجہ سے ہر مدعی اسلام کو مسلمان سمجھتے رہتے ہیں چاہے وہ اسلامی عقیدوں کا منکر ہی ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا تو اللہ کی کتابوں اور اس کے فرشتوں اور اس کے تمام رسولوں کے بارے میں اور قبر و حشر و نشر یعنی قیامت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ آپ نے بتایا ہے ان سب کا ماننا فرض ہو گیا۔ بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اسلام کے عقیدوں کا مذاق بناتے ہیں اور اللہ و رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ شرعاً مسلمان نہیں ہیں۔

ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔ بہت سے لوگ ایسے جاہل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو اللہ کا نبی اور رسول مانتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے تو قرآن ماننے کے بجائے خود آیت کا مطلب ہی الٹ پلٹ کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں چاہے کتنی ہی نمازیں پڑھیں کیسے ہی اخلاق کا دکھاوا کریں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنا ہی کفر ہے۔

کون سا کلمہ گو مسلمان ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور ختم نبوت کے منکروں اور بے دینوں، ملحدوں، دہریوں کو بھی اس لئے مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ زبان سے کلمہ کا اقرار کرتے ہیں یہ بہت بڑی جہالت ہے، زبان سے کلمہ پڑھنا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اس کلمہ کی تشریح جو قرآن و حدیث میں آئی ہے اس کو دل سے ماننے سے مسلمان ہوتا ہے۔

عقائد پر جنت و دوزخ کا فیصلہ موقوف ہے

عقائد کا معاملہ بہت نازک ہے۔ عقائد کی صحت پر دوزخ کے ہمیشہ والے عذاب سے نجات پانے اور جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازا جانا موقوف ہے جس کا عقیدہ کفریہ ہو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس لئے اپنے عقیدے درست کرنا اور بچوں کو صحیح عقائد سکھانا سکھانا یہ اس زندگی کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور اولاد کی سب سے بڑی ہمدردی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب عبدالمطلب کی اولاد میں سے کوئی بچہ بولنے لگتا تھا تو آیت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سکھاتے تھے۔ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی

سب سے آخری آیت ہے جو پندرھویں پارے کے آدھے پر ہے۔ پوری آیت یوں ہے:۔

وقل الحمدلله الذی الخ اور آپ فرما دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ اپنی کوئی اولاد بنائی اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے جو اس کی کمزوری کی وجہ سے مدد کرتا (وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں) اور تم اس کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں بھی توحید خالص بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو عقائد ہونے چاہئیں وہ بتائے گئے ہیں بچے کو بالکل شروع سے اس آیت کو یاد کرانے کی تعلیم دینا اس لئے ہے کہ مسلمان کا کوئی بچہ خدائے پاک کی ذات وصفات کے متعلق عقائد سے جاہل وغافل نہ رہے اور موت آنے تک صحیح مسلمان بنا رہے۔ عقائد اسلامیہ تفصیل کے ساتھ شروع کتاب میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

مردوں کو سورۂ مائدہ اور عورتوں کو سورۂ نور سکھانے کا حکم

وعن مجاهد مرسلاً عن النبي صلى الله عليه وسلم قال عَلِّمُوا رِجَالَكُمْ سُورَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوا نِسَائَكُمْ سُورَةَ النُّورِ. (الجامع الصغير)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ۔ (الجامع الصغیر)

تشریح: اس حدیث میں مردوں کو سورۂ مائدہ اور عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں بہت سے احکام ہیں۔ سورۂ مائدہ میں حج کا احرام باندھنے والوں کو ہدایت دی گئی ہے۔ اور جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی کچھ تفصیل بتائی ہے، نیز غسل، وضو، تیمم کے احکام بھی بتائے ہیں۔ چوروں کو جو سزا دی جائے اس کی تفصیل بھی مذکور ہے۔ کوئی کسی کو قتل کر دے یا کسی کا ہاتھ پاؤں یا ناک کان کاٹ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کا قصاص کیا ہے یہ بات بھی بتائی ہے۔ قسم کے احکام بھی سمجھائے ہیں۔ کئی طرح سے شراب کی مذمت کرتے ہوئے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بھی بہت سی ہدایات اور عبرت کی باتوں اور موعظت کے قصوں پر سورۂ مائدہ مشتمل ہے اور سورۂ نور میں زانی اور زانیہ اور تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔ نیز گھروں میں جاتے ہوئے اجازت لینے کا حکم دیا ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کی تعلیم دی ہے اور پردے کے احکام تفصیل سے بتائے ہیں چونکہ اس میں عورتوں سے متعلق احکام خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں اس لئے حکم ہوا کہ یہ سورت عورتوں کو سکھائی جائے۔

اسلام علم وعمل کا نام ہے۔ اسلام سراپا عمل کا نام ہے اور ہر انسان کی زندگی سے متعلق اسلام نے احکام بتائے ہیں۔ مرد ہو یا عورت ان احکام پر عمل کرنے سے ہی صحیح مسلمان بنتا ہے وہ تمام احکام جو سب پر فرض ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ ان سب کا سیکھنا اور جاننا تو ہر ایک پر فرض ہے اور جو احکام کسی خاص فرد یا خاص طبقہ اور گروہ سے متعلق ہوں ان کا جاننا خاص اس فرد اور طبقہ اور گروہ پر فرض ہے مثلاً تاجر تجارت کے احکام سیکھے۔ کاشتکار زمین کے مسائل معلوم کرے اور عشر وخراج کی تفصیلات کو جانے،

مزارعت کے احکام کو پہچانے۔ صنعت کار اپنی متعلقہ صنعت کے احکام کی تعلیم حاصل کرے غرض کہ ہر پیشے والا اپنے پیشہ کے احکام کو سیکھے، عورتیں اپنے متعلقہ احکام کو معلوم کریں، میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں، ماں، باپ، اولاد کے حقوق اور اولاد ماں باپ کے حقوق جانیں، مویشی والے جانوروں کے حقوق معلوم کریں۔

غفلت اور جہالت کو دور کرنا فرض ہے۔ آج کل غفلت کا دور دورہ ہے بے پرواہی کا عالم ہے، بہت سے مردوں اور عورتوں کو کچھ خبر نہیں کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا احکام عائد ہوتے ہیں، ہر شخص اپنی طبیعت کا پابند اور خواہش کا بندہ نظر آتا ہے۔ یہ بہت افسوسناک صورت حال ہے۔ مسلمان دین سے جاہل اور غافل ہو یہ اس کے لئے بڑی شرم کی بات ہے غفلت اور جہالت کو دور کرنا فرض ہے۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، آپس کے معاملات، رہن سہن اور کمانے، پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور ان کے علاوہ زندگی کی تمام حالتوں کے حکموں کو معلوم کرو جو قرآن اور حدیث میں بتائے گئے ہیں۔ بہت سے مرد و عورت بچپن میں دین سیکھتے نہیں اور بڑے ہو کر لحاظ کی وجہ سے نہیں پوچھتے اور عمر بھر جاہل رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف چلتے ہیں یہ بڑی محرومی ہے۔

بچوں اور بچیوں کو دیندار استادوں اور استانیوں سے دین پڑھواؤ اور جو عورتیں بڑی ہو چکی ہیں مگر دین سے جاہل ہیں ان کو دین کی ضروری باتیں بتانے اور نماز یاد کرانے کا اہتمام کرو جس کی ترکیب یہ ہے کہ روزانہ یا کم از کم ہفتہ میں ایک روز مقرر کر کے پردہ کے ساتھ کسی مقررہ مکان میں گھر گھر سے آ کر عورتیں جمع ہوا کریں اور ایک دوسرے کو سیکھنے سکھانے میں لگ جایا کریں۔ زبانی تعلیم بھی کریں اور کتابی تعلیم بھی۔

زبانی تعلیم یہ ہے کہ جس کو کلمہ یاد نہ ہو اس کو کلمہ یاد کرائیں۔ جسے نماز یاد نہ ہو اسے نماز سکھا دیں، بار بار کہلا دیں، اور جسے یاد ہو وہ انجان کو حقیر نہ سمجھے نہ اپنی فضیلت جتائے نہ ایسے انداز میں بات کرے جس سے کسی کا دل دکھے۔ آپس میں نماز اور وضو کے فرضوں سنتوں کا تذکرہ کریں، پوچھ گچھ کریں، جسے معلوم نہ ہو بتا دیں، دین پر چلنے کی تاکید کریں، خدا کا خوف دلوں میں بٹھا دیں، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و بزرگان دین کے قصے سنائیں۔

کتابی تعلیم۔ یہ ہے کہ دینی کتابوں میں سے کوئی کتاب لے کر پڑھی جائے۔ جو معتبر ہو اور اس کا مصنف خدا ترس دیندار ہو اور واقعی عالم ہو، ایک پڑھے اور باقی سب غور و فکر کے ساتھ سنیں اور عمل کرنا شروع کر دیں۔ کتابیں بہت سی چھپ گئی ہیں ہم چند کتابوں کے نام لکھتے ہیں ان کو منگا کر سنو اور پڑھو اور سب کو سناؤ اور خوب سمجھا دو اس کے بعد دوسرا مضمون شروع کرو۔

چند دینی کتابوں کے نام۔ (۱) نصائح نبویؐ (۲) امت مسلمہ کی مائیںؓ (۳) رسول اللہ کی صاحبزادیاںؓ (۴) حکایات صحابہؓ (۵) سیرت خاتم الانبیاءؐ (۶) تبلیغ دین (۷) بہترین جہیز (۸) تعلیم الدین (۹) فضائل نماز (۱۰) فضائل تبلیغ (۱۱) فضائل صدقات (دونوں حصے) (۱۲) فضائل حج (۱۳) فضائل قرآن (۱۴) ذکر الٰہی (۱۵) حیوۃ المسلمین (۱۶) آداب المعاشرت (۱۷) اغلاط العوام (۱۸) اکرام المسلمین (۱۹) مرنے کے بعد کیا ہوگا (مرتبہ احقر مؤلف) (۲۰) فضائل رمضان (۲۱) گناہ بے لذت (۲۲) دوزخ کا کھٹکا (۲۳) جنت کی کنجی (۲۴) رسول اللہ کی پیشین گوئیاں (۲۵) اصلاح الرسوم (۲۶) مسنون دعائیں (۲۷) فروع الایمان (۲۸) معارف الحدیث (۲۹) کسب حلال والا کے حقوق (۳۰) فضائل درود شریف (۳۱) جزاء الاعمال۔

(۳۲) ذکر اللہ (۳۳) مسلم خواتین کے لئے بیس سبق (۳۴) اسلامی اخلاق (۳۵) بری صحبتوں کے اسباب اور ان کا علاج (۳۶) آئینہ نماز (۳۷) فضائل علم (۳۸) القصد السبیل (۳۹) فضائل ذکر (۴۰) اسلام کیا ہے؟

بچوں کو نماز سکھانے کا اہتمام کرنا لازم ہے

عَنْ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوا الصَّبِيَّ الصَّلٰوةَ ابْنَ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرَةٍ. (ترمذی)

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بچوں کو نماز سکھاؤ جبکہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھیں تو ان کی پٹائی کرو جبکہ وہ دس سال کے ہوں۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۹۳)

تشریح: اس حدیث میں بچوں کو نماز سکھانے اور ان سے نماز پڑھوانے کا حکم دیا ہے در حقیقت عمل صحیح بغیر علم صحیح کے نہیں ہو سکتا۔ انسان جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بالکل سادہ ہوتا ہے کچھ نہیں جانتا اور جاننے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے کچھ آتی ہے دنیا چونکہ سامنے ہے اور اس کے تقاضے ہر وقت پیش نظر ہیں اس لئے دنیا میں کام آنے والی باتیں کچھ لوگوں کی دیکھا دیکھی انسان سیکھ لیتا ہے اور کچھ محنت اور کوشش کر کے حاصل کر لیتا ہے لیکن دیندار ہونا چونکہ موت کے بعد کام دے گا اور آخرت کے تقاضے اس وقت سامنے نہیں ہیں اس لئے دینداری کی طرف انسان کا ذہن بہت کم چلتا ہے۔

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں، کیونکہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام دینے والا ہے۔ بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر ان کی یہ محبت صرف دنیاوی آرام و راحت تک محدود رہتی ہے۔ ان کی اصل ضرورت یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام و راحت کی طرف توجہ نہیں۔ حلال مال سے صاف طریقے پر کھانا پلانا اور پہنانا اچھی بات ہے۔ لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام اور سکون ہے اولاد کو دینی علوم اور اعمال سے غافل اور جاہل رکھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ بچوں کو اللہ کے نام سے آشنا کریں اور ایسے طور طریقے خود اختیار کریں کہ ان کو دیکھ کر بچے کے ذہن میں اسلامی اعمال کی محبت پیدا ہوتی چلی جائے اور جیسے جیسے ہوش سنبھالتا جائے اسلام کے کام اس کے ذہن میں راسخ ہوتے چلے جائیں۔

اولاد کے بارے میں دور حاضر کے لوگوں کی بدحالی

بچوں کی خوشی کے لئے ان کو غیر ضروری لباس بھی پہناتے ہیں، ان کے لئے تصویریں، مورتیاں خرید کر لاتے ہیں اور اپنے گھروں کو ان کی وجہ سے رحمت کے فرشتوں سے محروم رکھتے ہیں، ادھار قرض کر کے ان کی جائز ناجائز ضرورتوں اور شوقیہ زیب و زینت اور فیشن پر اچھی خاصی رقمیں خرچ کرتے ہیں لیکن ان کو دین پر ڈالنے کی فکر نہیں کرتے یہ بچوں کے ساتھ بہت بڑی دشمنی ہے۔ اگر دین نہیں تو آخرت کی تباہی ہوگی۔ وہاں کی تباہی کے سامنے دنیا کی ذرا سی چمک دمک اور چٹکل ہاکل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں۔ بے علم

نہ صرف اولاد کیلئے بلکہ خود ان کے والدین کے لئے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگی۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے اِنَّ النَّاسَ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا یعنی لوگ سو رہے ہیں۔ جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے۔

آخرت سے بے فکری کی زندگی گذارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال ان بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے۔ اگر آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھانے پینے جاؤ دنیا کا نفع پہنچاتے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اس تغافل کو باعث نقصان نہیں سمجھتے لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ عالم آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش آج کے دن کے لئے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے مگر اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کردیتے ہیں یا صنعت و حرفت یا مزدوری پر لگا دیتے ہیں، نماز روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور ان پر عمل کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ شادیاں ہوجاتی ہیں۔ باپ دادا بن جاتے ہیں لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا۔ نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے اس سے بھی واقف نہیں اسی اسی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔

جہالت کی وجہ سے بیٹے پوتے باپ دادا کا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتے

جب باپ دادا کی موت ہوجاتی ہے تو اول تو بیٹے پوتے جنازے کو ہاتھ لگانے سے گھبراتے ہیں، کوئی غسل دینے کو تیار نہیں ہوتا آخر غیر لوگ نہلاتے ہیں اور بعض جگہ تو کرایہ کے لوگ آکر غسل دیتے ہیں، گھر کے لوگ کفن دینا بھی نہیں جانتے کہ کپڑے کتنے ہوں اور کیسے پہنائے جائیں۔ پھر جب دوسرے لوگوں نے (جو عموماً نمازی اور دیندار ہی ہوتے ہیں) نہلا دھلا کر کفن دے دیا تو مسجد کی طرف جنازے کو لے کر چلتے ہیں، وہاں امام صاحب سے جنازہ پڑھواتے ہیں حالانکہ شرعاً جنازہ پڑھانے کا سب سے بڑا حقدار میت کا ولی ہے لیکن میت یعنی مرنے والے کا بیٹا یا پوتا نماز پڑھانے سے عاجز ہے کیونکہ نماز جنازہ یاد نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ تو شرم سے بچنے کے لئے میت کے رشتہ دار جنازے کی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پڑھنا کیا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نماز سے علیحدہ کھڑے رہتے ہیں۔ وجہ کیا ہے کیا یہ خاص لوگ نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے سے عاجز ہیں؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مرنے والے نے ان لوگوں کو دینی تعلیم نہیں دی ان کو دین نہیں سکھایا نماز روزہ نہیں سکھایا بڑی بڑی جائیدادیں خرید کر اولاد کے نام کردیں مگر اس قابل بنا کے نہ چھوڑا کہ باپ کا جنازہ ہی صحیح طور پر پڑھ لیتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب کہا جاتا ہے کہ اولاد کو قرآن پڑھاؤ، دین سکھاؤ اور نماز روزہ پر ڈالو تو بعض ماں باپ کہہ دیتے ہیں کہ اپنے بچہ کو ملا تھوڑا ہی بنانا ہے، یہ تو افسر بنے گا افسر!! اس کا مطلب یہ ہوا کہ دیندار ہونا اور نماز کا پابند ہونا بے فائدہ چیز ہے اور دیندار ہونا کوئی گھٹیا کام ہے جو لائق حقارت ہے۔ العیاذ باللہ۔ اسلام کے دعویدار کیسی کیسی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔ کیا قبر میں انگریزی فیشن، انگریزی طور طریق، انگریزی کا پڑھنا لکھنا کام دے گا؟ اور کیا دنیا کی افسری اور کوٹھی بنگلے کی رہائش وہاں نجات دلا دے گی؟ ہرگز نہیں، وہاں تو ایمان اور نیک اعمال، نماز روزہ، ذکر و تلاوت سے کام چلے گا اگر آخرت حق ہے جیسا کہ سب مسلمان جانتے ہیں تو

ان کے لئے دوڑ دھوپ کیوں نہیں اور اولاد کو وہاں کے لئے فکرمند کیوں نہیں بناتے اور اعمالِ صالحہ پر کیوں نہیں ڈالتے؟ حقیقت میں ایمان و یقین کی کمی ایک بہت بڑا مرض ہے جس نے آخرت سے غافل کر رکھا ہے۔

سات سال کے بچے کو نماز سکھاؤ - اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ سات سال کا بچہ ہو تو اسے نماز سکھاؤ۔ دوسری روایت میں ہے کہ سات سال کا ہو تو اسے نماز پڑھنے کا حکم کرو اور دس سال کا بچہ ہو تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی پٹائی کرو۔ بات یہ ہے کہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے نماز سکھانا بھی ضروری ہے اور نماز پڑھوانا بھی، بچے کو جب نماز سکھائیں گے نہیں تو کیسے پڑھے گا؟ چونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اس لئے اس کا سکھانا اور تعلیم دینا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ لوگ اپنی اولاد کو صنعت و حرفت میں ڈالتے ہیں، تجارت کے گر سکھاتے ہیں، معاشرے میں زندہ رہنے کے آداب بتاتے ہیں مگر نماز سیکھنے سکھانے سے غفلت برتتے ہیں، یہ زندگی بہت شرم کی زندگی ہے۔

اے مسلمانو! اپنے بچوں کو نماز سکھاؤ اور نماز پڑھنے کی تاکید کرو۔ دس برس کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو ان کی پٹائی کرو۔ یہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بہت سے مرد و عورت خود تو نمازی ہوتے ہیں مگر اولاد کو نمازی بنانے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہ ان کی بربادی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جب بچہ کو اسکول کے حوالے کر دیا اور نماز میں پڑھنے کی چیزیں نہ سکھائیں، رکعتوں کی تعداد نہ بتائی، فرائض و واجبات سے واقف نہ کرایا اور بچہ اسکول و کالج میں پڑھتے پڑھتے ایسی عمر کو پہنچ گیا کہ اسے دنیا کا ذوق لگ گیا اور ماں باپ کی گرفت سے آزاد ہو گیا اور اب اسے صحیح راہ پر چلنا نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ شروع ہی سے دینی ذہن بنایا جائے اور آخرت کے کاموں پر لگایا جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اولاد کو نماز کے لئے کہتے ہیں مگر کوئی پڑھتا ہی نہیں ان کا یہ کہنا بالکل عذرِ لنگ ہے۔ اول تو کہنے کی طرح کہتے نہیں صرف منہ سے کہتے ہیں حالانکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بچے دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی پٹائی کرو۔ اگر بچہ سے ایک روپیہ کا نقصان ہو جائے تو ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، دو چار لگا کر دم لیتے ہیں لیکن نماز کے لئے صرف ہلکے سے لہجے میں کہہ دیتے ہیں اس بارہ میں ڈانٹ ڈپٹ کو بھول جاتے ہیں اگر آخرت کی اہمیت ہوتی تو نماز کے ناغہ کرنے کو دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے نقصان کے مقابلے میں بہت بڑا نقصان سمجھتے اور اس کے لئے فکرمند ہوتے۔

اگر تمہارا لڑکا دین کے طریقہ پر چل کر دوزخ سے بچ گیا اور دنیا میں بھوکا رہا تو یہ بڑی کامیابی ہے اور اگر اس نے لاکھوں روپیہ کمایا اور بڑی بلڈنگیں بنائیں مگر خدا سے دور رہا اور گناہوں میں پڑ کر دوزخ میں چلا گیا تو اس کے لئے جائیداد بیکار بلکہ وبال ہے۔

عورتوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو دیندار بنائیں اور دوزخ سے بچائیں ہر بچہ کم از کم دس سال تو اپنی ماں کے پاس ہی رہتا ہے اس عمر میں اسے دین کی باتیں سکھاؤ اور دیندار بناؤ۔ اگر اولاد دیندار ہوگی تو تمہارے لئے دعا کرے گی اور جو دینی علم تم نے سکھایا اس پر عمل کرے گی تو تم کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔

سب سے پہلا مدرسہ ماں باپ کی گود ہے - بچوں کی تعلیم اور تربیت یعنی ان کو دین کا علم سکھانے اور دین کا عمل کر کے دکھانے اور عمل کا شوق پیدا کرنے کا سب سے پہلا مدرسہ ان کا اپنا گھر اور ماں باپ کی گود ہے۔ ماں باپ سے قریب بچوں

کو جس سانچے میں چاہیں ڈھال سکتے ہیں اور جس رنگ میں چاہیں رنگ سکتے ہیں۔ بچہ کا سنوار اور بگاڑ دونوں گھر سے چلتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے اصلی ذمہ دار ماں باپ ہی ہیں۔ بچپن میں ماں باپ ان کو جس راستہ پر ڈال دیں گے اور جو طریقہ بھلا یا برا سکھا دیں گے وہی ان کی ساری زندگی کی بنیاد بن جائے گا۔ بچہ کے دل میں خدا کا خوف، خدا کی یاد، خدا کی محبت اور آخرت کی فکر اسلام کے حکموں سے سیکھنے سکھانے اور ان کے مطابق زندگی گذارنے کا جذبہ پیدا ہو جانے کی پوری پوری کوشش کرنا لازم ہے۔ اس کو نیک عالموں اور حافظوں کی صحبتوں میں دین کی تعلیم دلاؤ، قرآن شریف حفظ کراؤ، قرآن و حدیث کے معنی اور مطلب سمجھنے کے لئے عربی پڑھاؤ، ان کو حرام سے پرہیز کراؤ اور دیانت داری، حیا، شرم، سخاوت، صبر، شکر، حلم، بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور اسی طرح کے دوسرے اچھے اخلاق کی تعلیم دو۔

بچوں کی تعلیم و تادیب مالی صدقہ سے افضل ہے اور اچھے ادب سے بڑھ کر اولاد کے لئے کوئی عطیہ نہیں

وعن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لان يؤدب الرجل ولده خير له من ان يتصدق بصاع (رواہ الترمذی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو ادب سکھائے تو بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳ بحوالہ ترمذی)

وعن ایوب بن موسی عن ابیه عن جده رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما نحل والد ولده من نحل افضل من ادب حسن (رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عمرو (جو جد ایوب بن موسیٰ) بن سعید سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳ بحوالہ ترمذی و بیہقی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔ بات یہ ہے کہ بچے بالکل سادہ ولوح ہوتے ہیں اگر انکی تربیت نہ کی جائے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ نہ کیا جائے تو صرف دیکھنے میں وہ انسان نظر آتے ہیں اور انکے اخلاق و عادات وحشیانہ اور طور طریق بہیمانہ ہو جاتے ہیں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت سے غفلت کرنیوالے۔ بہت سے لوگوں کو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ والدین اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد گلی کوچوں میں سڑکوں پر پھرتی ہے۔ بچوں کیلئے پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑوں کا تو انتظام کر دیتے ہیں لیکن ان کی باطنی پرورش یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اپنے ماں باپ نے ان کا ناس کھو دیا تھا انکو پتہ ہی نہیں کہ تربیت کیا چیز ہے اور بچوں کو کیا سکھائیں اور کیا بتائیں اور اس عظیم غفلت میں ان لوگوں کا بھی بڑا حصہ ہے جو خود تو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق و آداب سے بھی واقف ہیں لیکن ملازمت یا تجارت میں کچھ اس طرح

اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے ان کے پاس گویا وقت ہی نہیں حالانکہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لئے ہوتی ہے۔ جب زیادہ کمانے کی وجہ سے خود اولاد ہی کے اعمال واخلاق کا خون ہو جائے تو ایسا کمانا کس کام کا؟

بعض لوگ ایسے بھی دیکھے ہیں جو اچھا خاصا علم بھی رکھتے ہیں مبلغ بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں دنیا بھر کے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں، سفر پر سفر کرتے رہتے ہیں۔ کبھی یہاں وعظ کیا کبھی وہاں تقریر کی۔ کبھی کوئی رسالہ لکھا کبھی کتاب تالیف کی لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل رہتے ہیں، حالانکہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اولاد کی جانب سے جب چند سال غفلت برت لیتے ہیں اور ان کی عمر دس بارہ سال ہو جاتی ہے تو اب ان کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں توجہ تو ہے لیکن وہ اولاد کو حقیقی علم اور حقیقی ادب سے بالکل محروم رکھتے ہیں یعنی اولاد کو اسلام نہیں سکھاتے۔ بیس بیس سال کی اولاد ہو جاتی ہے جنہیں کلمہ تک یاد نہیں، یہ لوگ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ اس کے فرائض نہ واجبات، نہ اسلام کے عقائد پہچانیں نہ دین کو جانیں، اس قسم کے لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین یورپ کے طور طریق سب کچھ سکھاتے ہیں کوٹ پتلون پہننا بتاتے ہیں، اپنے ہاتھ سے ان کے گلوں میں ٹائی باندھتے ہیں، ناچ رنگ کے طریقے سمجھاتے ہیں، عورتیں بیاہ شادی کی رسمیں بتاتی ہیں شرکیہ باتوں کی تعلیم دیتی ہیں اور اس طرح سے ماں باپ دونوں ان معصوم بچوں کا خون کر دیتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ اور بچی مودرن ہیں انگریز بن رہے ہیں، ترقی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے لگے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخرت برباد ہو گئی، اعمال صالحہ سے خالی ہیں، اخلاق حسنہ سے کورے ہیں، آداب اسلامیہ سے نابلد ہیں اور عقائد بھی صحیح نہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ موت کے بعد کی ابدی زندگی کی بہتری اور وہاں کی نجات صحیح عقائد اور صحیح اعمال پر ہی منحصر ہے۔

صحیح عقائد اور صحیح اعمال اور صحیح آداب وہ ہیں جو ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائے اور اللہ کی کتاب قرآن حکیم نے بتلائے، جو ان سے خالی ہے اس کے لئے آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے دنیا کی چند دن کی جھوٹی بہار آخرت کے ابدی عذاب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی، بہت سے مدعیان اسلام اس طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔

ادب کا معنی اور مطلب۔ ادب بہت جامع کلمہ ہے۔ انسانی زندگی کے طور طریق کو ادب کہا جاتا ہے، زندگی گزارنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آتے ہیں۔ بندہ اللہ جل شانہ کے بارے میں جو عقائد رکھنے پر مامور ہے اور اللہ کے احکام پر چلنے کا جو ذمہ دار بنایا گیا ہے یہ وہ آداب ہیں جو بندے کو اللہ کے اور اپنے درمیان صحیح تعلق رکھنے کے لئے ضروری ہیں، فرائض اور واجبات سنن اور مستحبات وہ امور ہیں جن کے انجام دینے سے حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے اور مخلوق کے ساتھ جو انسان کے تعلقات ہوتے ہیں ان میں ان احکام کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے جو مخلوق کی راحت رسانی سے متعلق ہیں ان میں بھی واجبات ہیں اور مستحبات ہیں، اور ان کی تفصیل وتشریح بھی شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہے یہ وہ آداب ہیں جن کا برتنا مخلوق کے لئے باعث راحت ورحمت ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ ادب کی جامعیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے یہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے ادب سے بڑھ کر کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی بخشش نہیں دی اس میں پورے دین کی تعلیم آجاتی ہے کیونکہ دین اسلام اچھے ادب کی مکمل تشریح ہے بہت سے لوگ لفظ ادب کے معروف معنی لے کر اس کا رواجی مطلب لے لیتے ہیں اور

انہوں نے اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں تک ہی ادب کا انحصار سمجھ رکھا ہے۔

بہت سے لوگ نیک ہیں مگر وہ اس سے غافل ہیں۔ حدیث میں جو فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو ادب سکھائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع (ایک صاع ۳/۱ ۳ سیر کا ہوتا ہے) غلہ وغیرہ صدقہ کرے اس میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ کہ صدقہ خیرات اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی عبادت ہے (اگر اللہ کی رضا کے لئے ہو) لیکن اس کا مرتبہ اپنی اولاد کی اصلاح پر توجہ دینے سے زیادہ نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو اللہ جل شانہ نے مال دیا ہے۔ اس میں سے صدقہ و خیرات کرتے رہتے ہیں اور اولاد کی طرف سے پوری غفلت برتتے ہیں، مسکین آرہے ہیں گھر پر کھا رہے ہیں، غریبوں کی روٹی بندھی ہوئی ہے مدرسہ اور مسجد اس میں چندہ جارہا ہے لیکن اولاد بے ادب، بداخلاق، بے دین بلکہ بد دین بنتی چلی جارہی ہے۔ صدقہ خیرات کرنے پر خوش ہیں اور خوش ہونا بھی چاہئے لیکن اس سے بڑھ کر عمل جو ہے جس کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ اپنی اولاد کو ادب سکھانا ہے یعنی نفع کے راستہ پر ڈالنا ہے۔ اس کے لئے فکر مند ہونا لازمی امر ہے، اس غفلت سے نسلیں کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

اولاد کو آداب سکھانا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ حدیث میں اچھے ادب کو اولاد کے حق میں سب سے بڑی بخشش قرار دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ادب کی وجہ سے انسان میں انسانیت جلوہ گر ہوتی ہے اللہ کے حقوق کو پہچانتا ہے اور بندوں کے حقوق بھی سمجھتا ہے اور اسی کی وجہ سے صحیح انسان بنتا ہے اگر اولاد کو مال دے دیا، بلکہ بڑا کر بہہ کر دیا۔ دین دولت سے نواز دیا اور زندگی گذارنے کے وہ طریقے نہ بتائے جس سے اللہ راضی ہو اور مخلوق کو راحت پہنچے تو جو کچھ مال و دولت اولاد کو دیا جائیگا یہ سب گناہوں میں اور اللہ کی نافرمانیوں میں اور ماں باپ کی ایذا رسانیوں میں خرچ ہوگا۔ ادب سے خالی اولاد ماں باپ کو دکھ دیگی۔ خود اُگلے سینہ پر مونگ دلے گی جیسا کہ یہ سب چیزیں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ آئے دن اسکا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

غیر اسلامی طور طریق آداب نہیں ہیں۔ بہت سے لوگ اولاد کو ادب تو سکھاتے ہیں لیکن دشمنان اسلام نے جو زندگی کے آداب بتا رکھے ہیں انکی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اسلام کے خلاف جو چیزیں ہیں وہ آداب نہیں ہیں وہ تو انسانیت کا خون کرنے والی چیزیں ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں اسلامی آداب ختم ہو چکے ہیں شرم و حیا ناپید ہو چکی ہے۔ بڑوں کی عزت کی کوئی پرواہ نہیں رہی حلال حرام کا کوئی دھیان نہیں رہا۔ ان سب چیزوں کے نتیجے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں لڑکیاں اغوا ہو رہی ہیں بیاہی لڑکیاں صاحب اولاد ہو رہی ہیں۔ ماں باپ کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے بلکہ مال پر قبضہ کرنے کے لئے باپ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے واقعات سنے گئے ہیں اور طرح طرح کے عیوب جڑ پکڑ چکے ہیں۔ بے شرمی اختیار کرکے بھولے نہیں سماتے خوش ہیں کہ میں تو ماڈرن ہو گیا۔ میری اولاد نے یورپ والوں کا لباس پہن لیا۔ امریکہ والوں کی نقل اتار لی ایسے لوگ برائی کو برائی تک نہیں سمجھتے اس کو چھوڑنے اور چھڑانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اللہ جل شانہ امت محمدیہ پر رحم فرمائے اور دینی سمجھ دے اور اسلامی اخلاق و آداب سے آراستہ ہونے کی فکر نصیب فرمائے۔ اللہ علیٰ کل شیء قدیر وھو المیسر لکل عسیر۔

اہل وعیال کو اللہ سے ڈراتے رہو

وَعَنْ مُعَاذٍ رضي الله عنه قَالَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ (رواه احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی (۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنا اگرچہ تو قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے (۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگرچہ تجھے حکم دیں کہ اپنے گھر والوں کو اور مال و دولت کو چھوڑ کر نکل جا (۳) فرض نماز ہرگز قصداً نہ چھوڑ کیونکہ جس نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا (۴) شراب ہرگز مت پی کیونکہ وہ بے حیائی کی جڑ ہے (۵) گناہ سے بچ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی نازل ہو جاتی ہے (۶) میدان جہاد سے مت بھاگ اگرچہ (دوسرے) لوگ (تیرے ساتھی) ہلاک ہو جائیں (۷) جب لوگوں میں (وبائی) موت پھیل جائے اور تو وہاں موجود ہو تو وہاں جم کر رہنا (اس جگہ کو چھوڑ کر مت جانا) (۸) اور جن کا خرچ تجھ پر لازم ہے (بیوی بچے وغیرہ) ان پر اپنا اچھا مال خرچ کرنا (۹) اور ان کو ادب سکھانے کے پیش نظر ان سے اپنی لکڑی ہٹا کر مت رکھ (۱۰) اور ان کو (اللہ کے احکام و قوانین) کے بارے میں ڈراتے رہنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸ از مسند احمد)

تشریح: اس حدیث میں جن باتوں کی نصیحت فرمائی ہے بہت اہم ہیں ورد زبان اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں آب زر سے لکھی جائیں تب بھی ان کا حق ادا نہیں ہوگا۔ ہم نے نصیحت نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کے جوڑ سے تعلیم و تربیت کے ذیل میں اس کو لیا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان نصیحتوں پر عمل کرے۔

پہلی نصیحت - یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا، اگر تجھے قتل کر دیا جائے اس میں شرک کی اور مشرک کی مذمت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ شرک سے اس قدر پرہیز لازم ہے کہ اگر شرک سے پرہیز کرنے کی وجہ سے قتل کیا جانے لگے یا آگ میں ڈالا جانے لگے تب بھی زبان سے شرک کا کوئی کلمہ نہ نکالے اور نہ شرکیہ عمل کرے۔ اس میں افضل اور اعلیٰ مرتبہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کفر و شرک کا کلمہ کسی بھی دباؤ اور خوف سے نہ کہے اور اس بارے میں کسی بھی طاقت کے سامنے نہ جھکے یہ ایمان کا اونچا مرتبہ ہے۔ اگرچہ اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ جان جانے کا واقعی خطرہ ہو تو صرف زبان سے کفر و شرک کا کلمہ کہہ کر جان بچا لے لیکن دل سے مومن ہی رہے۔ اعتقاد قلبی نہ بدلے۔ کما قال اللہ تعالیٰ شانہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ۔

دوسری نصیحت - یہ فرمائی کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے یعنی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔ اولاد

پر واجب ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کریں۔ وہ جو کچھ بھی انکو مانیں (بشرطیکہ گناہ کی بات نہ کہیں کیونکہ گناہ کرنے میں کسی کی فرمانبرداری نہیں) ماں باپ کی بات نہ ماننا ان کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف دینا یہ سب عقوق میں داخل ہیں جس سے حدیث شریف میں سختی سے منع فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں یہاں تک فرمادیا کہ اگر ماں باپ یوں کہیں کہ اپنے گھر بار سے نکل جا تب بھی ان کی فرمانبرداری کیلئے یہاں تک تیار رہنا چاہئے۔ یہ بات الگ ہے کہ ماں باپ خود ہی کوئی ایسا حکم نہ دیں گے جس سے انکی اپنی اولاد کو یا اولاد کی اولاد کو تکلیف پہنچے یا بیٹے کی بیوی کسی تکلیف میں مبتلا ہو یا بیٹی کا شوہر کسی مصیبت سے دوچار ہو۔

تیسری نصیحت۔ یہ فرمائی کہ فرض نماز ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ بری ہو گیا یعنی نماز کی پابندی کرتے ہوئے یہ شخص اللہ کے یہاں باعزت تھا ثواب کا مستحق تھا۔ امن و امان میں تھا نماز فرض چھوڑنے سے اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہی کہ اس کو امن و امان اور عزت سے رکھے اور مصائب دنیا اور عذاب آخرت سے بچائے۔ دیکھو کتنی بڑی بات ہے فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا۔ نہ گھر پر نہ سفر میں نہ تندرستی میں نہ بیماری میں نہ غریبی میں نہ مالداری میں۔

چوتھی نصیحت۔ یہ فرمائی کہ شراب ہرگز نہ پی۔ کیونکہ وہ ہر بے حیائی کی جڑ ہے جس طرح سے نماز ام العبادات ہے۔ یعنی سب عبادتوں کی جڑ ہے، جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے اور طرح طرح کی عبادات نماز کی پابندی کی وجہ سے ادا ہوتی رہتی ہیں مثلاً تسبیح درود استغفار تلاوت نفلیں دعائیں یہ سب چیزیں نماز کی برکت سے عمل میں آتی رہتی ہیں اور ان کے علاوہ بہت سی نیکیاں نماز کے جوڑ اور تعلق سے ادا ہو جاتی ہیں بالکل اس کے برعکس شراب ہے جو ام الخبائث ہے یعنی جو شراب پی لے وہ ہر طرح کی بے ہودگی، بے حیائی بدمعاشی اور حیوانیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عقل انسانی کو برائیوں سے روکتی ہے اور شراب پی کر عقل پر پردہ چھا جاتا ہے جس کی وجہ سے نشہ میں انسان ہر اس حرکت کر گزرتا ہے جس کی اجازت نہ مذہب دیتا ہے نہ انسانیت دیتی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تشرب الخمر فانھا مفتاح کل شر۔ یعنی شراب نہ پی کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ سچ فرمایا ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو قومیں شراب پیتی ہیں ان کی حالت نظروں کے سامنے ہے یہ لوگ ہر برے سے برا گندہ کام کر گذرتے ہیں جو نام کے مسلمان اس ناپاک چیز کے پینے کو اختیار کر لیتے ہیں وہ بھی یورپ اور امریکہ کے گندے لوگوں کی طرح بے حیائی اور بے شرمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پانچویں نصیحت۔ یہ فرمائی کہ گناہ مت کرنا کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نازل ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو انسان خداوند قدوس کی فرمانبرداری میں لگا رہے اور گناہوں سے پرہیز کرتا رہے اسے اللہ جل شانہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ اسے مصائب دنیا اور عذاب آخرت سے بچاتے ہیں اور جیسے ہی گناہ کر لیا تو بس اللہ تعالیٰ کے غصہ اور نزول عذاب کا مستحق ہو گیا۔ گناہ معصیت کا سبب ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کی وبائیں نازل ہوتی ہیں آج کل ہمارا سارا معاشرہ گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ مرد عورت، بوڑھے جوان، حاکم محکوم، امیر غریب سب گناہوں میں ملوث ہیں خال خال کوئی شخص ہے جس کے گناہ کم ہوں ورنہ سب ہی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں اور عذاب خداوندی کو ہر وقت دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اور لطف یہ ہے کہ سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مصیبتیں دور آفتیں اور زلزلے سیلاب ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں لیکن پھر

اقرار کے باوجود گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ مصیبتیں اقرار گناہ سے نہیں بلکہ ترک گناہ سے دفع ہونگی۔ اس بارے میں احقر کا مفصل رسالہ "ہماری مصیبتوں کے اسباب اور انکا علاج" ملاحظہ فرمائیں۔

چھٹی نصیحت۔ یہ فرمائی کہ میدان جہاد سے مت بھاگنا۔ اگرچہ دوسرے لوگ یعنی تیرے ساتھی ہلاک ہو جائیں جب کسی جگہ کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر جنگ کرنا چاہیے جو مسلمانوں کی خاص امتیازی شان ہے، بعض حالات میں میدان سے چلا جانا بھی جائز ہے لیکن بہت سے حالات میں ضروری ہوتا ہے کہ میدان ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ اگر ایک ہی شخص باقی رہ جائے تو وہ تنہا ہی لڑ کر جان دے دے۔ اس حدیث میں یہی بات بتائی ہے وہ آیت قرآنی وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ میں بھی اس کے احکام بتائے ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

ساتویں نصیحت۔ یہ فرمائی کہ جب کسی جگہ ایسی وبا پھیلی ہوئی ہو جس سے موتیں ہو رہی ہوں تو وہاں سے کسی اور جگہ مت جانا بلکہ وہیں رہنا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا عليه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه (رواه مسلم)

یعنی جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب کسی ایسی جگہ طاعون پھیل جائے جہاں تم پہلے سے ہو تو طاعون سے بھاگ جانے کی نیت سے وہاں سے نہ نکلو بڑے بڑے عالموں نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ جس جگہ وبا پھیلی ہوئی ہو۔ اگر صحت مند لوگ وہاں سے بھاگ جائیں گے تو بیماروں کی تیمارداری اور خدمت نیز مرنے والوں کی تجہیز و تکفین یعنی غسل اور کفن دفن کرنے والے اور نماز جنازہ ادا کرنے والے نہ رہیں گے اور پھر زندہ بیماروں اور مردہ لاشوں کا کیا حال ہوگا، رہا یہ خیال کہ جو لوگ رہیں گے انہیں بھی وبائی مرض لگ جائے گا تو اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ خدائے پاک کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کسی کو مرض نہیں لگ سکتا اور نہ موت آسکتی ہے۔ جب اللہ پاک کی قضاء و قدر کے مطابق مرض لگنا ہوگا یا موت آنی ہوگی تو کوئی نہ بچا سکے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ جس جگہ تمہیں پتہ چلے کہ وہاں وبائی مرض ہے وہاں نہ جاؤ اس میں بھی بہت بڑی حکمت ہے کیونکہ وہاں جا کر کوئی شخص وبائی مرض میں مبتلا ہو گیا تو خواہ مخواہ یہی خیال ہوگا کہ یہاں آنے کی وجہ سے مرض لگا اور اللہ پاک کی قضاء و قدر کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ (اگر مرض متعدی نہیں ہے تو) یہ کیا بات ہے کہ اچھے خاصے اونٹوں میں کھجلی والا اونٹ مل جاتا ہے تو یہ کھجلی والا اونٹ ان کو بھی کھجلی والا بنا دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے اونٹ کے جسم میں جو کھجلی پیدا ہوئی وہ کھجلی کس نے لگائی۔ (رواہ البخاری)

یعنی جس ذات پاک نے سب سے پہلے اونٹ میں کھجلی لگا دی اسکی مشیت و ارادہ سے بعد میں دوسرے اونٹوں میں کھجلی پیدا ہو جاتی ہے اکثر لوگ اسی خام خیالی میں رہتے ہیں کہ مریض سے دوسرے کو مرض لگ گیا اور اللہ جل شانہ کی مشیت و ارادہ کی طرف ذہن بھی نہیں لے جاتے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جب کسی جگہ طاعون ہو تو تم وہاں نہ جاؤ کیونکہ مرض پیدا ہوگا خدائے پاک کی مشیت سے اور تم یہ سمجھو گے کہ طاعون والوں کیساتھ رہنے سے یہ مرض ہم کو بھی لگ گیا، نہ وہاں جاؤ گے اور نہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہو گے۔

آٹھویں نصیحت یہ فرمائی کہ اپنی بیوی بچوں پر اپنے اچھے اور عمدہ مال سے خرچ کرو۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو نصیحت ہے جو اہل وعیال کے ضروری اخراجات میں تنگی برتتے ہیں۔ حرام مال تو حاصل کرنا ہی حرام ہے لہٰذا اس کو اہل وعیال پر خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جسے اللہ پاک حلال مال نصیب فرمائے اس کو بیوی بچوں میں اچھی طرح خرچ کرے البتہ فضول خرچیا سے پرہیز کرے اور گناہوں میں خرچ نہ کرے۔ بہت سے لوگ بچوں کی خوشنودی کے لئے گڑیاں اور تصویریں خرید لاتے ہیں اور بعض لوگ سب بیوی بچوں کو لے جا کر سینما دکھاتے ہیں، یہ سب گناہ ہے بس اللہ ہی کی رضا پیش نظر رہنی چاہئے اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہوئے جو راضی ہو جائے بہتر ہے اور جو ناراض ہو جائے عذر ماں کا راضی کرنا نہیں ہمارے ذمہ صرف اللہ کو راضی کرنا ہے جو خالق و مالک ہے اسی کے فرمان سے اسی کے قانون کے مطابق بیوی بچوں پر خرچ کرنا چاہئے۔

نویں نصیحت یہ فرمائی کہ اپنے گھر والوں کو ادب سکھانے میں کوتاہی نہ کرو اور لاٹھی اٹھا کر مت رکھو یعنی جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر احکام خداوندی کو فراموش کر دیں۔ مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر لگانے کی ہر وقت فکر رکھو۔ دینی معاملہ میں ان کا خیال رکھنا ان کو گوارا ہو یا ناگوار، نمازیں پابندی سے پڑھواؤ اور رمضان کے روزے رکھواؤ۔ حرام کاموں سے بچاؤ، گناہوں سے پرہیز کراؤ، اخلاق و آداب سکھاؤ، اس بارے میں مار پیٹ کرنی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرو۔ ان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ اگر ہم نے دین کے خلاف کام کیا تو پٹائی ہوگی۔ مقصد یہ نہیں کہ مار ہی بجاتے رہا کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ دین پر ڈالنے سے غافل نہ ہو اور گھر والوں کو دین پر چلانا اپنی ذمہ داری سمجھو اگر ذرا سی غفلت کرو گے تو وہ دلیر ہو جائیں گے جب نافرمانی پر اتر آئیں گے تو کوئی بات نہیں مانیں گے بہت سے لوگ دنیا کے کام اپنے اہل وعیال سے بڑی سختی سے لیتے ہیں ان سے دنیا کا کوئی معمولی نقصان بھی ہو جائے تو سخت دارو گیر کرتے ہیں اور مار پٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتے لیکن دینی معاملات میں بالکل ایسے ہو جاتے ہیں جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا اور جیسے کچھ پتہ نہیں ہے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔

بہت سے لوگ اپنی نماز مسجد میں جا کر پڑھنے کا اہتمام کر لیتے ہیں مگر گھر میں کس نے نماز پڑھی کون سوتا رہ گیا اس کی کوئی فکر نہیں کرتے یہ بڑی نادانی اور غفلت شعاری ہے۔ دنیا والے جن چیزوں کو ادب تہذیب سمجھتے ہیں اگرچہ وہ گناہ ہی ہوں بعض لوگ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے سکھانے میں بہت پیش پیش ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑا ادب جو انسان میں ہونا چاہئے کہ اپنے خالق و مالک سے غافل نہ ہو اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں سب سے زیادہ کمزور دین ہی ہے اور تنزل عضو ضعیف پر گرتا ہے بچوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے طرز پر زندگی گزارنے کے طور طریقے سکھاتے ہیں۔ کوٹ پتلون پہننے اور ٹائی لگانے کا ڈھنگ پوری توجہ سے بتاتے ہیں لیکن جس مسلمان کی اولاد ہو جاتی ہے اسے تشہد التحیات تک بھی یاد نہیں ہوتا یہ اپنے نفس پر بھی ظلم ہے اور اہل وعیال پر بھی۔ وفقنا اللہ لما یحب ویرضیٰ

دسویں نصیحت یہ فرمائی کہ اپنے اہل وعیال کو اللہ کے احکام و قوانین کے بارے میں ڈراتے رہو، یہ نویں نصیحت کا تکملہ ہے مطلب یہ ہے کہ محض ڈنڈے ہی کے زور سے کام نہ چلاؤ اس میں تو گھر والے صرف تم سے ڈریں گے تقریر کرو کہ خدا سے ڈریں

ان کے دل میں خدائے پاک کا خوف بٹھانے کی کوشش کرو اگر خدا کا خوف بیوی بچوں کے دل میں بٹھادیا تو فرائض کی ادائیگی میں اور گناہ چھوڑنے میں اور نوافل واذکار کے لگنے میں انہیں تکلیف محسوس نہ ہوگی جیسے کے سامنے قبر کے حالات بیان ہوتے رہتے ہوں۔ میدان حشر کی نفسی نفسی کا عالم بیان کیا جاتا ہو دوزخ کے سخت عذاب کی کیفیت سنائی جاتی ہو وہ شخص کیسے گناہوں کی جرأت کریگا اور کیونکر خدائے پاک کی رضا کا اور بہشت کے آرام وراحت کی جگہ یعنی جنت کا طالب نہ ہوگا۔

ان نصیحتوں میں آخری دو نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان کی طرف عورتوں کو زیادہ توجہ دینا لازم ہے۔ کیونکہ مرد عموماً کمانے کے لئے نکل جاتے ہیں بعض لوگ تو مہینوں بلکہ برسوں میں نوکری سے واپس آتے ہیں اس زمانہ میں بچوں کی دیکھ بھال اور ان کے دین وایمان کی نگرانی ماؤں ہی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور یہ تو عموماً روزانہ ہوتا ہے کہ مرد گھنٹوں کے لئے ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں پیچھے بچے ماؤں کے حوالے رہتے ہیں اور سات آٹھ سال تک بچہ ماں ہی کے ساتھ چمٹا رہتا ہے ماں اگر اس زمانہ میں اپنا رنگ ڈھنگ دینی بنائے رہے اور بچوں کو دین کے احکام پڑھائے نماز روزہ سکھائے اور بتائے کفر وشرک اور بدعت اور خدائے پاک کی نافرمانی سے بچائے اور دنیا وآخرت میں جو ان کے نقصانات ہیں ان سے آگاہ کرتی رہے تو پوری نسل کا اٹھان نیک اور صالح ہو کیونکہ سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہی ہے۔ افسوس ہے آج کل کی مائیں اپنے بچہ کا ناس خود کھوتی ہیں ان کو دین پر کیا لگاتیں بے دینی پر لگا دیتی ہیں، اس میں بچوں پر بھی ظلم ہوتا ہے اور اپنے آپ پر بھی۔

عورتیں اپنی اولاد کے لئے زیادہ پیسے والی ملازمت چاہتی ہیں اس سلسلہ میں حرام وحلال کا بھی خیال نہیں کرتیں اور اولاد کو یورپ اور امریکہ کے بے شرم لوگوں کی پوشاک میں دیکھنا چاہتی ہیں اور دنیا ہی کو ان کی زندگی کا مقصد بنا دیتی ہیں یہ مسلمان عورت کا طریقہ نہیں، اگر بچے زیادہ پیسے والی نوکری میں لگ گئے اور بنگلہ کوٹھی بنا کر رہنے لگے اور نمازیں غارت کرنے اور روزے برباد کرنے کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے جس کی آگ دنیا کی اس آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے تو اس پیسے کوٹھی اور بنگلہ سے کیا نفع ہوا؟ باتیں تو ہماری خشک ہیں اور پرائی ہیں مگر ہیں سچ جو مانے گا وہ بنا کرے گا۔

ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم

وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَہِیَ مُشْرِکَۃٌ فِیْ عَہْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَہِیَ رَاغِبَۃٌ اَفَاَصِلُہَا قَالَ نَعَمْ صِلِیْہَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میری والدہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ آگئیں جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے معاہدہ کر رکھا تھا اس وقت تک وہ مسلمان نہ ہوئیں تھیں بلکہ مشرک تھیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ آئی ہیں جو مجھ سے ملنے کی امیدوار ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کا برتاؤ کروں (اور ان کو حسب توفیق کچھ دے دوں) آپ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

تشریح: حضرت اسماء اور ان کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت پہلے مسلمان ہو گئے تھے، بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالغ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں، لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھیں جس وقت کا یہ قصہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر اپنے اصل وطن اور باپ دادوں کے دیس یعنی مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے جس کو ہجرت کہتے ہیں، کافروں نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور لڑائیاں لڑتے رہے جس کے نتیجے میں جنگ بدر اور جنگ احد ہوئی۔ ان دونوں جنگوں کے قصے مشہور ہیں اور تاریخ اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔

جب مسلمانوں نے کافروں کے مقابلے میں جوابی کارروائی کی تو کافروں کے دانت کھٹے کر دیئے اور ان کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اگرچہ مسلمان اس زمانہ میں بہت ہی کم تھے اور کافروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی ہمت بہت زیادہ اور ایمان مضبوط پکا تھا۔ اللہ کے لئے مرنے سے محبت کرتے تھے۔ اس لئے کافر لوگ ان کو نیچا نہ دکھا سکے اور خود مجبور ہو کر دس سال کے لئے خاص خاص شرطوں پر صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ صلح ۶ ہجری میں ہوئی۔

ان شرطوں میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ فریقین میں سے کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے گا۔ چونکہ یہ صلح مقام حدیبیہ میں ہوئی اس لئے صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ صلح ہو جانے کے بعد فریقین کو آپس مل جانے کے باعث آپس میں ملنا جلنا اور ایک دوسرے کے پاس آنا جانا شروع ہوا مذہب کے لحاظ سے گو دشمنی تھی مگر فریقین کے آپس میں خونی رشتے تھے جن کی وجہ سے طبعی طور پر ملاقاتوں کو جی چاہتا تھا۔ حال یہ تھا کہ بیٹا کافر ہے تو باپ مسلمان اور باپ کافر ہے تو بیٹا مسلمان، ماں کافر بیٹی مومن، ایک بھائی دین حق پر دوسرا دین مشرک پر ایک بتوں کا پجاری دوسرا مالک حقیقی کا پرستار جو مسلمان تھے سارا دھن دولت مکہ میں چھوڑ کر قرابت داری کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر مدینہ منورہ میں آکر بس گئے تھے کیونکہ ان کے دل میں نفس بس گیا تھا۔

صلح حدیبیہ کے زمانے میں جب امن ہوا اور ملاقات کا موقع ملا تو بعض لوگوں نے اپنے عزیزوں سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اسی زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مکہ سے مدینہ آئیں حدیث میں فی عہد قریش کا یہی مطلب ہے یہ اب تک مسلمان نہ ہوئی تھیں اور چونکہ ضرورت مند تھیں اس لئے ان کی خواہش تھی کہ بیٹی سے کچھ لے لیکن بیٹی اب صرف بیٹی نہ تھی بلکہ حق کی متوالی اور اسلام کی رکھوالی تھی۔

سوچا کہ ماں اگرچہ ماں ہے مگر ہے تو مشرک۔ اس پر خرچ کرنا اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں۔ دل میں کھٹک ہوئی۔ بارگاہ رسالت میں حاضری دی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری والدہ آئی ہیں ان کی تمنا ہے کہ ان کی مالی امداد کروں۔ اس بارے میں جو کچھ ارشاد ہو عمل کروں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی مدد کرو اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرو۔

درحقیقت اسلام عدل وانصاف کا مذہب ہے کہ کس درجے جو مذہبی دشمنی ہو اس کے ہوتے ہوئے ماں باپ کی خدمت اور مالی امداد کا بھی سبق دیتا ہے۔ ماں باپ کے کہنے سے کفر و شرک اختیار کرنا یا کوئی دوسرا گناہ کرنے کا تو حکم نہیں ہے مگر ان کی خدمت کرنا اور ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ماں باپ کافر ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ

اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھے مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرے جن کا تجھے علم نہیں تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا اور ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے گزر کرنا اور اس کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے۔ (سورہ لقمان)

ماں باپ کا بڑا حق ہے مگر آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہو گئے ہیں کہ شادی ہوتے ہی ماں باپ سے اس طرح قطع تعلق کر لیتے ہیں کہ جیسے جان پہچان ہی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے آمین

اپنی اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلِيَ أَجْرٌ أَنْ أُنْفِقَ عَلَىٰ بَنِي أَبِي سَلَمَةَ إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ فَقَالَ أَنْفِقِي عَلَيْهِمْ فَلَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے ثواب ملے گا اگر (اپنے پہلے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بچوں پر خرچ کروں کہ وہ تو میری ہی اولاد ہے (کیا اپنی اولاد پر خرچ کرنے میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر خرچ کرتی رہو تم کو ان پر خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں ان کی روایت کی ہوئی سینکڑوں حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں انہوں نے بھی علم دین خوب پھیلایا ان کا نام ہند تھا ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے دونوں میاں بیوی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کی راہ میں دونوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں پہلے دونوں نے اسلام کی خاطر حبشہ کو ہجرت کی بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی مگر اس مرتبہ دونوں ایک ساتھ ہجرت نہ کر سکے اس وقت مکہ معظمہ میں کافروں کا زور تھا۔

جب دونوں میاں بیوی ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو میکے والوں نے نہ جانے دیا۔ اس کے ایک سال بعد وہ ہجرت کر سکیں ان کا ایک بچہ سلمہ نامی تھا اسی کی وجہ سے ان کو ام سلمہ (سلمہ کی ماں) اور بچے کے باپ کو ابو سلمہ (سلمہ کا باپ) کہتے تھے۔ عرب میں اس کا بہت دستور تھا اس کو کنیت کہتے ہیں بعض مرتبہ اصل نام بھول بھلیاں ہو جاتا تھا اور کنیت ہی سے آدمی کو جانتے تھے۔

۴ھ میں جب ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزر جانے کے بعد ان سے نکاح فرمایا جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے میں آ گئیں تو پہلے شوہر کے بچے بھی ساتھ آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے ذاتی مال میں سے ان بچوں پر خرچ کرتی تھیں ان کو خیال ہوا کہ میں جو ان پر خرچ کرتی ہوں تو گویا حق ادا کرتی ہوں اس میں ثواب شاید نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خرچ کرتی رہو ضرور ثواب ملے گا کیونکہ اولاد پر خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں حلال مال مسلمان مرد و عورت خواہ اپنے نفس پر خرچ کرے خواہ اولاد پر خواہ ماں باپ پر خواہ دوسرے عزیزوں پر خواہ دیگر مسکینوں اور محتاجوں پر اس کے خرچ کرنے میں بڑا ثواب ملتا ہے اللہ اکبر! اپنوں ہی پر خرچ کرو اور ثواب بھی پاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ م بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک کھجور صدقہ میں دے دی

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْنِيْ اِمْرَاَةٌ وَّمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْاَلُنِيْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ غَيْرَ تَمْرَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَاْكُلْ مِنْهَا فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک عورت میرے پاس آئی اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں اس نے مجھ سے سوال کیا میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہ کھجور ہی اس کو دے دی اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود ذرا بھی کچھ نہ کھایا اس کے بعد چلی گئی وہ چلی ہی گئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانے میں تشریف لے آئے میں نے آپ کو پورا قصہ سنایا آپ نے فرمایا کہ جو شخص (مرد و عورت) لڑکیوں (کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت) کے ساتھ مبتلا کیا گیا (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اس کے ذمہ پڑ گئی) اور پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں آتش دوزخ سے بچانے کے لئے اس کے واسطے آڑ بن جائیں گی۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت سوال کرنے آئی ایک کھجور کے سوا کچھ موجود نہ تھا انہوں نے ایک کھجور ہی دے دی کم ہونے کا خیال نہ کیا۔ در حقیقت اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو ایک کھجور اور ایک پیسہ بھی بہت ہے قرآن شریف میں فرمایا:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ (البقرہ ۱۱۰، المزمل ۲۰)

جو کچھ بھی اپنے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے برابر بھی حلال کمائی سے جو شخص صدقہ دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں پھر جس نے صدقہ دیا ہے اس کے لئے اس صدقہ کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

بندہ نے دیا کھجور کے برابر اور خدائے رحیم و کریم نے عنایت فرمایا پہاڑ کے برابر ایسا داتا اللہ ہی ہے صدقہ سے بھی دریغ نہ کرو اس سے ضرورت مند کی حاجت بھی پوری ہوتی ہے اور صدقہ والے کو ثواب بھی ملتا ہے کتنا ثواب ملتا ہے؟ اس کا اندازہ بھی معلوم ہوا۔

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ کَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ قِلَّةِ صِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔

تشریح: انسان کو اپنے گھر والوں کے بعد سب سے زیادہ اور تقریباً روزانہ اپنے پڑوسیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ پڑوسیوں کے احوال و اخلاق مختلف ہوتے ہیں ان کے بچے بھی گھر آ جاتے ہیں بچوں بچوں میں لڑائی بھی ہو جاتی ہے پڑوس کی بکری اور مرغی بھی گھر میں چلی آتی ہے ان چیزوں سے ناگواری ہو جاتی ہے اور ناگواری بڑھتے بڑھتے بغض و کینہ و قطع تعلقات تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ہر فریق ایک دوسرے پر زیادتی کرنے لگتا ہے اور غیبتوں اور تہمتوں بلکہ مقدمہ بازیوں تک نوبت آ جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مرد اور عورت تیز مزاج اور تیز زبان ہوتے ہیں بغیر کسی وجہ کے اپنی بدزبانی سے لڑائی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔

عورتوں کی بدزبانی اور تیز کلامی تو بعض مرتبہ اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ پورا محلہ ان سے بیزار رہتا ہے اسی طرح کی ایک عورت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بڑی نمازن ہے خوب صدقہ کرتی ہے نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے لیکن اس سب کے باوجود اس میں ایک یہ بات ہے کہ اپنی بدزبانی سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے دیکھو! پڑوسیوں کے ستانے کے سامنے نماز روزوں کی کثرت سے بھی کام نہ چلا اس کے برخلاف ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا جو فرض پڑھ لیتی تھی فرض روزہ رکھ لیتی تھی

زکوٰۃ فرض ہوئی تو وہ بھی دے دی، نفل نماز، روزہ اور صدقہ کی طرف اس کو خاص توجہ تھی، لیکن پڑوسی اس کی زبان سے محفوظ تھے، جب اس کا تذکرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنتی فرمایا۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور اچھے معاملات کے ساتھ زندگی گزارنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے، اس سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور اپنی طرف سے اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور اس کی مشکلات و مصائب میں کام آئے جہاں تک ممکن ہو، اس کی مدد کرے، اس کے گھر کے سامنے کوڑا کچرا نہ ڈالے، اس کے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے، ان باتوں کا لکھنا اور بول دینا اور سن لینا تو آسان ہے لیکن عمل کرنے کے لئے بڑی ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہے، اگر کسی طرح کا کوئی اچھا سلوک کر سکے تو کم سے کم اتنا تو ضرور کرے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور آگے پیچھے اس کی خیر خواہی کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے یہ گمان کیا کہ آپ پڑوسی کو وارث بنا کر چھوڑیں گے۔ (بخاری و مسلم)

"پڑوسی کو تکلیف پہنچانا" تو کجا اس کے ساتھ اس طرح زندگی گزارے کہ اس کو کسی قسم کا کوئی خطرہ اور کھٹکا اس بات کا نہ ہو کہ فلاں پڑوسی سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو۔ (مسلم)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے بارے میں کیسے جانوں کہ میں اچھا ہوں یا برا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ وہ تیرے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ تو اچھے کام کرنے والا ہے تو تو اچھا ہے اور جب تو سنے کہ وہ تیرے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ تو برے کام کرنے والا ہے تو تو برا ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ اس لئے فرمایا کہ انسان کے اچھے برے اخلاق سب سے زیادہ اور سب سے پہلے پڑوسیوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کی گواہی اس لئے زیادہ معتبر ہے کہ ان کو بار بار دیکھنے کا تجربہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آٹا گوندھ کر چھوٹی چھوٹی روٹیاں پکائیں اس کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی، اس اثناء میں پڑوسن کی بکری آئی اور وہ روٹیاں کھا گئی، آنکھ کھلنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے پیچھے دوڑیں، یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ہمسایہ کو اس کی بکری کے بارے میں نہ ستاؤ۔ (الادب المفرد باب ۸۵ ای بارہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا ہو۔ (بیہقی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مدعی اور مدعا علیہ دو پڑوسی ہوں گے۔ (رواہ احمد)
ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ پڑوسی پر کسی طرح سے کوئی ظلم و زیادتی تو بالکل ہی نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی خدمت، دلداری اور معاونت کرے۔

بیوی کے حقوق اور نان نفقہ کے احکام

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء دیتی ہے یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔
تشریح: اس میں بھی متعدد مختلف غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں، غلطی سے مراد علمی اختلال (علمی خرابی) اور کوتاہی سے مراد عملی اختلال (عملی خرابی) ہے، دونوں مختلف طور پر مذکور ہوتی ہیں۔

بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ بی بی کا نفقہ اس وقت واجب سمجھتے ہیں کہ وہ نادار ہو اور اگر وہ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ واجب نہیں سمجھتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بیوی کا نفقہ دونوں مذکورہ حالتوں میں واجب ہوتا ہے، صرف اتنی شرط ہے کہ بی بی کی طرف سے تسلیم نفس میں جو اختیار کوتاہی نہ ہو اور اگر عذر سے ایسا ہو جیسے مہر معجل کے لینے کیلئے اپنے نفس کو تسلیم نہ کرے اس میں نفقہ واجب رہیگا۔

کمسن عورت کو اگر شوہر اپنے گھر میں رکھے تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے

البتہ اگر بلاوجہ سرکشی شوہر کے گھر سے چلی گئی اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا۔ جب تک کہ واپس نہ آ جائے۔ اسی طرح اگر بی بی بہت کمسن ہو کہ قابل ہمبستری کے نہ ہو لیکن اس قابل ہو کہ مرد کے پاس رہنے سے مرد کا جی بہلے، معمولی خدمت کر سکے تو تسلیم نفس کے بعد اس کا نفقہ بھی واجب ہے، البتہ اگر اس قابل بھی نہ ہو جیسے بعض قوموں میں بہت ہی کم عمری میں شادی کر دیتے ہیں، اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ (کذا فی در المختار)

لیکن جو قابل تمتع کے نہ ہو لیکن نفس اور خدمت کے لائق ہو، خود شوہر اس کو اپنے گھر رکھنے پر مجبور نہیں ہے اگر رکھے گا، نفقہ دے گا، اگر نہ رکھے گا تو نہ دے گا۔ (کذا فی امداد الفتاوی)

جوان عورت کا نکاح کمسن لڑکے سے ہو تب بھی اسکے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اور بعض قوموں میں یہ بھی عادت ہے جوان عورت کا کم عمر لڑکے سے عقد کر دیتے ہیں، اس عورت کا نفقہ زوج کے مال سے اگر وہ صاحب جائیداد یا مالک نقد ہو واجب ہوگا۔ کیونکہ مانع تمتع مرد کی طرف سے ہے، عورت کی طرف سے نہیں۔

شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلے جانے سے شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہیں

ایک غلطی بعض عورتوں کی جانب سے یہ ہے کہ شوہر سے مخالفت کر کے اپنے میکے جا بیٹھتی ہے اور نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے، سو ابھی مذکور ہوا ہے کہ اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا۔

ذی وسعت مرد کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے

ایک کوتاہی بعض مردوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ باوجود فراخ البالی کے بی بی کے خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور احکام دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے پکائے تو کافی ہو سکتا ہے، ورنہ ماما (نوکرانی) رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی حالانکہ مرد اگر ذی وسعت ہو تو اس کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے۔

تنگدست شوہر ماما رکھنے پر مجبور نہیں

اور کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود شوہر کے تنگدست ہونے کے اس کو مجبور کرتی ہیں کہ ماما لا دے حالانکہ شوہر کی تنگدستی کی صورت میں مرد اس پر مجبور نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے کام پر قادر ہے یا نہیں اگر قادر ہے تو اپنا کھانا بھی پکائے اور شوہر کا بھی پکائے اور اگر قادر نہیں خواہ کسی مرض کے سبب خواہ امیر کبیر ہونے کے سبب تو نہ شوہر ماما لانے پر مجبور ہے اور عورت کھانا پکانے پر، بلکہ شوہر کو کہا جائے گا کہ تیار شدہ کھانا عورت کو لا کر دے، خواہ بازار سے یا کہیں اور سے پکوا کر۔ (کذا فی امداد الفتاوی)

تنگدستی کی حالت میں عورت کو تفریق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ جہاں ذرا نفقہ میں تنگی ہوئی انہوں نے تفریق کی درخواست شروع کی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ سخت تنگی کی حالت میں گو بعض ائمہ کے نزدیک قاضی کو تفریق جائز ہے لیکن اول تو یہاں شرعی قاضی نہیں اور بدون قاضی شرعی کے کسی کے نزدیک بھی تفریق صحیح نہیں، دوسرے ہمارے مذہب حنفی میں خود قاضی کے ہوتے ہوئے بھی اس خاص وجہ سے تفریق جائز نہیں بلکہ قاضی عورت کو حکم دے گا کہ تو قرض لے لے کر خرچ کرتی رہ اور وہ قرض بذمہ شوہر ہوگا۔

روشن خیال حضرات کو حقیقی ہمدردی کی نشاندہی

بعض روشن خیال حضرات ایسی صورتوں میں بزعم خود عورتوں کی ہمدردی میں اور درحقیقت شریعت پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تفریق کا جائز نہ ہونا عورت کے حقوق کا تلف کرنا ہے کیونکہ ہمارے دیار میں شرعی قاضی تو ہے نہیں تو خود عورت کو ایسی مجبوری میں تفریق کے اختیارات ہونے چاہئیں ورنہ اگر اس کو قرض بھی نہ دے تو پھر کہاں سے کھائے؟

میں کہتا ہوں کہ آپ صاحبوں کو تو یہ آسان ہے کہ عورت کی ہمدردی میں شریعت پر اعتراض کر کے اپنا دین برباد کرنے لگے اس سے زیادہ آسان تو یہ تھا کہ اس کی ہمدردی میں نہ چندہ مال صرف کرتے اور ایسے ستم رسیدہ کی مدد کرتے اور خیال کرنا چاہئے کہ آپ کی اس رائے میں عورت کی ہمدردی ہو گی لیکن کیا ایسا مجبور مرد قابل ہمدردی کے نہیں کیا اس کی یہی ہمدردی ہے کہ اس کی بی بی جو اس کے لئے کسی قدر مایہ تسلی تھی اس سے جدا کر دیا جائے اور جو طریقہ ہمدردی کا ہم نے بتلایا ہے اس میں دونوں کی ہمدردی ہے مرد کی بھی عورت کی بھی اور دونوں اپنے گھر پر آباد رہیں گے انصاف کیجئے ہمدردی کہنے کے لائق کونسی صورت ہے۔

قہوہ، حقہ اور مسی پھل شوہر کے ذمہ واجب نہیں

ایک وجہ تباہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ شوہر کے مال کو بے دریغ اڑاتی ہیں اور سب فضول خرچیاں اور تمام تعیشات کا خرچ ذمہ شوہر سمجھتی ہیں خصوصاً پان چھالیہ یا بعض چائے دکانی میں اس قدر زیادتی کرتی ہیں کہ خود بھی کھاتی پیتی ہیں اور آنے جانے والیوں کو تقسیم کرتی ہیں اور یہ شوہر کے ذمہ ضروری سمجھتی ہیں۔ حالانکہ فقہاء نے یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ قہوہ اور حقہ اور مسی پھل بھی شوہر کے ذمہ نہیں اگرچہ قہوہ اور حقہ کی عادت بھی ہو کہ اس کے چھوڑنے سے تکلیف ہو تب بھی شوہر کے مال میں صرف نہ کیا جائے۔

شوہران مصارف میں سے جتنے کا متحمل ہو جائے اس کا احسان ہے اور شوہر کی شان کے لائق بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ وسعت دے تو بی بی کو اس کے لئے سرمایہ راحت ہے۔ راحت پہنچانے میں دریغ نہ کرے مگر عورت کو بھی مناسب نہیں کہ اس راحت پہنچانے کا یہ صلہ کرے کہ اس کو کلفت پہنچائے۔

مردوں کے رشوت لینے کی زیادہ تر ذمہ دار عورتیں ہیں

واقعی ان عورتوں کی فضول خرچیوں کی بدولت بالخصوص پان اور لباس و آرائش اور رسوم و تقریبات میں مسلمان پنپنے نہیں پاتے اور ان کے گھر کو جو دیکھو تو چور کو من سا لگ رہا ہے کہ آہستہ آہستہ بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ ان اخراجات کی بدولت دنیا کے ساتھ ان کا دین تک برباد ہوتا ہے ملازم مردوں کی رشوت کے زیادہ حصہ کی ذمہ داری یہی فضول خرچیاں ہیں ورنہ اکثر گھروں میں دنیا کی بھی رونق ہے اور مردوں کا تقویٰ بھی محفوظ ہے۔

عورتیں چاہیں تو مرد کو متقی بنا سکتی ہیں

بلکہ اگر ذرا عورت مضبوطی اختیار کرے تو مرد کو مجبوری متقی بننا پڑے بہت نظائر ایسے موجود ہیں کہ عورتوں نے مردوں

پر زور دیا کہ اور اگر تم رشوت نہ چھوڑو گے تو ہم تمہاری کمائی کا کھانا نہیں پکائیں گے نہیں! ادھر مرد و عورت کا تعلق! ادھر اس خلوص کی برکت! مجموعہ کا اثر یہ ہوا کہ مردوں کو رشوت سے توبہ کرنا پڑی۔

شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ کَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ قِلَّةِ صِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ نئی کے جوڑے انبار کا انبار ان کے صندوقوں میں ذخیرہ رہتا ہے پھر بھی روزانہ شوہر سے جوڑے بنوانے کی فرمائش کی جاتی ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ شوہر کے گھر کے جوڑے جب تک موجود رہیں اس وقت تک شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں ... اور یوں وہ بنا دے یہ اس کا احسان ہے۔

خاوند کے مال کو ضائع کرنے کی قیامت کے روز باز پرس ہوگی

اسی طرح اکثر عورتوں کو بیکار چیزوں کی بے حد حرص ہے اور عادت ہے کہ خواہ ضرورت بھی نہ ہو جس پسند آنے کی دیر ہے کہ فوراً خرید لیتی ہیں اور ذخیرہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ پھر لطف یہ کہ نہ وہ کام میں آتی ہیں نہ ان کی حفاظت کرتی ہیں یوں ہی ضائع ہو جاتی ہیں تو اس طرح سے خاوند کے مال کو اڑانا قیامت میں موجب باز پرس ہے۔ حدیث: اَلْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا، میں اس کی تصریح ہے۔

نیز بقر عید اور شادیوں پر
مستقل جوڑا بنانا شوہر کیلئے ضروری نہیں

علیٰ ہذا عید بقر عید کے لئے یا شادیوں میں شرکت کے لئے مستقل جوڑا بنانا شوہر کے ذمہ نہیں تو اس کے مال میں سے بلا اس کی رضا کے بنانا بھی عورت کے لئے جائز نہ ہوگا۔ یہ تو شرعی مصارف ہیں ان میں تو بلا رضائے شوہر اس کا مال صرف کرنا کہاں جائز ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر دینی مصارف میں بھی چندہ دینا جائز نہیں

دینی مصارف میں بھی مثلاً کسی سائل کو دینا یا کسی مدرسہ وغیرہ کے چندہ میں دینا یا کسی عالم یا واعظ یا یتیم و مسکین وغیرہ محتاج کی خدمت کرنا بھی بلا رضا ئے شوہر اس کے مال میں سے جائز نہیں بلکہ ایسا دیا ہوا چندہ خدا تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول فرماتا۔

عورتوں کو اخراجات کے لئے مال دینے کے بارے میں مردوں کو ایک مشورہ

چونکہ ایسے مصارف دینیہ و دنیویہ کی اکثر حاجت واقع ہوتی ہے اور اکثر عورتوں کے پاس جداگانہ مال نہیں ہوتا اس لئے مردوں کو مناسب ہے کہ نفقہ واجبہ کے علاوہ حسب وسعت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لئے جداگانہ بھی دے دیا کریں۔ پھر اس کا حساب نہ لیا کریں تاکہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے ساتھ بے تکلف ایسے مصارف میں صرف کر سکیں۔

شوہر کے ذمہ عورت کا صدقہ فطر قربانی اور اسکے اپنے زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں

نیز شوہر کے ذمہ عورت کے مملوکہ زیور کی زکوٰۃ یا اس کی طرف سے صدقہ فطر یا قربانی واجب نہیں۔ سو اگر ایسی رقم ان کو مل جایا کرے گی تو ان واجبات کی ادائیگی میں ان کی سہولت ہوگی لیکن چونکہ شوہر پر واجب تو ہے نہیں اگر شوہر نے نہ دیا تو عورت اپنا زیور بیچ کر یہ سب حقوق واجبات ادا کرے شوہر کے مال سے بلا اس کی رضا کے ان عبادات میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا خوب سمجھ لینا چاہئے، عورتیں اس میں سخت بے احتیاطی کرتی ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا نا جائز ہونے کا ان کو وسوسہ تک بھی نہیں آتا گویا شوہر کے مال کا اپنے کو بالکل مالک سمجھتی ہیں سو یہ بالکل ہی باطل ہے۔

شوہر اور بیوی کی ملک جدا جدا ہے

ان دونوں کی ملک جدا جدا ہے یہ شوہر کے لئے بھی ظلم ہوگا کہ اگر عورت کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے اور عورت کے لئے بھی خیانت ہوگی اگر مرد کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے۔

رضا کا مفہوم و مطلب

اور رضا سے مراد سکوت کرنا یا ناراضی کا اظہار نہ کرنا یا پوچھنے پر رضا ظاہر کرنا نہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات باوجود گرانی اور کراہت کے لحاظ و شرم و مروت کے سبب بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ رضا وہ ہے کہ قرائن قویہ غیر مشتبہ سے مالک کا طیب خاطر جزم و تیقن کے طور پر دلی رضا مندی کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ قرآن و حدیث میں اسی مادہ کا استعمال شرط جواز حلال میں کیا گیا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا.

فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزیدار خوشگوار سمجھ کر۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ! کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے حلال نہیں۔

شوہر پر اپنی بی بی کو رہنے کے لئے جداگانہ گھر یا کمرہ دینا واجب ہے

اور نفقہ ہی کا ایک جزو بی بی کو رہنے کے لئے گھر دینا ہے۔ اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے اوپر واجب نہیں سمجھتے بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں۔ سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے اور یہاں بھی راضی ہونے کے وہی معنی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی طیب خاطر سے راضی ہو حتیٰ کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں۔ البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھڑی یا کمرہ ایسا دیدے کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال و اسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے بات چیت کر سکے یہ واجب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

عورت کو اپنے عزیزوں سے جدا رکھنے ہی میں سلامتی ہے

اور آج کل کے طبائع و واقعات کا مقتضاء تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے۔ اس میں بڑے بڑے مفاسد کا انسداد (بڑی بڑی خرابیوں کی روک تھام) ہے اور گو اس میں چند روز کیلئے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا۔ مگر اس کی منفعتیں جب مشاہد ہوں گی۔ سب خوش ہو جائیں گے۔ خصوصاً چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہئے زیادہ تر آگ چولہے سے ہی بھڑکتی ہے۔ فقہاء نے یہاں تک فرمایا کہ مرد کی اگر پہلی بی بی سے کچھ اولاد ہو دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور آج کل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔

ساس کی خدمت کرنا فرض نہیں

بعض لوگ اس کو بڑی سعادت مندی سمجھتے ہیں کہ بیوی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں۔ سو سمجھنا چاہئے بیوی بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے تم سعادت مند ہو تو خود خدمت کرو خدمت کیلئے مجبور کرو۔

لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہوتے ہی اس کی شادی کر دی جائے

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ وُّلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا

فانما اثمه علی ابیه (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے کوئی اولاد ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے پھر جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر اولاد بالغ ہوئی اور اس کا نکاح نہ کیا جس کی وجہ سے اس نے کوئی گناہ کر لیا تو باپ پر اس کا گناہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توراۃ شریف میں یہ مضمون لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کو پہنچ گئی اور اس نے (موقع مناسب ہوتے ہوئے) اس کا نکاح نہ کیا اس نے کوئی گناہ کر لیا تو اس کا گناہ اسی شخص پر یعنی اس کے باپ پر ہوگا۔ تشریح ان دونوں حدیثوں میں بہت اہم نصیحتیں ہیں۔

اچھا نام رکھنے کا حکم

اولاً تو یہ فرمایا کہ جب کسی کی اولاد ہو تو اس کا نام اچھا رکھے بچوں کا اچھا نام رکھنا بھی ماں باپ کی اہم ذمہ داری ہے اور بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کا اچھا نام رکھا جائے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے روز تم اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (ابو داؤد شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ فرشتے مومن کی روح لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں ہر جماعت یہ پوچھتی ہے کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے اس روح کو لے جانے والے فرشتے اس کا وہ اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس کے ذریعہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں ابن فلاں ہے اور جب کافر کی روح کو اوپر لے کر چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں ہر جماعت پوچھتی ہے کہ یہ کون خبیث روح ہے تو روح کو لے جانے والے فرشتے اس کا وہ برے سے برا نام لے کر جس کے ذریعہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ (مشکوٰۃ)

برا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

ماں باپ پر لازم ہے کہ بچوں کے نام اچھے رکھیں اور اچھے نام وہ ہیں جن سے اللہ کا بندہ ہونا معلوم ہوتا ہے اسلام اور ایمان کی صفت ظاہر ہوتی ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں کے ناموں پر نام رکھو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرۃ ہے۔ (مشکوٰۃ)

حرب لڑائی کو اور مرۃ کڑوے کو کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ناموں کو بدترین نام فرمایا۔ انسان انس اور ہمدردی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ دین اسلام سراسر صلح اور سلامتی سکھاتا ہے، پھر کسی کا نام "حرب" یعنی جنگ رکھنا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے اور مومن خوش اخلاق پاکیزہ صفات محبت کا پیکر اور الفت کا مجسمہ ہوتا ہے بھلا وہ کڑوا کیوں ہونے لگا حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ، عبدالرحمٰن نام رکھنے کو بہت پسند فرمایا اور انبیاءؑ کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ زمانہ ہائے گزشتہ میں ماں باپ اسلامی نام رکھتے تھے۔ عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم، عبدالکریم وغیرہ جن سے بندگی ٹپکتی تھی اور مالک و خالق سے خاص تعلق کا اظہار ہوتا تھا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر بھی نام رکھتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان جلیل القدر ہستیوں کے ناموں سے اور ناموں کے ذریعہ ان کے کاموں سے ذہن مانوس رہتا تھا، چند لوگ آج بھی ایسے ہیں جو بچوں کے نام رکھنے میں احادیث شریفہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی کرتے ہیں لیکن اکثر لوگوں میں نئے نئے نام رواج پا گئے ہیں اب تو پروین اور پرویز، غزالہ اور شاہین نے بہت رواج پالیا ہے۔ حالانکہ پرویز فارس کے اس بادشاہ کا نام تھا جس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی چاک کر دیا تھا جو آپ نے تبلیغ کے لیے لکھا تھا، ایسے دشمن کے نام پر نام رکھنا بڑی نادانی کی بات ہے۔ شاہین باز کو کہتے ہیں، غزالہ ہرن کو کہتے ہیں، کیا نام نکالے ہیں انہوں نے، ہم چھوڑ کر جانوروں کے نام اختیار کر لئے اس سلسلہ میں ہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جو اسلامی نام کے عنوان سے چھپا ہوا ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے۔

بدھوا، گھسیٹا، بچو (برصغیر میں پیار سے کم پڑھے لکھے گھرانوں میں اس طرح کے نام رکھے جاتے تھے، یہ ان کا ذکر ہے) بعض عورتیں ٹونکہ ٹوٹکہ کرتی ہیں اور بچوں کے نام اسی عنوان سے رکھ دیتی ہیں، مثلاً کسی بچے کے کان میں بُندے ڈالے کے لئے بندہ ڈالا تو وہ بندہ ہو گیا اور کسی کو چھاج میں رکھ کر گھسیٹ گیا تو وہ گھسیٹا یا بچھو ہو گیا اور اسی طرح بہت سی حرکتیں کر کے نام رکھتی ہیں یہ سب شرک ہے بہت سے خراب نام احقر نے خود سنے ہیں اور ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ ایک شخص کا نام مکوڑا تھا بعض لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کا نام عورتیں یہ سمجھ کر رکھتی ہیں کہ ایسا نام رکھنے سے بچہ زندہ رہے گا۔ یہ بھی شرک ہے اور اب ایک مصیبت اور چلی ہے وہ یہ کہ بچوں کے انگریزی نام رکھے جاتے ہیں۔ اور بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ باپ کو ابا کے بجائے ڈیڈی کہا جائے۔ اور نام رکھنے کا ایک اصول یہ بنا رکھا ہے کہ جو نالائق، بے شرم، بے حیا، بے دین مرد اور عورت سینما کی فلموں میں کام کرتے ہیں ان کے ناموں پر بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ والے بزرگوں کی یادگار باقی رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بے حیا بے شرم لوگوں کے ناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بچوں کو دینی زندگی پر ڈالنے کا حکم

دوسری نصیحت اولاد کو ادب سکھانے کے بارے فرمائی، پسندیدہ اعمال اور بلند اخلاق یہ سب ادب کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ فرائض کا اہتمام کرنا اور ممنوعات سے بچنا آداب عبدیت میں سے ہے اور انسانوں کے ساتھ اس طریقے سے پیش آنا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو یہ آداب معاشرت میں سے ہے آج کل لوگ اپنی اولاد کو نہ اللہ کی راہ پر لگاتے ہیں نہ آداب عبدیت سکھاتے ہیں اور نہ اسلامی معاشرت کے آداب البتہ یورپ اور امریکہ کی بے حیا قوموں کے طرز زندگی کو اپناتے ہیں اور بچوں کو انہیں کے طور طریق سکھاتے ہیں۔
ایک چھوٹا سا بچہ کلمہ طیبہ اور سورۂ فاتحہ تک نہیں سنا سکتا لیکن پتلون پہننے اور ٹائی لگانے کے آداب سے واقف ہوتا ہے آداب

باپ اپنی اولاد کا کیسے کیسے خون کر رہے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بھی مدعی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ طور طریق، رنگ ڈھنگ، رفتار گفتار اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بے شرم انگریزوں کے مقلد اور تبع بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اعمال

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِہَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَلْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: نماز کے مقررہ وقت پر نماز پڑھ لینا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک۔ پھر میں نے پوچھا، پھر اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال سے کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ یہ پتہ چلا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے پسندیدہ اعمال پر عمل کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی محبت وخوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے کہ نماز مقررہ وقت پر ادا کی جائے۔ والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور حسن سلوک کیا جائے جس کی صورت یہی ہے کہ جائز و پسندیدہ کاموں میں ان کی اطاعت کی جائے، انہیں تکلیف سے بچایا جائے، ان کے ساتھ بھلائی کی جائے، انہیں راضی رکھا جائے اور ایک پسندیدہ کام اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ جو زبان سے بھی ہوتا ہے، مال سے بھی ہوتا ہے اور آلات حرب سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اللہ کے راستے میں ہو، نصرت دین اور نصرت مومنین کی نیت سے ہو، لوگوں تک دعوت اسلام پہنچانے کی نیت سے ہو۔

اور ایک دوسری حدیث جو حضرت ابو بکرہ سے مروی ہے اس میں "عقوق الوالدین" (والدین کی نافرمانی) کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ والدین کی نافرمانی بھی گناہ کبیرہ ہے بلکہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال سے ہے اور عقوق والدین اس کی ضد ہے۔ لہٰذا ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے اور ان کی نافرمانی کے معاملے میں ڈرتے رہنا چاہئے۔ اس کے ذریعہ ہم لوگ سعادت جنت و نعمت آخرت میں خدائے قادر و مختار کے ہاں حاصل کر سکتے ہیں۔

شیطان سے حفاظت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا نَخَسَہُ الشَّیْطٰنُ فَیَسْتَہِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَۃِ

الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ "وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسے شیطان ناخن سے چٹکی بھرتا ہے اسی وجہ سے بچہ چیخ کر روتا ہے صرف حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام شیطان کے چٹکی بھرنے سے محفوظ رہے ہیں۔ (راوی حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت سنانے کے بعد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو (ان کی اس خصوصیت کی وجہ سمجھنے کیلئے) یہ آیت پڑھ لو۔ "وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"۔ (رواہ مسلم)

تشریح: حدیث شریف میں "مَا مِنْ مَوْلُودٍ" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا "ہر بچہ" (کوئی بھی بچہ) یعنی یہ لفظ بالکل عام مفہوم میں بولا گیا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر جن بچوں کو شیطان کی چٹکی بھرنے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے صرف وہی بچے مستثنیٰ مانے جائیں گے، اور بقیہ سارے بچوں کے ساتھ شیطان کا یہ نخس (چٹکی بھرنا) ہوگا۔

"نخس" کے لغوی معنی تو مہمیز اور آنکس وغیرہ کے ہیں جو جانوروں کو تیز چلانے کے لئے ان کے بدن میں چبھویا جاتا ہے۔ (ممکن ہے شیطان بھی کوئی چیز چبھوتا ہو یا چٹکی بھرتے لیتا ہو) شیطان سے مراد اصل شیطان ابلیس بھی ہو سکتا ہے اور اس کی ذریت بھی ہو سکتی ہے۔

ابن مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور "امہ" سے مراد حضرت مریم بنت عمران والدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ حضرت حنہ نے کہا تو "وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس موقع پر لوگوں کو اس آیت کی طرف متوجہ فرما دیا کہ ان دونوں کے شیطان کے کچوکے سے محفوظ رہنے کی وجہ سمجھنا چاہیں تو یہ آیت پڑھ لیں۔

الحمد للہ "معارف السنہ" کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ تیسری جلد "کتاب العلم" سے شروع ہوگی۔

ذوالجلال　　مرتبین